

اُردو ترجمہ

تفسیر رُوح البیان

پارہ نمبر ۲۰

تالیف

الامام العالم الفاضل والشیخ النحریر الکامل الجامع بین البواطن والظواہر ومفخر الاماثل والاکابر
خاتمۃ المفسرین وقدوۃ ارباب الحقیقۃ والیقین فریدا وانہ وقطب زمانہ منبع جمیع العلوم مولانا ومولی الروم

الشیخ اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہ العالی

ترجمہ

شیخ التفسیر والحدیث الحاج حضرت مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ ملتان روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب ــــــــــ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان پارہ نمبر ۲۰

مصنف ــــــــــ حضرت علامہ اسماعیل حقی قدس سرہٗ

مترجم ــــــــــ حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہٗ

سن طباعت ــــــــــ ۱۴۰۷ھ / جولائی ۱۹۸۷ء

مصحح ــــــــــ چوہدری مشتاق محمد خاں بی اے۔ لاہور

ناشر ــــــــــ مکتبہ اویسیہ رضویہ، ملتان روڈ، بہاولپور

باہتمام مولانا عطاالرسول اویسی

فہرست مضامین

فیوض الرحمٰن ترجمہ اردو تفسیر رُوح البیان

پارہ بیسواں

فہرست حاشیہ اویسی

تمت بالخیر



اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ
حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا
رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۗ ءَ
اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۗ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ تَعٰلَى اللّٰهُ
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ۗ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ
لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَمَا يَشْعُرُوْنَ
اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ
مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝

ترجمہ

یا وہ جس نے آسمان اور زمین بنائے اور تمھارے لیے آسمان سے پانی اُتارا تو ہم نے اُس سے باغ

اُگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ اُن کے پیڑ اُگاتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ وہ لوگ راہ سے کتراتے ہیں یا وہ جس نے زمین بسنے کو بنائی اور اس کے بیچ میں نہریں نکالیں اور اس کے لیے لنگر بنائے اور دونوں سمندروں میں آڑ رکھی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ ان میں اکثر جاہل ہیں۔ یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور دور کر دیتا ہے برائی اور تمھیں زمین کا وارث کرتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بہت ہی کم دھیان کرتے ہو یا وہ جو تمھیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے برتر ہے اللہ ان کے شرک سے۔ یا وہ جو خلق کی ابتدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور وہ جو تمھیں آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے تم فرماؤ کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ اور انھیں خبر نہیں کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔ کیا ان کے علم کا سلسلہ آخرت کے جاننے تک پہنچ گیا۔ کوئی نہیں وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: اَم مقدرہ بل وہمزہ ہے۔ **مَنْ** موصولہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ اور ایسے ہی باقی نظائر کو سمجھیے۔ کیا وہ جس نے **خلق السّمٰوٰت والارض** آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور یہی کائنات کے اصول اور منافع کے مبادی ہیں۔ یہی وہ خالق بہتر ہے یا وہ جس کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ یعنی سب پر وہی اجسام علویہ وسفلیہ کا خالق اپنے بندوں کے لیے بہتر ہے یا وہ **وانزل لکم** اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمھارے منافع کے لیے **من السّماء** آسمان سے پانی اس سے بارش مراد ہے۔ غیبۃ سے تکلم کی طرف عدول فرمانے میں تاکید ہے کہ یہ امور صرف اور صرف اُسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ فرمایا **فانبتنا بہٖ** تو ہم نے پانی کے ذریعے سے اُگائے۔ **حدائق** باغات گھنے جن کے ارد گرد بڑی لمبی لمبی دیواریں ہوں۔ **الاحداق** سے بمعنی الاحاطہ المفردات میں ہے کہ یہ الحدیقۃ کی جمع ہے۔ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں پانی ہو۔ حدقۃ العین سے تشبیہ **فی الهیئۃ وحصول الماء** دے کر کہا جاتا ہے۔ **احدقوا** بمعنی **احاطوا بہ**۔ آنکھ کے حدقہ کو پھیرنے سے تشبیہ دے کر ذات بہجۃ۔ البہجہ بمعنی اچھے رنگ والی شے اور وہ جس میں سرور و فرحت ظاہر ہو۔ یعنی حسن اور رونق والے کہ جنھیں دیکھ کر جی خوش ہو جائے اور وہ ہر جگہ جہاں ثمردار درخت ہوں اور اس کے ارد گرد دیوار ہو وہ حدیقہ اور جس کا منظر دلوں کو فرحت بخشے وہ ذات بہجۃ ہے۔ **ما کان لکم** اور تمھیں ممکن ہی نہیں کہ **ان تنبتوا شجرھا** اُن باغات کے درخت اُگا سکو۔ چہ جائیکہ اُن کے ثمرات **أ اِلٰہ** کیا کوئی ہے معبود **مَعَ اللہ** اللہ کے ساتھ جس کی صفات

ابھی بیان کی گئی ہیں۔ جو سوائے اس کے اور کسی کو لائق نہیں اور نہ ہی کوئی اس جیسی کسی کو قدرت حاصل ہے۔ پھر اس کے ساتھ وہ کس طرح شریک ہو سکتا ہے۔ بَلْ ھُمْ بلکہ وہ مشرکین قوم یعدلون ایسے لوگ ہیں جن کا کام ہی حق سے ہٹ جاتا ہے۔ ــــــــــ اس سے مراد توحید سے ہٹ کر بطلان یعنی اشراک سے وابستہ ہونا مراد ہے۔ یا اس کا معنیٰ ہے یجعلون عدیلاً یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے برابر شریک بناتے اور اس کا ہم مثل ثابت کرتے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ ظالم ہیں۔ عدل عن الحق یعنی جار عدولاً سے ہے یعنی انھوں نے ظلم بایں معنیٰ کیا کہ کفر کو ایمان کی جگہ اور شرک کو توحید کی جگہ پر رکھا یہ بطریق خطاب کے تبکیت سے اضراب و انتقال کر کے ان کے بُرے حالات بتائے۔ اب پھر تبکیت کی طرف اضراب و انتقال کر کے الزام دیگر کو داخل کر کے فرمایا۔ امّ منقطعہ ہے مَن موصولہ ہے جیسے پہلے گزرا ہے۔ جعل الارض قراراً بنایا ہے زمین کو قرار یہ قرفی مکانہ یقر قراراً سے ہے بمعنی ثبت ثبوتاً جامداً۔ اس کا اصل القر ہے بمعنی برد اس لیے کہ برد سکون چاہتی ہے اور حر د گرمی حرکت کی مقتضی ہے۔ یہاں قرار بمعنی المستقر یعنی قرارگاہ ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ جس نے اس زمین کو ایسا بنایا کہ اس پر انسان اور دیگر جانور قرار پکڑتے ہیں کہ پانی سے اسے اونچا اور برابر رکھا ہے تاکہ اس سے منافع پا سکیں۔ اب بتاؤ یہی ذات بہتر یا وہ بت جن کی یہ پرستش کرتے ہیں۔

فائدہ: ان آیات میں بعض جگہ ماضی اور بعض جگہ مضارع آیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے بعض افعال ایسے ہیں جو پیدا ہوں گے اور یہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت میں ہیں۔ وجعل خللھا۔ اور ان کے درمیان میں بنائی ہیں۔

حل لغات: خلال خلل کی جمع ہے بمعنی وہ سوراخ جو دو چیزوں کے درمیان ہو جیسے خلل الدار (دار کا سوراخ) اور خلل السحاب۔ بادل میں سوراخ وغیرہ وغیرہ۔ یہی اوساط کا معنیٰ ہے۔ انہاراً نہریں جاری جن سے یہ لوگ منافع پاتے ہیں۔ یہ جعل کا مفعول اوّل اور مفعول ثانی اس لیے مقدم ہے کہ وہ ظرف

لہ یہی تفسیر دوسرے مفسرین نے بھی کی اور یہی مفہوم اہل سنت وہابیہ کے اعتراض میں پیش کرتے ہیں۔ جب کہ وہ بتوں کی آیات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں کہ بت پرستوں کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بھی مانتے اور وسیلہ بھی ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ شریک مانتے اللہ تعالیٰ کے برابر کا معبود مان کر اور ہم انھیں خدا کے بندے اور محبوب مان کر اور محبوب بندوں کا وسیلہ خود اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ انّھم اذ ظلموا انفسھم جاؤکَ الخ مزید تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ملاحظہ ہو۔

ہے۔یہی تقریر آنے والے دو فعلوں کے مفاعیل کے لیے ہوگی۔ وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ۔ اور بنائے ہیں اس کے لیے لنگر

حل لغات: رواسی رسا الشئ یرسو سے ہے بمعنی ثبت۔ کشف الاسرار میں ہے کہ رواسی جمع الجمع ہے اہل عرب کہتے ہیں جبل راس وجبال راسیۃ۔ پھر اس کی جمع رواسی آتی ہے بمعنی ثوابت یعنی بناتے ہیں زمین پر ایسے مضبوط ثابت رہنے والے اور ان کے اندر معادن (کانیں) اور ان کے ڈھلانوں میں چشمے ہوتے ہیں جو وہ سب ان کے منافع ہیں۔ جن سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے عابدین کے نفوس کو طاعت کا اور عارفین کے قلوب کو معرفت کا اور واجدین کے ارواح کو محبت کا اور موحدین کے اسرار کو مشاہدہ کا قرارگاہ بنایا اور ان کے اسرار میں وصل وصال کی نہریں اور قربت کے چشمے بہائے جن سے ان کے اشتیاق اور پیاس اور ان کی جلن کا ہیجان بجھتا ہے۔ اور ان کے اندر خوف و رجاء اور رغبت و ہیبت کے پہاڑ کھڑے کر دیئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین کو ابدال و اولیاء و اوتاد سے مضبوط فرمایا کہ ان کے فیوض سے زمین سے رزق پہنچتا ہے اور ان کی برکتوں سے بلائیں رد ہوتی ہیں جیسے پہاڑوں کی تخصیص اسلامی ممالک کے لیے نہیں۔ ایسے ہی باطنی پہاڑ یعنی اولیاء اللہ بھی اسلامی ممالک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ وہ اسلامی ملکوں میں بھی ہوتے ہیں اور کافروں کے علاقوں میں بھی (لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ وہ کافروں سے ہوتے ہیں (معاذ اللہ) بلکہ کافروں کے ملکوں کے باشی ہوتے ہیں) اس لیے کہ وجود کو تو بقاء کا سبب چاہیئے (وہ کافروں کے ملک میں ہو یا مسلمانوں کے ملک میں) پاکی ہے اس کے لیے جو اولیاء و اعداء ہر دونوں پر مہربان اور فیض رسان ہے۔

وجعل بين البحرين حاجزًا۔ اور بنائی درمیان دو دریاؤں کے آڑ" بحرین میٹھا اور کڑوا پانی یا وہ دو خلیجیں مراد ہیں جو فارس و روم کے درمیان واقع ہیں حاجز وہ جو ان دونوں کو آپس میں ملنے سے روکتی ہے جیسے سورۂ فرقان میں گزرا۔ المفردات میں ہے الحجز بمعنی دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ اور حجاز کو اسی لیے حجاز کہا گیا ہے کہ وہ شام اور بادیہ کے درمیان حاجز ہے أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے یعنی کوئی ہے اس جیسا واجب الوجود اور کوئی ہے اس جیسا ایسی عجیب و غریب مصنوعات بنانے والا یعنی اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے اسی لیے یہ اپنے شرک کے بطلان کو نہیں سمجھ رہے باوجودیکہ اس کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ امن يجيب المضطر اذا دعاه ضمیر منصوب بلند اد کی طرف راجع ہے یعنی من موصولہ کی طرف اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا ہے کوئی جو پریشان کی تنگیٔ وقت کے وقت مشکلکشائی کرے۔ جب وہ پریشان حال اسے پکارے و يكشف السوء اور ہٹا دے تکالیف کو یعنی انسان سے دور کر دے وہ امور جو تکلیف میں ڈالتے اور

رسوا کرتے ہیں۔ وہی بہتر ہے یا وہ تمہارے بت جنھیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رہے ہو۔

حل لغات: الاضطرار باب افتعال از باب ضرورۃ یہ وہ حالت ہے جو انسانوں کو پریشان حالی کے لیے مجبور کر دیتی ہے اور مضطر وہ جو اس حالت میں ہو اور وہ مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں گڑگڑائے جیسے مرض فقر قرض غرق حبس۔ جور ظلم و دیگر حوادث زمانہ پھر اللہ تعالیٰ انہیں دفع فرماتا ہے شفا و غنا و انجاد و اطلاق تخلیص وغیرہ سے۔

حکایت: حضرت داؤد دیمانی رحمۃ اللہ علیہ کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ عرض کی دعا فرمائیے تاکہ صحت یاب ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تم مضطر ہو اور مضطر کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اس لیے کہ تندرست کی بہ نسبت پریشان حال زیادہ عجز و انکسار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو عجز و انکسار کو پسند کرتا ہے۔

۱۔ ابن نیاز مریمی بود ست مہ درد ؛ کان چنان طفلی سخن آغاز کرد
۲۔ ہر کجا دردی دوا آنجا بود ؛ ہر کجا فقری نوا آنجا رود
۳۔ ہر کجا مشکل جواب آنجا رود ؛ ہر کجا پستیت آب آنجا رود
۴۔ پیش حق یک نالہ از روی نیاز ؛ بہ کہ عمری در سجود و در نماز
۵۔ زور را بگذار زاری را بگیر ؛ رحم سوی زاری آید ای فقیر

ترجمہ: یہ بی بی مریم کی نیاز اور درد کا نتیجہ ہے کہ ان کے صاحبزادہ نے بچپن میں بولنا شروع کیا۔
(۲) جہاں درد ہو وہاں دوا بھی ہے جہاں فقر ہو وہاں دولت بھی ہوتی ہے۔
(۳) اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز ظاہر کرنا زندگی بھر کے سجدوں سے بہتر ہے۔
(۴) جہاں مشکل ہو وہاں اس کا حل بھی ہوتا ہے جہاں پستی ہو پانی وہاں آتا ہے۔
(۵) زور کو چھوڑ کر زاری دکھا اس لیے رحم زاری کی طرف آتا ہے۔

نکتہ: اجابت اور کشف السوء کو علیحدہ علیحدہ فاصلہ سے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اجابت قول سے متعلق ہے اور کشف السوء عمل سے اور اجابت کلام سے ہے۔ کشف السوء انعام کا نام ہے۔

فائدہ: مجبور کی دعا رد نہیں ہوتی اور نہ ہی مظلوم کی۔ لیکن ہر ایک کی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔

ازالۂ وہم: بعض مفسرین نے فرمایا کہ المضطر کی الف لام جنس کی ہے استغراق کی نہیں اس سے ان لوگوں کا اعتراض رفع ہو گیا جو کہتے ہیں کہ بہت سے مجبور لوگ دعائیں کرتے ہیں لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ تو اوپر اس کا جواب مذکور ہوا کہ یہاں المضطر سے کل مراد نہیں بلکہ جنس مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے

کہ کسی ایک کی بھی دُعا قبول ہو گئی تو پھر اجابت کا تقاضا پورا ہو گیا اور وہ کریم ہے کہ کسی کی اجابت بالقول فرماتا ہے اور کسی کی بالفعل جیسے اُس کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے اُس طرح کرتا ہے۔

حدیث شریف ۔ نفائس المجالس میں ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں۔

۱۔ خوشبو۔ ۲۔ نمازوں میں آنکھوں کی ٹھنڈک ۳۔ عورتیں

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سُنا تو اُنہوں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں:۔

۱۔ آپ کے چہرہ پر ہر وقت نگاہ ہو۔
۲۔ اپنا تمام مال آپ پر نثار کر دوں۔
۳۔ ہر وقت آپ کے سامنے بیٹھا رہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں:۔

۱۔ اولیاء اللہ کا دیدار۔
۲۔ قہر علی اعداء اللہ الاشرار۔
۳۔ حدود اللہ کی نگرانی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں مرغوب ہیں:

۱۔ افشاء السلام (ترویج السلام علیکم)
۲۔ اطعام الطعام ۔ طعام کھلانا۔
۳۔ رات کی نماز جب لوگ سو جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں مرغوب ہیں:

۱۔ تلوار کی ضرب۔
۲۔ گرمی کے روزے۔
۳۔ مہمان نوازی۔

اسی اثناء میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی یا سیدی مجھے بھی تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں:

۱۔ گمراہوں کو راہ دکھانا۔

۲۔ مساکین کی مدد کرنا ۔

۳ ۔ رب العالمین کے کلام سے موانست (مانوس ہونا۔)

یہ کہہ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام چلے گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کے بعد فرماتا ہے کہ مجھے بھی تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں :

۱۔ گنہگاروں کے آنسو ۔

۲۔ نہ توبہ کرنے والے گنہ گاروں کی سزا ۔

۳۔ مضطرب کی دُعا کی اجابت ۔

عارف کی علامت

بعض مشائخ نے فرمایا کہ عارفین ہمیشہ مضطر رہتے ہیں ۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ عوام کا اضطرار اسباب کا محتاج ہوتا ہے ۔ جب اسباب زائل ہوجاتے ہیں تو ان کا اضطرار بھی ختم ہوجاتا ہے ۔ اور یہ بھی غلبہ جنس پر ہے بوجہ شہود کے اس لیے خواص کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اس معنیٰ پر وہ گویا ہر وقت ہی مضطر ہیں کیونکہ اضطرار کی شرط موجود ہے نہ وہ زائل ہوتی ہے اور نہ ہی ان کا اضطرار ختم ہوتا ہے ۔ ہاں ویسے ان کی ہر دُعا مستجاب ہوتی ہے ۔

قبول دُعا کے شرائط

دُعا میں خلوص نیت ہو ۔ شکوک وشبہات سے اعتماد کا پاک ہونا اور توسل الی اللہ توبہ خالص سے اعضاء کا پاک وصاف ہونا تاکہ دعا مستجاب ہو مثلاً

مسواک کرنا ۔

خوشبو لگانا ۔

وضو کرنا ۔

استقبال قبلہ تقدیم ذکر والثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ۔

ہر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا ۔

عجز ونیاز اور آہ وزاری کرنا ۔

ہاتھ کاندھوں کے برابر کھڑے کیے جانا :

بایزید بسطامی کا خواب: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کے وقت ایک ہاتھ اُٹھایا۔ دوسرا سردی کی وجہ سے چھپائے رکھا اور خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتھ نور سے پُر ہے اور دوسرا خالی ہے۔ میں نے عرض کیا الٰہی یہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے مجھ سے دعا مانگتے وقت ایک ہاتھ پھیلایا تو اسے میں نے نور سے بھر دیا۔ دوسرا تو نے چھپائے رکھا تو اسے میں نے بھی محروم رکھا۔

مسئلہ: سردی یا کوئی اور عذر ہو تو مسبحہ (شہادت کی اُنگلی) کا اشارہ بھی ہاتھ پھیلانے کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ (کذا فی القنیہ)

وَ یجعلکم خلفاء الارض اور تمہیں زمین کا جانشین بنایا بایں معنی کہ تمہیں گزشتہ لوگوں کا وارث بنایا کہ اس زمین پر ٹھہرو اور اس پر تصرف کرو ایسے ہی قرناً بعد قرن ہوتا چلا آیا اور تا قیامت ہوتا رہے گا۔

أالٰہ کیا کوئی دوسرا معبود ہے۔ **مع اللہ**۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تمام لوگوں کو اس طرح کی نعمتوں سے نوازے **قلیلا ما تذکرون**۔ بہت تھوڑی دیر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے ہو یا زائدہ ہے۔ قلت کے معنیٰ کی تاکید کرتا ہے۔ اس قلت سے عدم مراد ہے یا حقارت اور لاپرواہی مراد ہے اس میں اشارہ ہے کہ مضمون تو ایسا واضح ہے کہ ہر ذکی و غبی سمجھ سکتا ہے لیکن توجہ و تذکر کی ضرورت ہے اور وہ ان میں مفقود ہے۔ **ام** یا وہ **من ھو یھدیکم**۔ مقاصد کی طرف تمہاری رہبری کرتا ہے۔ **فی ظلمات البر و البحر**۔ جنگلوں اور دریاؤں اور راتوں کی اندھیروں اور زمین کے نشانات سے براضافہ ملابست کی ہے یا رہبری کرتا ہے ملے جلے راستوں سے۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں **طریقۃ ظلماء یا عمیاء** وہ راستے جن کے کوئی علامات و نشانات نہ ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا یہ بت۔ **و من** موصولہ ہے جیسا کہ گزرا۔ **یرسل الریاح** اور وہ ذات جو ہواؤں کو چھوڑتی ہے۔ درآنحالیکہ وہ **بشرا** خوشی دینے والی ہوتی ہیں **بین**

یدی رحمتہ۔ اس کی رحمت سے یعنی بارش **أالہ مع اللہ** اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود جو ایسی قدرتیں رکھتا ہو۔ **تعالی اللہ عما یشرکون** بلند ہے اس سے کہ اس کے ساتھ شریک کریں۔ وہ خالق قادر ہے۔ ایسا بلند مقام رکھتا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو کیونکہ اس کے آگے تمام عاجز ہیں اور اس کے پیدا کردہ ہیں **ام من یبدأ الخلق** کیا وہ جو مخلوق پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ **ثم یعیدہ** پھر مرنے کے بعد قیامت میں لوٹا سکے گا۔ وہ موت دینے کے بعد زندہ کرے گا۔ **ام** اور **من** کا اعراب بیان ہو چکا۔

فائدہ: الکواشی میں ہے کہ کفار نے اپنی ابتدائی تخلیق کے بارے میں باوجودیکہ انہیں قیامت میں زندہ اُٹھانے سے انکار تھا حالانکہ اس سے قبل ان کو براہین قاطعہ سنائے گئے کہ وہی پانی سے انگور

اُگاتا ہے۔ پھر انھیں خشک کر دیتا ہے پھر انہیں سرسبز بنا دیتا ہے اور عقل کو بھی یقین ہے کہ مرنے کے بعد اُٹھنا حق ہے اور انھیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ نہیں تھے تو انہیں پیدا فرمایا تو پھر اس کا لوٹانا تو اس سے آسان تر ہے۔ و من یرزقکم من السماء والارض اور کون تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ اسباب سماویہ وارضیہ سے أاله مع الله کیا کوئی معبود ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو اس طرح کر سکے۔ قل هاتوا

حل لغات: الحریری نے فرمایا کہ اہل عرب واحد مذکر کے لیے کہتے ہیں۔ هات بکسر التاء اور جمع کے لیے هاتوا اور مونث کے لیے هاتی اور جمع مونث کے لیے هاتین اور مونث و مذکر تثنیہ کے لیے هاتیا نہ کہ هاتا۔ ان دونوں صیغوں میں امر کے باب مذکر و مونث تثنیہ کا کوئی فرق نہیں جیسے ضمیر تثنیہ غلامهما وضربهما میں کوئی فرق نہیں۔ نہ یدان ہندمیں علامت تثنیہ (مونث) کی بھی ضرورت نہیں۔ هات دراصل آت تھا آتی سے ہے بمعنی اعطی ہمزہ ہا سے تبدیل کیا گیا جیسا ارقت الماء و ایاك میں ہمزہ ہا سے تبدیل کیا گیا ہے۔ انہیں هرقت وهیاك پڑھا جاتا ہے اور ملح العرب میں ہے کہ ایک شخص نے کسی اعرابی سے کہا هات۔ اس نے اس کے جواب میں کہا والله ما اهاتیك ای ما اعطیاك۔ بخدا میں تجھے نہیں دوں گا۔ برهانکم لاؤ اپنی دلیل عقلی یا نقلی جو دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے اور برہان مؤکد ترین دلیل کو کہا جاتا ہے کہ جس میں صدق ہی صدق ہو ان کنتم صٰدقین۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو۔

ربط: اب بتانا چاہتے ہیں کہ غیب کا (بالذات) جاننا اللہ تعالیٰ سے خاص ہے وہ اس صفت میں اسی طرح منفرد ہے جیسے مذکورہ بالا صفات میں تنہا ہے ——— چنانچہ فرمایا قل لا یعلم من فی السٰموٰت۔ فرمایئے نہیں جانتے وہ جو آسمانوں میں ہیں ان سے ملائکہ مراد ہے والارض اور جو زمین میں ہیں۔ انسان وجن۔ الغیب۔ غیب سے مراد وہ ہے جو عام بندوں سے غائب ہو جیسے قیامت وغیرہ۔ اس کی تحقیق آتی ہے إلاَّ الله۔ اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی لیکن اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ ایسے غیب کو جانتا ہے۔

ترکیب

استثناء منقطع ہے اور مستثنیٰ مرفوع ہے۔ من سے بدل ہے یہ لغت بنو تمیم کے مطابق ہے اور حجازی اسے منصوب پڑھتے ہیں۔ وما یشعرون اور کوئی بشر اسے نہیں جانتا۔ ایان یبعثون کہ کب قبروں سے اُٹھائے جائیں گے۔ ایان ایّ اور آن سے مرکب ہے ای استفہام اور آن اسم ظرف

زماں ہے جب دونوں مرکب ہوکر ایک جان ہوئے تو بعلبک کی طرح بنی علی الفتح ہو گیا۔

علم غیب کی انوکھی تحقیق

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیب کی کئی قسمیں ہیں :

۱۔ اہل ارض کا زمین میں غیب۔

۲۔ اہل ارض کا آسمان میں غیب۔

ایسے علوم کو انسان حاصل کر سکتا ہے۔ پھر بہر دونوں کی دو قسم ہیں ،

۱۔ ارضِ ظاہری اور آسمانِ ظاہری میں ہر انسان سے غائب ہونا جیسے کوئی شخص کسی سے زمین پر پوشیدہ ہو کر چلا جائے یا کوئی اور امر ان پر ایک کو حاصل کرنا ممکن ہے مثلاً وہ گم شدہ انسان کہیں مل جائے یا کوئی امر جو غیر معلوم تھا وہ کسی طرح معلوم ہو جائے ایسے ہی آسمانی امر ہو تو وہ بھی معلوم کیا جا سکتا ہے مثلاً علم النجوم الہیئۃ کہ انھیں پڑھنے سے معلوم کیا جا سکتا ہے اگرچہ بظاہر غائب ہیں۔

۲۔ ایسے ہی ارض معنوی کا غیب اس سے نفس مراد ہے کہ اس میں کئی اوصاف و اخلاق پوشیدہ ہیں جن کی کیفیت و کمیت انسان سے مخفی ہے لیکن ان پر مجاہدہ اور ریاضت اور ذکر و فکر سے واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے اور ایسے ہی معنوی کا غیب اس سے قلب مراد ہے کہ اس میں کئی علوم و حکمتیں اور معانی مخفی ہیں جو انسان سے اوجھل ہیں انھیں مقاماتِ نفس کی سیر اور مقاماتِ قلب کے سلوک سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اہل ارض کے لیئے زمین و آسمان کا غیب۔ اس کی طرف پہنچنا انسان کے لیے ناممکن ہے جبتک کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ فرمایا: سنریہم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق۔ ہم انھیں اپنی آیات آفاق اور اُن کے نفوس میں دکھاتے ہیں تاکہ ظاہر ہو کہ بیشک وہ حق ہے۔

۴۔ اہل آسمان کا آسمان و زمین میں غیب اسے تعلیم حق کے بغیر حاصل کرنا ناممکن ہے جیسے اسماء جس کی تعلیم سیدنا آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی گئی۔ کما قال اللہ تعالیٰ وعلم آدم الاسماء کلہا۔ اسی تعلیم کے زور پر آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو فرمایا انبئونی باسماء ہٰؤلاء ان کنتم صٰدقین قالوا سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا۔ مجھے خبر دو ان اسماء کی اگر تم سچے ہو تو ملائکہ نے کہا اے اللہ تیری پاکی ہمیں تو کوئی علم نہیں سوائے اس کے کہ جو تو نے ہمیں سکھایا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کو ایسی بزرگی بخشی جو ملائکہ کو بھی نصیب نہ تھی یعنی اطلاعہ علی مغیبات لم یطلع علیہا الملائکۃ۔

(روح البیان ص۳۶ ج۱) یعنی ایسے مغیبات پر آگاہی جن سے ملائکہ آگاہ نہ تھے۔ یہی وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ

کی تعلیم سے نصیب ہوتا ہے (لکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون) کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کل اسماء کی تعلیم سے نوازا۔

۵۔ وہ غیب جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس پر آگاہی نہ آسمانوں والوں کو ہو سکتی ہے نہ زمین والوں کو ہاں جن رسولوں (علیہم السلام) کو وہ خود اس علم کے لیے منتخب فرمائے جیسا کہ خود فرمایا فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول (اپنا غیب کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے اپنے ان رسولوں کے جن کو وہ خود منتخب فرمالے۔

استدلال سُنّی برائے تردید معتزلی

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وبھٰذا استدل علی فضیلۃ الرسل علی الملائکۃ لان اللہ استخصھم باظھارھم علی غیبہ الملائکۃ ولھذا اسجدھم لادم لانہ کان مخصوصًا باظھار اللہ اباہ علی غیبہ ولذلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ خلق ادم فتجلی فیہ؎۔ اس سے اپنے خاص علم غیب کے اظہار کے لیے رسل علیہم السلام کو مخصوص فرمایا ہے نہ کہ ملائکہ کو اسی لیے انہیں حکم ہوا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں کیونکہ اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص غیب کے اظہار کے لیے منتخب فرمایا اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر اسے اپنے مخصوص جلوہ سے نوازا۔

لہ یہی ہمارا موقف ہے کہ غیب کا جاننا خاصۂ خداوندی سہی لیکن وہ کریم اپنے پسندیدہ انبیاء علیہم السلام کو اس سے نوازتا ہے۔ اصل عبارت روح البیان کی یوں ہے۔ وغیب وھو مخصوص بالحضرۃ ولا سبیل لاھل السمٰوٰت والارض الی علمہ الا لمن ارتضیٰ لہ کما قال اللہ تعالیٰ فلا یظھر علی غیبہ الخ ص ۲۶۴ ج ۶

عہ روح البیان ص ۲۶ ج ۶

لہ جیسا کہ ہمارے اسلاف نے معتزلہ کے رد میں اسی آیت سے استدلال فرمایا کہ ملائکہ کرام سے انبیاء علیہم السلام اسی سبب سے افضل ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا خاص علم غیب عطا ہوا۔ اسی طرح ہم اپنے زمانہ کے معتزلیوں کو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیب خاص سہی لیکن وہ کریم اپنے انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ یہی مسلک حق اور مذہب اہلسنت کا ہے۔ اور تم معتزلہ کی پیروی میں نبوت و ولایت کے لیے علم غیب کی عطا کا انکار کر کے اپنی معتزلیت پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔

انتباہ: فقیر اویسی غفرلہٗ نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ ابلیس تا دیوبند۔ اس میں ثابت کیا ہے کہ ہمارے دور کے وہابی۔ دیوبندی معتزلہ کی شاخ ہیں۔ دلائل میں ایک دلیل یہ بھی عرض کی ہے کہ معتزلہ تفضیل الرسل

۶- ایک وہ علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص فرمایا ہے وہ ہے علم قیام قیامت ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ فرمایا وما یشعرون ایان یبعثون ۔ اور وہ جانتے کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے[۱]

حاشیہ بقیہ ، علی الملائکہ کے قائل نہیں اور یہ زبان سے قائل ہیں لیکن جن دلائل کو اہل سنت نے معتزلہ کا رد کر کے تفضیل ثابت کی تھی یہ سرے سے انہی دلائل کا نہ صرف انکار بلکہ ماننے والے کو مشرک کہتے ہیں ۔ قاعدہ یہ ہے کہ دلیل کمزور کرنے پر دعویٰ کمزور پڑے گا ۔ جب اہل سنت قدیم کا دعویٰ کمزور پڑ گیا تو لامحالہ معتزلہ کے موقف کی تصدیق ہو جائے گی ۔ (اویسی غفرلہٗ)

[۱] اس مضمون سے مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ رُوح البیان میں بھی علم ساعۃ کی نفی از رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت ہے اس کا جواب مختصراً عرض کیے دیتا ہوں ۔

یاد رہے کہ سابقہ دور میں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رہا ہے وجہ علم ساعۃ کو کافر تو بڑی بات ہے فاسق بھی نہیں کہا جا سکتا اور جن علماء کرام نے اختلاف کیا وہ ہمارے دور کے بے ادب و گستاخ نہ تھے بلکہ وہ دوسرے مسائل کی طرح اجتہاد جواز قبیلہ مبنی بر خطا تھا اور بس ۔ اور ہمارے دَور کے بے ادب لوگوں کا اختلاف مبنی بر اجتہاد نہیں بلکہ مبنی بر تنقیص رسالت ہے ۔ کیونکہ ان مجتہدین کو اگر اپنے اجتہاد کے برعکس تحقیق ہو جاتی تو ضرور مان جاتے بخلاف ہمارے دور کے بے ادب لوگوں کے کہ ان کو ہزاروں دلائل اور پھر تصریحات دکھائی جائیں نہیں مانیں گے ۔ اس لیے کہ یہ ضد کا شکار ہیں اور لاعلاج بیماری ہے ۔ منصف مزاج کے لیے چند دلائل حاضر ہیں ۔ تفصیل دیکھنی ہے تو فقیر کی کتاب "طلوع الشمس فی علوم الخمس" کا مطالعہ کیجیے ۔ (اس مختصر کو بھی اگر رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے تو بھی مناسب ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ علم ساعۃ چونکہ علم غیب سے متعلق ہے ۔ اسی لیے فقیر اویسی غفرلہٗ نے مقدمہ لکھ کر اثبات علم غیب مطلق پھر علم ساعۃ کے لیے لکھے گا ۔ انشاء اللہ ۔

مقدمہ

نبوّت سے علم غیب کا ثبوت

کئی مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ کہہ کر خطاب فرمایا ہے جس کے معنی یہ ہیں ۔ اے غیب کی خبر دینے والے ۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی معاذ اللہ نبی ہوا ۔ اور اگر دنیا کے واقعات مراد

ہوں توہر اخبار ریڈیو خبر دینے والا نبی ہو جائے۔ معاذ اللہ! اس سے لازماً ثابت ہوا کہ نبی کا معنیٰ غیب کی خبریں دینے والا ہے جیسا کہ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں۔

النبوۃ ماخوذۃ من النّباء بمعنی الخبر اَی اطلعہ اللہ علَی الغیب

یعنی نبوت اطلاع علی الغیب کا عین ہے یا لازم نبی بروزن شریف صیغہ صفت مشبّہ کا ہے جس کا معنی ہے ہمیشہ غیب کی خبر دینے والا۔ خلاصہ یہ کہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا مخبر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ رضا و عدم رضا فی الامور اعلیٰ درجہ کا غیب ہے۔ کیونکہ پیغمبر اس لیے تشریف لائے کہ لوگوں کو بتلا دیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اس میں نہیں۔ یہ دونوں باتیں غیب ہیں۔ جس چیز کا علم اوروں کو نہ ہو وہ نبی کو ہوتا ہے اور نبی وہ ہے جو غیب کی خبر دے۔ تو ثابت ہوا کہ علمِ غیب نبی کے لیے لازم ہے۔ ورنہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ نبی کو علم نہ ہو تو تسلیم کرنا پڑے کہ نبی لوگوں کو جبھی خبر دے سکتے ہیں کہ انہیں علم غیب ہو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (پ۳۰ سورۃ تکویر)

اور وہ نبی غیب بتلانے میں بخیل نہیں۔

حوالہ جات تفاسیر

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں:

۱۔ حضرت محی السنۃ علامہ بغوی رحمہ اللہ تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت شریفہ کے تحت فرماتے ہیں:

علی الغیب و خبر السماء و ما اطلع علیہ من الاخبار و القصص بضنین ای بخیل یقول انہ یاتیہ علم الغیب فلا یبخل بہ علیکم و یخبرکم ولا یکتمہ کما یکتم الکاھن۔ (معالم التنزیل ص۲۱۶ج۷ مطبوعہ مصر)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور اُن خبروں و قصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علمِ غیب آتا ہے۔ پس وہ تم پر بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں۔ جیسے کہ کاہن چھپاتے ہیں ویسے یہ نہیں چھپاتے۔"

فائدہ: صاحب معالم التنزیل کے کلام سے واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب ہے۔ جبھی تو وہ لوگوں کو مطلع فرماتے ہیں۔

۲۔ علامہ علاء الدین صاحب تفسیر خازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

يقول انه عليه السلام ياتيه عِلمُ الغيب فلا يبخل به عليكم بل يعلمكم ۔ (الخازن جزء السابع صـ۲۲۵)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علمِ غیب آتا ہے تو تم پر اس میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔"

فائدہ ۔ ثابت ہوگیا کہ علمِ غیب پر مطلع ہونا یہ اصل نبوت کی دلیل ہے ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جس کو مقامِ نبوت پر پسند فرمالیتا ہے انہیں علمِ غیب عطا فرمادیتا ہے ۔

۳ ۔ یہی علامہ خازن دوسرے مقام پر آیت وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ کے ماتحت فرماتے ہیں:

يعنى ان يطلعهم عليه وهم من الانبياء والرسل ويكون ما يطلعهم عليه من عِلم غيبه دليلاً علٰى نُبوّتِهِمْ كما قال الله تعالٰى فلا يظهر على غيبه احداً الا من ارتضٰى من رسول ۔

(خازن صـ۲۷ ج۱ مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و رسل ہیں ۔ تاکہ ان کا علمِ غیب پر مطلع ہونا اُن کی نبوت کی دلیل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں ظاہر کرتا اپنے خاص غیب پر کسی کو مگر اُس رسول سے کہ جس سے راضی ہو جائے ۔

۴ ۔ یہی علامہ موصوف تفسیر خازن میں تیسرے مقام پر آیت عالم الغیب فلا یظھر کے ماتحت فرماتے ہیں:

الا من يصطفيه لرسالته ونبوّته فيظهر على ما يشاء من الغيب حتٰى يستدل على نبوته بما يخبر به من المغيبات فيكون ذالك معجزة له؛

(الخازن صـ۱۶۳ ج ۷ مصر)

"مگر جس کو اپنی نبوت اور رسالت پر چن لے ۔ پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب تاکہ اُن کی نبوت پر دلیل پکڑی جائے ۔ اُن غیب چیزوں سے جس کی وہ خبر دیتے ہیں ۔ پس یہ اُن کا معجزہ ہے۔"

فائدہ: ان دلائل سے ثابت ہوگیا کہ نبوت کا امورِ غیبیہ کی خبر دینا یہ اُن کا معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے ۔

فیصلہ کن حوالہ: ذیل میں فقیر ایک ایسی کتاب کا حوالہ لکھتا ہے جو مخالفین کو مسلّم ہے وہ ہے شرح عقائد نسفی ۔ یہ وہ کتاب ہے جو حنفیہ کے عقائد میں درس نظامی کے نصاب میں داخل ہے ۔ علامہ تفتازانی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

وبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله تعالى لاسبيل اليه لعباده الا باعلام او الهام بطريق المعجزة او الكرامة او ارشاد الى الاستدلال بالامارات فيما يمكن فيه ذالك ولهذا ذكر فى الفتاوى ان قول القائل عند رؤية هالة القمر يكون مطرًا مدعيا علم الغيب لا بعلامة كفر (شرح عقائد نسفی)

ترجمہ

حاصل کلام یہ ہے کہ علم غیب ایک ایسا امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس سے متفرد ہے۔ بندوں کو اس کے حصول کا کوئی طریقہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ بطریق وحی یا الہام بتائے یا بطریق معجزہ یا کرامت کے ہو۔ اسی لیے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ چاند کے ہالہ کو دیکھ کر کوئی غیب کا مدعی بن کر کہے کہ پانی برسے گا۔ یہ کفر ہے۔

(ف) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ بندوں کا علم بالغیب کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور وحی والہام کے ذریعہ سے بطور معجزہ اور کرامت کے ہوتا ہے۔ کیونکہ علم غیب ہی نبوت کی دلیل اور معجزہ ہے۔

ازالۂ وہم آپ پر یا کسی اور نبی یا ولی پر علم الغیب کا اطلاق حرام ہے یہ اُن کی تغلیط عام اور دفع وقتی ہے ورنہ اسلاف نے اس کا اطلاق مانا ہے جیسا کہ اُوپر کی عبارت میں گزرا اور پھر قرآن مجید میں اسکا لطیف اشارہ موجود ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ ۝ (پ۱۲ ع۳ سورۃ الھود)

"اور یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے رہتے ہیں۔

فائدہ: اس آیت شریف میں اَنْبَاءَ جمع کا صیغہ ہے اور مضاف ہے لفظ غیب کی طرف اور صیغہ جمع مضاف مقتضی ہے استغراق کا۔ جو علم نحو ومعانی واصول میں ثابت ہے۔

لہٰذا آیت شریف نص ہوگی اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مغیبات پر اطلاع فرمادی۔ بعض بذریعہ وحی جلی اور بعض بذریعہ وحی خفی اور نُوْحِيْهَا کی ضمیر اَنْبَاءِ الْغَيْبِ کی طرف راجع ہوگی۔ اسی لیے یہی قریبی مرجع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ اور لیکون حضور صلی اللہ علیہ وسلم للعالمین نذیرا سارے عالمین کے نبی ہیں اور نبوت بھی دائمی ہوتی ہے۔ بالفرض اگر کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ وقت کے لیے معاذ اللہ اُس خبر سے بے علم سمجھا۔ تو اس اعتقاد کی بناء پر وہ اتنی دیر

تک منکر نبوت رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب شریف پر ایمان ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اس کی تصریح آتی ہے لیکن اس کا اطلاق علم الغیب علی النبی کا مسئلہ واضح ہوا وہ اس طرح کہ نُوْحِیْ اِنَّا اِیْحَاءٌ بمعنی الاعلام بالخفاء (العینی شرح بخاری) اب معنیٰ ہوا کہ ہم غیب کا علم عطا فرماتے ہیں نبی کو۔

حضرت حافظ الحدیث شیخ احمد مالکی وخازن وجمل وصاوی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمیع علم غیب پر ایمان رکھنا واجب ہے ان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وَالَّذِیْ یَجِبُ بِهِ الْاِیْمَانُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَهُوَ یَعْلَمُهَا کَمَا هِیَ عَیْنُ یَقِیْنٍ کَمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا کَمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ هٰذِهٖ وَوَرَدَ اَنَّهٗ اِطَّلَعَ عَلَی الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَغَیْرُ ذَالِكَ مِمَّا تَوَارَدَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ لٰکِنْ اُمِرَ بِکِتْمَانِ الْبَعْضِ (خازن۔ جمل صاوی وغیرہا)

ترجمہ

"جن باتوں کے ساتھ مسلمان کے لیے ایمان لانا لازم ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اتنے تک انتقال نہیں فرمایا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کے تمام مغیبات پر مطلع نہیں فرمایا۔ وہ انھیں اس طرح جانتے ہیں جس طرح یقینی اور آنکھوں دیکھی بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ میرے لیے دنیا بلند فرمائی گئی ہے۔ میں اس کی طرف ایسے دیکھ رہا ہوں جس طرح میں ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ بہشت و دوزخ اور ومافیھا پر مطلع ہوں۔ اور ان باتوں کے متعلق احادیث تواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں۔ اور بعض چیزوں کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

فائدہ: ثابت ہوا کہ اس بات پر ایمان رکھنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع علوم غیبیہ پر مطلع فرما دیا ہے۔ قیامت تک کی کوئی شے آپ سے مخفی نہیں ہے۔

باب دوم

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جن آیات و احادیث میں علم غیب کی نفی ہے وہ سب آپ کی مکی زندگی کے متعلق ہیں اور اصول تفسیر و حدیث کا قاعدہ ہے کہ مدنی زندگی کی آیات مبارکہ و احادیث مقدسہ مکی زندگی کے

مضامین کی ناسخ ہیں یا اُن کے اجمال کی تفصیل ہیں ان قواعد کی تفصیل فقیر کی کتاب "احسن البیان" میں مطالعہ کیجئے۔ اور رُوح المعانی میں لکھا ہے کہ ساعت دنیا کی آخری یا آخرت کی پہلی گھڑی کا نام ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ "طلوع الشمس فی علوم الخمس" میں انھیں مفصل طور پر لکھا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر (۱)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ اَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ ۝ (رواہ مسلم المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

ترجمہ

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ اور سب سے پہلے قبر سے میں اُٹھوں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا۔ اور میری شفاعت قبول ہوگی۔"

حدیث نمبر (۲)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَّبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔ (رواہ الترمذی ۝ (المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

"حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں گا۔ اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا اور میرے ہاتھ میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس کو فخر سے نہیں کہتا اور قیامت کے دن آدم اور ان کے سوا تمام دوسرے پیغمبر میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں قبر سے سب سے پہلے اُٹھوں گا اور اس پر مجھ کو فخر نہیں۔"

حدیث نمبر (۳)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ اَنَا اَوَّلُ یَسْتَفْتِحُ بَابَ الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَّا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ ۝ (المشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱)

ترجمہ

" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت میرے متبع تمام انبیاء کے متبعین سے زیادہ ہوں گے اور پہلا وہ شخص میں ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھلواؤں گا خازن پوچھے گا آپ کون ہیں تو میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ عرض کرے گا مجھے آپ کے لیے ہی حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

فائدہ: ان روایات پر غور کیجئے کہ مزار سے اُٹھنا یہ ساعت کی پہلی گھڑی ہے اس کے بعد سارے حالات کا ذکر ہمارے دلائل کی تائید ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر خود ساعت کے متعلق ارشاد فرمایا۔

حدیث نمبر (۴)

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعۃ کھاتین۔ رواہ البخاری فی صحیحہ (کذا فی المشکوٰۃ المصابیح) باب قرب القیامۃ۔

ترجمہ

" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کو ملا کر) فرمایا کہ میں اور قیامت دونوں اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔

فائدہ: باتفاق علمائے حدیث اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی جدید نبی پیدا نہ ہوگا۔ اور قیامت آپ کے ساتھ آنے سے یہی مراد ہو سکتی ہے۔ ورنہ حدیث کا خلاف واقعہ ہونا لازم آتا ہے۔

حدیث نمبر (۵)

عن زیاد بن زیاد مولی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ وَ مَدَّ اِصْبَعَیْہِ السَّبَّابَۃَ وَالوُسْطٰی۔

ترجمہ

" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام زیاد بن ابی زیاد سے مروی ہے۔ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں بھیجا گیا ہوں میرے اور قیامت کے درمیان کا واسطہ ان دو انگلیوں کی طرح ہے۔ اور آپ نے انگوٹھے والی انگلی اور درمیان کی بڑی انگلی دونوں کو باہر نکالا

اور لمبا کیا۔"

(ف)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سبابہ اور وسطیٰ کو لمبا کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جیسے وسطیٰ کو لمبا کرنے سے کوئی چیز حاجز نہیں۔ کیا آپ کے اس فرمان سے

حاجز نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں۔ کیا آپ کے اس فرمان سے کسی مومن کو انکار ہو سکتا ہے کہ آپ نے سبابہ اور وسطیٰ کو اکٹھا اور لمبا کر کے فرمایا تاکہ یہ بھی ثابت ہو جائے جیسے کہ ان دونوں انگلیوں کا تعلق مرکزی ایک ہاتھ ہی ہے ایسے ہی میرا قیامت کے ساتھ تعلق ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی ذات اور قیامت کو ملا کر واحد ہی فرمایا۔ اب آپ کے اور قیامت کے درمیان انفصال کرنے والا اور آپ کو قیامت سے بے خبر کہنے والا صادق ہو سکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ آپ نے اتصال میں اشارہ فرمایا کہ میں آیا ہوں اب میرے سے متصل ہو کر قیامت آ رہی ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنے سبابہ اور وسطیٰ کو لمبا کر کے اپنا اور قیامت کا تعلق ظاہر فرمایا۔ اگر تم کہو کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے قیامت کے تعین کا امر ہمیں کیوں نہیں ارشاد فرمایا تو آپ کا ظاہر نہ فرمانا آپ کے عدم علم پر دلالت نہیں کرتا۔

حدیث نمبر (٦)

مسلم شریف صفحہ ۲۹۷ ج ۱ میں ہے:

عن جابر بن عبد الله انهٗ عُرِضَ عَلَیَّ کُلُّ شَیْءٍ تولجو نہٗ۔

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میرے سامنے ہر شے پیش کی گئی جس میں تم داخل ہو گے۔"

فائدہ: اب بتائیے کہ ہم قیامت یعنی ساعت اُولیٰ (یوم آخرت) میں داخل ہوں گے یا نہ اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہے۔ بلکہ روایات میں تو یہاں تک ہے کہ ساعۃ نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ کی صورت میں اسے سواری کے طور پر استعمال فرمایا۔ یہ ایک حدیث ہے جس کے چند جملہ یہ ہیں۔

حدیث نمبر (٧)

واما الناقة التی رأیتها ورأیت ابعثها فهی الساعة علینا تقوم لا نبی بعدی ولا امة بعد أمتی۔ (ابن کثیر ص ۲۶۹ جلد ۹)

"وہ ناقہ جس کو تم نے خواب میں دیکھا اور یہ کہ میں اس کو چلا رہا ہوں وہ قیامت ہے جو ہم پر قائم ہو گی کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا اور نہ میری اُمت کے بعد کوئی اُمت۔"

فائدہ: اس سے مزید اور کیا چاہیے لیکن ضدی کو دفتر پڑھ کر سنا دو تو پھر بھی نہیں مانے گا اور

ع دانا را اشارہ کافیست

اور غبی سرے سے سمجھتا ہی کچھ نہیں۔

حدیث نمبر (۸)

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَجَمَعَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ (ابن ماجہ ص۳۰۲ ابو داؤد طیالسی ص۲۶۶)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں اور آپ نے اپنی انگلیوں کو جمع فرمایا۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرَاهُ قَرِيْبًا کے ساتھ اس کی مطابقت ہو گی۔"

حدیث نمبر (۹)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْاَيَّامِ وَ اَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِيْهِ اٰدَمَ وَ اَهْبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ اٰدَمَ اِلَى الْاَرْضِ وَفِيْهِ تَوَفَّى اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يَسْاَلُ اللّٰهَ فِيْهَا الْعَبْدُ شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَالَمْ يَسْئَلْ حَرَامًا وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلَا سَمَاءٍ وَلَا اَرْضٍ وَلَا رِيَاحٍ وَلَا جِبَالٍ وَلَا بَحْرٍ اِلَّا وَهُنَّ يُشْفِقْنَ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (ابن ماجہ ص۷۷)

ترجمہ

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے نزدیک بہت بزرگی والا ہے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دنوں سے بھی زیادہ بزرگ ہے۔ اس میں پانچ بڑی چیزیں ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی میں زمین پر اُتارا۔

۲۔ اور اسی میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا وصال کیا۔

۳۔ اور اسی میں ایک ایسا وقت ہے جس میں بندہ اللہ سے کوئی بھی سوال کرے اللہ اس کو عطا کرتے ہیں جب تک کہ حرام کا سوال نہ کرے۔

۴۔ اور اسی میں قیامت قائم ہو گی۔

۵۔ کوئی مقرب فرشتہ اور آسمان اور زمین اور ہوائیں اور پہاڑ اور سمندر نہیں ڈرتے مگر وہ جمعہ کے دن سے

ڈرتے ہیں"

فوائد الحدیث

(۱) حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جمعہ کے فضائل بیان فرماتے ہوئے ابتداء سے قیامت تک کا تمام واقعہ بیان فرما دیا مثلاً:

۱۔ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی اطلاع دی۔ یہ زمانہ ماضی کے غیب کا علم ہے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کا مقررہ پیدائشی دن ظاہر فرمایا۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کے نزول الی الارض کے مقررہ دن کی خبر دی۔

۴۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت وصال کی خبر دی۔

۵۔ ایک ایسی گھڑی کی خبر دی جس میں اللہ تعالیٰ بندے کے سوال کو رد نہیں فرماتا۔ وہ ساعت کسی کو معلوم نہیں سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا کہ بین الخطبتین ساعت کا تقرر ظاہر فرمایا حالانکہ خطبتین کا وقت بھی ہر جگہ کا مختلف ہے۔ لیکن جس ساعت کا آپ نے ذکر فرمایا وہ آپ کے خطبتین کے مابین ہو سکتی ہے۔ جس ساعت کا اندازہ کرنا دوسرے کے واسطے مشکل ہے لیکن آپ نے جب اس ساعت کو وقتِ اجابت فرمایا تو اس کی صفتِ اجابت بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ اُس ساعت کی حقیقت کا بھی آپ کو علم ہے۔

۶۔ اس ساعت بلا محیط کے بیان کرنے سے آپ نے صاف ثبوت دے دیا کہ جیسے میں اس ساعت کو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

۷۔ اسی جمعہ کے دن میں اُس قیامت کا قیام ہوگا۔

حدیث نمبر (۱۰)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ فِیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُهْبِطَ وَفِیْهِ تِیْبَ عَلَیْهِ وَفِیْهِ مَاتَ وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا وَهِیَ مُسِیْخَةٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِیْنَ تُصْبِحُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنُّ وَالْاِنْسُ وَفِیْهَا سَاعَةٌ لَا یُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ یُصَلِّیْ یَسْاَلُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَاجَةً اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهَا (ابوداؤد صـ۱۵۶ ج ۱)

ترجمہ

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دنوں سے بہتر دن جمعہ کا ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں اُتارے گئے اور اسی میں آپ کی توبہ منظور کی گئی اور اسی میں آپ کا وصال ہوا اور اسی میں قیامت قائم ہو گی اور اسی دن صبح سے ہر زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں مگر وہ سننے والا ہے قیامت کی آواز کو سوائے جن اور انسان کے اور اسی میں ایک گھڑی ہے جس بندے مسلمان کو نماز پڑھنے کی حالت میں اُسے ملے وہ اللہ سے جو بھی حاجت طلب کرے اُس کو اللہ تعالیٰ عنایت کرتے ہیں)"۔

(ف) اس حدیث پاک میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر عظیم الشان مرحلے کو معین وقت میں بیان فرماتے ہوئے قیامت کے دن کا تعین بھی فرما دیا۔ کیا عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یاد نہ تھا یا آپ نے اس کا مطلب نہ سمجھا جو تم نے سمجھا ہے یا نعوذ باللہ آپ نے جھوٹ بولا ہے سوائے اس کے کہ تم اُس آیت کو اس فرمان مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تطبیق دو کہ اس حدیث پاک کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یوم قیامت کے تقرر کا علم ہے جیسا کہ آپ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علمِ ذاتی کی غیر سے نفی فرمائی ہے۔ دوسرے کو عطا کرنے کی نفی نہیں فرمائی۔ جیسا کہ کوئی کارخانے کا مالک یہ دعویٰ کرے کہ یہ چیز میرے پاس ہے ہی کیونکہ میری خود ساختہ ہے اور کسی کے پاس نہیں تو اس کا یہ مطلب کہ اور کوئی دکاندار اُس چیز کو اُس سے لے بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ جس کو وہ پسند کرے الحیفی بھی دے سکتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے علمِ قیامت کی تخصیص اپنی طرف فرمائی لیکن اپنی مرضی کے مطابق اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی کے قانون سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے پھر آپ نے اس حدیث میں روئے زمین کے تمام جانداروں کے حرکات اور خشیت کا پورا علم ارشاد فرمایا۔ اور جمعہ کے دن کی خصوصیت میں اُن کے قلوب کی خشیت کا علم کُلّی ظاہر فرماتے ہوئے اپنے حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دے دیا۔ اگر حاضر و ناظر نہیں تو علم کیسے ہو سکتا ہے اور اگر علم نہ ہو تو تمام روئے زمین کے جانداروں کی خشیت اور جنّ و انسان کا اُس خشیت سے بھی غفلت کا اظہار فرمانا نعوذ باللہ آپ پر کذب لازم آتا ہے اور آپ کا یہ فرمانا کہ سوائے جنّوں اور انسانوں کے تمام روئے زمین کی جاندار چیزیں قیامت کی خشیت سے خاموش ہوتی ہیں اور اُن پر ایک سناٹا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ سوائے جن و انسان کے ہر ذی رُوح چیز کو قیامت تک کا علم ہے جس سے وہ خائفین ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل قبور کا حال بھی سوائے جن و انسان کے ہر ذی رُوح جانتے ہیں۔

فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ

(ابوداؤد شریف صـ۳۰٦)

تو فرشتہ اُس میت کو خوب مارتا ہے۔ اور اُس کی چیخ و پکار کا بھی علم آپ کو حاصل ہے جو آپ عالمین اور معلومین کے تمام حالات کو بیان فرمارہے ہیں۔ جب ہر ذی رُوح چیز سوائے جن وانس کے عالمِ برزخ کے حالات کو دیکھ رہے ہیں۔ اور اُن کے حالات کو آپ بیان فرمارہے ہیں۔ ایسے ہی اُن کو قیامت بھی نظر آ رہی ہے اور سوائے جنّ و انسان کے اس کو ہر ذی رُوح دیکھ کر خائف ہو رہا ہے۔ جن کے علم کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں۔ تو ثابت ہُوا کہ سوائے جنّ و انسان کے ہر ذی رُوح چیز کو قیامت کا علم ہے۔ اور اُن تمام کا علم مع قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے۔ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے علمِ قیامت کا اظہار اس حدیثِ پاک میں فرمادیا ہے۔

حدیث نمبر (۱۱)

عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ (ابوداؤد صـ۱۵۰ ج ۱)

ترجمہ

"حضرت اَوس بن اَوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام دنوں سے جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی میں قبض کیے گئے اور اسی میں اسرافیل قرنا پھونکیں گے اور اسی میں قیامت ہوگی۔"

صحابہ کرام کا عقیدہ

حدیث نمبر (۱۲)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَتَدْرُوْنَ اَیَّ یَوْمٍ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (مستدرک صـ۵٦۷ ج ۴)

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ دن کون سا ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ کو علم قیامت ہے۔

اقوال بزرگانِ دین

۱۔ وَالَّذِیْ یَجِبُ الْاِیْمَانُ بِہٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَعْلَمَہُ اللّٰہُ بِجَمِیْعِ الْمَغِیْبَاتِ (صاوی ص ۱۱۱ ج ۲)

ترجمہ

"اور جس کے ساتھ ایمان واجب ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں منتقل ہوئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو جمیع مغیبات کا علم سکھا یا۔"

۲۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا اَیْ مِنْ حَیْثُ ذَاتِہَا وَاِمَّا بِالْاِعْلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْہُ کَالْاَنْبِیَآءِ وَبَعْضِ الْاَوْلِیَآءِ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَقَالَ تَعَالٰی عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ اللّٰہِ۔ (صاوی صفحہ ۲۶ ج ۲)

ترجمہ

یعنی باعتبار ذات کے کسی نفس کو کل کی خبر نہیں۔ لیکن اللہ کے جتانے سے بندے کو کوئی رکاوٹ بھی نہیں۔ جیسا کہ تمام انبیاء اور بعض اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے علم سے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ مگر جو اللہ چاہے۔ اور فرمایا کہ اللہ غیب کو جاننے والا ہے سوائے اللہ کے کسی کو اس کے غیب کی اطلاع نہیں۔ سوائے اُس رسول کے کہ جس کو اللہ برگزیدہ کرے۔"

۳۔ اَلْحَقُّ اَنَّہٗ لَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَطْلَعَہُ اللّٰہُ عَلٰی تِلْکَ الْخَمْسِ وَلٰکِنَّہٗ اُمِرَ بِکَتْمِہَا (ایضاً)

ترجمہ

"سچی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے نہیں منتقل ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان خمسہ اُمور کے علم پر آپ کو مطلع فرمایا۔ اور لیکن اُن کے چھپانے کا بھی حکم فرمایا۔"

(ف) اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا علم عطا کیا گیا۔

۴۔ ذَہَبَ بَعْضُہُمْ اِلٰی اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُوْتِیَ عِلْمَ الْخَمْسِ اَیْضًا

وَعِلْمُ وَقْتِ السَّاعَةِ وَالرُّوْحِ وَاِنَّهٗ اُمِرَ بِکَتْمِ (خصائص کبریٰ جلد ۲ ص۱۹۵) ذٰلِکَ۔

"بعض اس طرف گئے ہیں کہ نبی صلی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچ چیزوں کا بھی علم دیا گیا ہے۔ قیامت کے وقت کا بھی اور روح کا بھی اور آپ کو اُن کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔"

۵۔ وَقَالَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَعَنْ سَادَاتِنَا الْعُلَمَاءِ وَکَیْفَ یَخْفٰی مِنْ اُمَّتِہِ الشَّرِیْفَۃِ لَا یُمْکِنُہُ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَتِہٖ ھٰذِہٖ الْخَمْسَ۔ (ابریز ص۱۶۱)

"فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور بڑے بڑے علماء سے کہ پانچوں اُمور کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی ہو سکتا ہے حالانکہ آپ کی اُمتِ شریفہ کے اہلِ تصرف سے کسی ایک کو تصرف کی قدرت نہیں ہوتی جب تک کہ ان پانچ اشیاء کا اُس کو علم نہ ہو۔"

۶۔ وَاُوْتِیَ عِلْمُ کُلِّ شَیْءٍ حَتَّی الرُّوْحَ وَالْخَمْسَ الَّتِیْ فِیْ اٰیَتِہٖ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (کشف الغمہ ص۴۳ ج۲)۔

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل شے کا علم دیا گیا۔ حتیٰ کہ روح کا اور اُن پانچ کا بھی جو اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ۔

۷۔ علمِ حق در علمِ صوفی گم شود (تفہیمات الٰہیہ شاہ ولی اللہ ص۱۸ ج۱)

"اللہ کا علم صوفی کے علم میں گم ہو جاتا ہے۔"

جوابات: آیت مذکورہ یعنی قُلْ لَا یعلم من فی السمٰوٰت مخالفین کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے حالانکہ اُن کے مذہب کے بھی خلاف ہے چنانچہ فقیر کے جواب سے اندازہ لگائیے۔

۱۔ آیت میں ہر قسم کا غیب منفی ہے حالانکہ مخالفین بعض غیب للنبی علیہ السلام کے قائل ہیں۔ فما ہو جوابہم فہو جوابنا۔ جو ان کا جواب ہوگا وہی ہمارا جواب ہے۔

۲۔ آیت مکیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ مکیہ آیات یا منسوخہ ہوتی ہیں یا مجملہ یہ آیت منسوخہ نہ سہی مجملہ ہے جس کے اثبات کے لیے آیات مدنیہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

۳۔ مظہری تفسیر مخالفین کے نزدیک مستند ہے اس میں پارہ نمبر ۳ زیر آیت و مایعلم تاویلہ الا اللہ الخ لکھا کہ آیت میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عطا سے غیب جانتے ہیں۔

۴۔ اس آیت شریفہ میں یہ کہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں عطا فرمایا یا آپ کو باعلام خداوندی بھی علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔

۵۔ اس آیت شریفہ میں ذاتی علمِ غیب مراد ہے کہ خدا کے سوا ذاتی علمِ غیب کوئی نہیں جانتا جو تعلیم خداوندی سے ہے اس کی نفی نہیں ہے۔ چنانچہ مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی مراد لی ہے۔

۱۔ علامہ علاؤ الدین رحؒ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

نَزَلَتْ فِی الْمُشْرِکِیْنَ حِیْنَ سَاَلُوْا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ السَّاعَۃِ۔

"یہ آیت نازل ہوئی اُس وقت جب کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وقت قیامت دریافت کیا"

فائدہ: قیامت ایک غیبی خبر ہے جس کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی تھی کہ تم پر قیامت آئے گی۔ تو مشرکین نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کا وقت دریافت کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ کو نازل فرما کر اُن مشرکین کا رد فرمایا۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَکَ عِلْمُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْھَا بَلْ ھُمْ مِّنْھَا عَمُوْنَ ۝ (پ۲۰ ع ۱ سورۃ النمل)

ترجمہ

"آپ فرما دیجئے ان کو کہ خود کوئی غیب نہیں جانتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ اور انہیں خبر نہیں۔ کب اُٹھائے جائیں گے۔ کیا ان کے علم کا سلسلہ آخرت تک پہنچ گیا ہے۔ بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔"

(ف) اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جن مشرکین نے وقتِ قیامت دریافت کیا تھا۔ اُن کا ردّ فرما دیا گیا کیونکہ اگر وقت قیامت بتا دیا جائے تو مقصدِ قیامت ہی نہ رہے۔

۲۔ صاحب تفسیر نیشاپوری اسی آیت کے ماتحت فرماتے ہیں:

لا اعلم الغیب تکون فیہ دلالۃ علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ ۝ (التفسیر نیشاپوری)

"آیت کے معنی یہ ہیں کہ علمِ غیب جو بذاتِ خود ہو وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔" اسے میں نہیں جانتا۔ نیز محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔

۳۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ حدیثیہ میں اسی آیت قل لا یعلم کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَمَاذَکرناہ فی الآیۃ صرح بہ النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فی فتاواہ فقال معناہا لا یعلم ذالک استقلالاً وعلم احاطۃ بکل المعلومات اللہ تعالیٰ۔

"یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تسریح کی۔ فرماتے ہیں آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذاتِ خود ہو۔ اور جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہو۔"

۴۔ علامہ خفاجی شرح شفا میں اسی آیت کے متعلق فرماتے ہیں :۔

ھذا لا ینافی الآیات الدالۃ علی انہ لا یعلم الغیب الا اللہ تعالیٰ فالمنفی علمہ من غیر واسطۃ واما اطلاعہ علیہ باعلام اللہ تعالیٰ فامر متحقق بقولہ فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا۔

"جن آیات میں یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ مگر اللہ تعالیٰ۔ یہ نفی ہے بے واسطہ علم کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے جاننا ثابت ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے :

فلا یظہر علیٰ غیبہ احدًا ۰ الا من ارتضٰی من رسول ۰

"اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔"

(ف) مندرجہ بالا عبارات سے آفتاب کی طرح روشن ہے کہ اس آیت شریفہ میں علم بذاتہٖ من دابۃٍ کی نفی کی گئی ہے۔ اور جو تعلیم الٰہی سے ہو اس کی نفی نہیں۔

اگر آیت کے ظاہر پر اکتفا ہے تو پھر ایک اور آیت میں خود اللہ تعالیٰ کے علم کی بھی نفی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ (پ ۱۱ ع ۶ سورہ یونس)

"فرما دیجئے۔ کیا خبر دیتے ہو اللہ کو جو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں نہیں جانتا پاک ہے وہ اور بلند ہے اُس چیز سے جو تم شرک کرتے ہو۔"

(ف) اس آیت شریفہ سے اگر مخالفین کے کہنے کے مطابق لَا یَعْلَمُ سے وہ معنیٰ لیے جاویں تو معاذاللہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی علم غیب ہونا تسلیم نہیں کرتے ہوں گے۔ کیونکہ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی نفی ہونا مراد لیتے ہیں وہ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا

فی الارض سے بھی۔

بہرکیف ثابت ہوگیا کہ قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ سے ذاتی علم غیب کسی غیر کو ہونے کی نفی کی جارہی ہے۔ اور عطائی علم غیب کا ثبوت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو گمان کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں وہ اللہ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے[1]

---

[1] اس روایت کو مخالفین خوب اچھی طرح اچھالتے ہیں اور اپنے دعویٰ کی بہت بڑی دلیل سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کی غلط کارروائیوں میں ایک یہ بھی ہے جوابات تفصیلیہ تو فقیر نے کتاب علم غیب فی الحدیث میں لکھے ہیں۔ اجمالی جواب حاضر ہیں۔

(۱) فن اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کے عقیدہ اور طریقہ کے خلاف روایت کی تاویل واجب ہے۔ یہ جملہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اپنے عقیدے کے خلاف ہے چنانچہ فرماتی ہیں:

قَالَتْ بَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجْرِيْ فِيْ لَيْلَةٍ ضَاحِيَةٍ إِذْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلْ يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَدَدَ نُجُوْمِ السَّمَآءِ قَالَ نَعَمْ عُمَرُ قُلْتُ وَاَيْنَ حَسَنَاتُ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ اِنَّمَا جَمِيْعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ حَسَنَاتِ اَبِيْ بَكْرٍ ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ

"حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرمبارک میری گود میں تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ کیا کسی کی اتنی نیکیاں بھی ہیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں اتنی ہیں۔ پھر میں نے پوچھا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی نیکیوں کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت عمر کی نیکیاں ساری عمر کی اور ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔"

عقیدہ عائشہ گر نہ ہوتا تو سوال کیوں کیا جاتا۔ اُم المومنین کا عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام ستاروں کی تعداد کا بھی علم ہے اور دنیا والوں کی نیکیوں کا بھی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرمادیا کہ مجھے عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیوں کا بھی علم ہے کیونکہ آپ نے دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر جواب دیا کہ

ردّ وہابیہ از صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ

منکرین علمِ غیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ردّ میں صدیوں پہلے صاحب رُوح البیان صفحہ ۳۶۵ ج ۶ میں تحریر فرماتے ہیں:

واما ما قیل ان من قال ان نبی اللہ لایعلم الغیب فقد اخطأ فیما اصاب فھو بالنسبۃ الی الاستثناء الوارد فی قولہ تعالیٰ فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول فان بعض الغیب قد اظھرہ اللہ علی رسولہ کما سبق من التأویلات۔

ترجمہ

"بہرحال جس نے کہا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے وہ اپنے بیان میں خطاکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول۔ فلا یظھر علی غیبہ" الخ میں استثنار وارد ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو بعض غیب ظاہر فرمائے ہیں جیسا کہ التاویلات النجمیہ کی تقریر ابھی گزری ہے۔"

حکایت: نجومی حجاج بن یوسف کے ہاں آیا اور حجاج نے چند سنگریزے گن کر پوچھا۔ نجومی نے حساب لگا کر بتایا تو جواب صحیح آیا۔ پھر اور چند سنگریزے اُٹھائے اُن کی گنتی نہ کی۔ اُن کے متعلق نجومی سے پوچھا وہ غیب نہ بتا سکا۔ تو نے شمار کے بغیر پوچھا تو یہ غیب سے ہوگیا اور غیب سوائے اللہ کے کوئی اور نہیں جانتا۔

حکایت: گلستان کتاب میں ہے کہ ایک نجومی گھر واپس لوٹا تو دیکھا کہ اُس کی عورت کے ساتھ کوئی اجنبی بیٹھا تھا اُسے گالی دے کر باہر نکالا۔ کسی صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا ؂

تو براوج فلک چہ دانی چیست
چو ندانی کہ در سرائے تو کیست

ترجمہ: "تو آسمانوں کی بلندیوں کو کیا جانے جبکہ تجھے معلوم نہیں کہ تیرے گھر میں کون ہے۔"

عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری وکمی وبیشی وہی بتاسکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کا بھی علم ہے اور آسمانوں کے بھی تمام ظاہر و پوشیدہ ستاروں کا بھی تفصیلی علم ہے جس میں وہ ہیں (حاشیہ ختم)

بل ادراك علمهم في الآخرة ۔ ادراک دراصل تدارک تھا ۔ تاء کو دال سے تبدیل کیا گیا ہے ۔
بمعنی تلاحق و تدارک ۔ بلکہ پہنچا ہے ان کا علم آخرت میں ۔ القاموس میں ہے کہ ۔ اس کے
علم سے جاہل ہیں اور نہ ہی اس کے معاملات کا انہیں علم ہے یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی ان کا علم لحوق آخرت
کو پہنچا ہے بلکہ وہ اس سے بے خبر ہو چکے ہیں (کذا فی المفردات) اور بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تدارک بمعنی تتابع
یعنی ان کا علم آخرت کے در پے ہوا یہاں تک کہ ان کے علم کی انتہا ہو گئی کہ اس کے بعد وہ ہے ہی نہیں یہ ایسے ہے
جیسے کہا جاتا ہے ۔ تتابع بنو فلاں ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب وہ لوگ ایک ایک ہو کر مرتے جائیں یہاں تک کہ
ایک بھی انہیں باقی نہ رہے اس میں ان کے آخرت سے بے خبر ہونے کا بیان ہے باوجودیکہ اس کے اسباب واضح ہیں
لیکن یہ ایسے غبی ہیں کہ اسے جانتے تک نہیں ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کا علم آخرت کے بارے میں چلتا چلتا ختم ہو گیا ۔
یہاں تک آنے والے حالات کے لیے ان کا علم مٹ چکا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے تو انہیں اس کا علم تھا لیکن
پھر آہستہ آہستہ ان سے ختم ہو گیا بلکہ مجازاً یوں کہا گیا ہے کہ علم کے اسباب و مبادی یعنی دلائل عقلیہ و نقلیہ سے انتفائے
علم کیا گیا ہے اسی لیے اسباب کے انتفاء پر ان کا علم بھی ساقط الاعتبار ہو گیا ہے ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اور بُرے حال کو بیان فرمایا وہ یہ کہ بل هم في شك منها بلکہ وہ اس
کے متعلق شک میں ہے کہ اس کا وقوع ہو گا یا نہ یا اس شخص کی طرح متحیر ہیں جو حقیقت حال پر کوئی دلیل نہ رکھتا ہو اس
کے بعد ان کا مزید بُرا حال بتایا کہ بل هم منها عمون ۔ بلکہ وہ اس کے بارے میں ایسے اندھے ہیں کہ کسی طریق
سے ہی دلیل کا ادراک نہیں رکھتے کیونکہ ان کی بصارت کے بجائے بصیرت ختم ہے ۔ عمون عم کی جمع یعنی دل کا اندھا
المفردات میں ہے ۔ عمی دل اور آنکھ کے اندھے کو کہتے ہیں فرق کرتے ہوئے پہلے کو اعمی دوسرے کو عمی و عم
کہا جاتا ہے آنکھ کے اندھے سے قلب کا اندھا زیادہ بُرا ہوتا ہے بلکہ قلب کے نابینا کے بالمقابل آنکھ کا نابینا
کچھ نہیں ۔ کیونکہ ہم نے بہت سے نابینا دیکھے ہیں جو بصیرت میں تیز واقع ہوئے بخلاف دل کے
اندھوں کے کہ بظاہر بینا تو نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ان جیسا اندھا دنیا و آخرت میں اور کوئی نہیں جیسے کفار و
منافقین اور غافلین وغیرہ ۔

دل کے اندھے کا علاج : جس دل کی بینائی نہ ہو وہ علاج بضد کرے یعنی وہ علم حاصل کرے جو آخرت پر یقین لائے اور ایسے اُمور کے معلومات حاصل کرے جو اس کے مؤید ہیں ۔

---

[۱] یاد رہے کہ بعض سے بعض علوم الٰہی جو ہمارے لیے کلی ہیں اسی لفظ بعض نے بہت سے لوگ دھوکہ کھاتے
اور دیتے ہیں ۔ (اویسی غفرلہٗ)

جہل بڑی بلا: حضرت سہل بن عبداللہ التستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں سب سے بڑی نافرمانی جہل ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ جہل سے بھی بدتر اور کوئی شے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں وہ ہے جہل الجہل۔ یعنی جہل دو قسم ہے۔

۱۔ جہل بسیط یعنی سلب العلم۔
۲۔ جہل مرکب وہ اس کے برعکس ہے۔ پہلا ضعیف ہے۔ دوسرا قوی۔ یہ سوائے فضل ربانی کی تائید کے نہیں ہٹتا ۔

سقام الحرص ليس له شفاء
و داء الجهل ليس له طبيب

ترجمہ: "حرص کے امراض کی کوئی شفا نہیں اور نہ ہی جہل کی بیماری کا کوئی طبیب ہے۔"

بعض نے یوں کہا ہے

و فی الجهل قبل الموت موت لاهله
و اجسامهم حين النشور نشور
و ان امرأ لم يحيى بالعلم ميت
و ليس له حين النشور نشور

ترجمہ: اور جہل میں موت سے پہلے ہی جاہل کی موت ہے اور ایسے لوگوں کے لیے قبروں میں جانے سے پہلے ان کے اپنے اجسام قبریں ہیں۔
جس نے اپنے آپ کو علم سے زندہ نہ کیا تو وہ مردہ ہے اس کا مر اُٹھنے پر اُٹھنا ہی نہ ہوگا۔

ے
اے کہ داری ہنر نداری مال
مکن از کردگار خود گلہ
نعمت جہل را مخورہ کہ ہست
روضۂ درمیان مزبلۂ

ترجمہ: اے فلاں تو اگر ہنرمند ہے لیکن تیرے پاس مال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے شکایت نہ کر۔
نعمت جہل نہ مانگ اس لیے کہ یہ ایسے ہے جیسے گندگیوں کے درمیان ذیشان بنگلہ۔
اے اللہ ہمیں ان علماء سے بنا جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ (آمین)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ○
لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ○ وَلَا
تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا
الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ
الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَشْكُرُوْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝
وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ اِنَّ هٰذَا
الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○
وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ○
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝
وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ
بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا
لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

ترجمہ

" اور کافروں نے کہا کیا جب ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مر کر مٹی ہو جائیں گے کیا پھر ہم نکالے جائیں گے۔ بیشک ہم کو اور ہم سے پہلے آباؤ اجداد کو وعدہ کیا گیا تو یہ نہیں مگر اگلوں کی

کہانیاں۔ تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا ہوا انجام مجرموں کا۔ اور تم ان پر غم نہ کھاؤ اور ان کے مکر سے دل تنگ نہ ہو۔ اور کہتے ہیں کب آئے گا یہ وعدہ۔ اگر تم سچے ہو تو فرماؤ قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ لگی ہو بعض وہ چیز جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اور بیشک تیرا رب ہے فضل والا آدمیوں پر لیکن اکثر آدمی حق نہیں مانتے اور بیشک تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چھپی ہے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور جتنے غیب ہیں آسمانوں اور زمین کے سب ایک بتانے والی کتاب میں ہیں۔ بیشک یہ قرآن ذکر فرماتا ہے بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور بیشک وہ ہدایت اور رحمت ہے مسلمانوں کے لیے۔ بیشک تمہارا رب ان کے آپس میں فیصلہ فرماتا ہے اپنے حکم سے اور وہی ہے عزت والا علم والا۔ تو تم اللہ پر بھروسہ کرو بیشک تم روشن حق پر ہو۔ بیشک تمہارے سنائے نہیں سنتے مردے۔ اور نہ تمہارے سنائے بہرے پکار سنیں جب پھریں پیٹھ دے کر۔ اور اندھوں کو گمراہی سے تم ہدایت کرنے والے نہیں تمہارے سنائے تو وہی سنتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں اور جب بات اُن پر آپڑے گی ہم زمین سے اُن کے لیے ایک چوپایہ نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہ لاتے تھے۔"

جتنے غیب ... (حاشیہ: ایک بزرگ کا واقعہ ... صفحہ ۶۷)

۵۶ ... (حاشیہ)

تفسیر عالمانہ: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اور کافروں۔ یعنی مشرکین مکہ نے کہا ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا۔ کیا جب ہم ہو جائیں گے مٹی[1] وَاٰبَآؤُنَا۔ اور ہمارے باپ دادا بھی مٹی ہو گئے۔ اس کا عطف کُنَّا کی ضمیر پر ہے۔ تاکید کی ضرورت نہیں اس لیے کہ درمیان میں لفظ ترابا فاصل واقع ہے۔ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۔ کیا یقیناً ہم قبروں سے زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔ ضمیر اَئِنَّا کفار اور اُن کے آباؤ اجداد کے لیے ہے کیونکہ ترابا کا تعلق ان ہر دونوں سے ہے اور ءَاِذَا کا عامل وہی ہے جس پر لمخرجون دلالت کرتا ہے یعنی نخرج نہ خود مخرجون کیونکہ مخرجون کے ماقبل ہمزہ استفہام اور ان اور لام تاکید عمل سے مانع ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو پھر اُٹھائے جائیں گے یہ نہیں ہو سکتا

---

[1] مر کر مٹی ہو جانا درحقیقت انہی کفار و مشرکین کا عقیدہ ہے جس کی ترجمانی میں اسمٰعیل دہلوی نے حضور علیہ السلام پر بہتان تراشی کر کے لکھا کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں اور تمام مردوں اور اولیاء کرام کے لیے تو ان دہلویوں اور اکثر دیوبندیوں کا یہی عقیدہ ہے حالانکہ اسلام اس کا رد کرتا ہے ۱۲

اور ہمزہ کا تکرار انکار کی تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے اور انکار کو بحالت تراب سے مقید کرنے میں ان کے اُٹھائے جانے کی کیفیت کی تقویت کے لیے ہے کہ باوجودیکہ نہ اُٹھنے کے منافی حالت میں ہوں گے لیکن قادرِ مطلق کی قدرت سے اُٹھائے جائیں گے ورنہ وہ مرنے کے بعد زندہ اُٹھنے کے مطلقًا قائل ہی نہ تھے خواہ وہ مٹی ہوجائیں یا نہ۔ لقد وعدنا ھذا۔ بیشک اسے اُٹھائے جانے پر ہمیں وعدہ دیا گیا نَحنُ۔

سوال۔ یہاں نَحنُ کی تقدیم کیوں حالانکہ سورۂ مومنین میں تو اسے مؤخر کر دیا گیا ہے۔

جواب۔ یہاں ان کی ذات مقصود ہے اور سورۂ مومنین میں مبعوث مراد ہے اور یہ قاعدہ ہے جو موضوع مطلوب ہوتا ہے اسی کی تقدیم ہوتی ہے۔ واٰباءنا من قبل اور اس سے پہلے ہمارے آباء کو مرنے کے بعد اُٹھنے کا وعدہ کیا گیا لیکن وہ نہ اُٹھے اور نہ ہی قیامت تک اُٹھیں گے۔ ان ھذا۔ نہیں یہ وعدہ۔ الا اساطیر الاولین۔ مگر بناوٹی باتیں کہ اپنی طرف سے گھڑ لی گئیں۔ اور پھر انہیں کہہ کر لوگوں کو سنائی گئیں جیسے رستم اور اسفندیار کے قصّے کہانیاں یعنی جیسے اُن کی کہانیاں محض افسانے ہی افسانے تھے ایسے ہی یہ۔

حل لغات: اساطیر۔ وہ افسانہ جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اساطر و اسطیر بالکسر و اسطور (بالضم) جمع سطر ہے۔

قل سیروا۔ فرمائیے اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سیروا۔ اے منکرو مکذبوا۔ یہ سیر سے ہے بمعنی چلنا۔ فی الارض۔ زمین پر جہاں تمہارے سے پہلے مکذبین رہتے تھے جیسے۔ حجر۔ احقاف المؤتفکات وغیرہ وغیرہ۔ فانظروا۔ تو فکر کرو اور دیکھ کر سوچو۔ کیف کان عاقبۃ المجرمین کیسے ہوا مجرمین کا انجام کہ تکذیب کے سبب سے وہ کیسے برباد ہوئے اور کس طرح کے عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ اس میں تکذیب پر انھیں ڈرایا جا رہا ہے اور تہدید کی گئی ہے کہ تم پر بھی تکذیب کی وجہ سے اس طرح کا عذاب آسکتا ہے۔

حل لغات: جرم دراصل درخت سے ثمر کاٹنے کو کہا جاتا ہے اور الجرامۃ بھنے کئے ہوئے ثمر کا ردی حصّہ اب استعارۃً مکروہ کام کرنے کو کہتے ہیں۔ ولا تحزن علیھم۔ اور آپ ان کی تکذیب اور برائیوں پر اصرار پر غم نہ کھائیے کیونکہ ان کی تخلیق بھی اسی لیے ہوئی ہے اور یہ نہی تحصیل الحزن سے نہیں اس لیے کہ حزن انسان کے اختیار میں نہیں۔ ہاں ان امور سے نہی ہے جو حزن کے موجبات و اسباب ہیں۔

حل لغات: حزن دراصل زمین کی خشونت کو کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی نفس کی خشونت کو بھی حزن کہتے ہیں۔ اس کی ضد فرح ہے۔ ولا تکن فی ضیق اور نہ ہو جاؤ تنگی میں یہ سعۃ (وسعت) کی ضد ہے۔ اس کا عموماً استعمال فقر اور غم وغیرہ میں ہوتا ہے۔ مما یمکرون ان کے مکر اور فریب سے یعنی اُن کی وہ فریب کاریاں جو آپ کے ہلاک کرنے اور آپ کے دین سے لوگوں کو پھیرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ اس لیے کہ

بُرے کو بُرا فریب خود تباہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ ہی آپ کا حافظ و ناصر اور آپ کے دین کا نگران ہے۔

غم مخور زاں روکہ غمخوارت منم
وز ہمہ بدہا نگہدارت منم
از تو گر اغیار بر تابند رو
ایں جہاں و آں جہاں یارت منم

ترجمہ: غم مت کھا اس لیے کہ میں تیرا غم خوار ہوں تمام دشمنوں سے تیرا نگہبان میں ہوں۔
تجھ سے اگر اغیار منہ پھیر جائیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس جہاں اور اُس جہاں میں تیرا یار و مددگار ہوں۔

و یقولون اور کافر کہتے ہیں۔ متیٰ کب ہے۔ هٰذا الوعد یہ جلد تر آنے والا عذاب موعود۔
ان کنتم صادقین۔ اگر تم اپنی خبروں میں سچے ہو۔

سوال :۔ خبر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور وہ واحد تھے فلہذا واحد کا صیغہ لانا تھا جمع کا صیغہ کیوں۔
جواب :۔ اس میں اہل ایمان کو شامل کیا گیا ہے کیونکہ مؤیدین بھی بمنزلہ اصل کے ہوتے ہیں قل عسیٰ ان یکون۔

لکم فرمایئے قریب ہے کہ وہ تمہارے پیچھے ہے بعض الذین تستعجلون عذاب کا بعض حصہ جس کی تم جلدی کر رہے ہو۔ چنانچہ کچھ عذاب کا حصہ ان پر بدر میں واقع ہوا اور باقی آخرت کے دن پائیں گے۔ بعض نے کہا موت میں بھی عذاب کا بعض حصہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو مر گیا تو اس کے لیے قیام قائم ہو گئی۔

فائدہ، وہ اس لیے کہ موت دنیا کے آخری اور آخرت کے ابتدائی لمحات کا نام ہے۔ پس جو شخص قیام قیامت سے پہلے مر گیا تو اس کی موت سے آخرت کے لمحات کی ابتدا ہو گئی یہ ایسے ہی جیسے دنیا کے لمحات ایک دوسرے کے متصل ہیں۔

قاعدہ: لعل۔ سوف۔ عسیٰ ایسے حروف ہیں کہ بادشاہ جب بولے تو اس میں یقین مراد ہوتا ہے۔ اپنے وقار کے اظہار کے لیے اور اشارہ ہوتا ہے کہ ہمارے صرف اشارات دوسروں کی تصریحات کے ہم پلہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید عموماً تو یونہی مستعمل ہوتے ہیں۔ و ان ربك لذو فضل اور بیشک تمہارا پروردگار بہت بڑے فضل و انعام والا ہے۔ علی الناس۔ تمام لوگوں پر اس کے منجملہ انعامات کے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ باوجودیکہ کفر و معاصی کے مرتکب ہو کر جلد تر عذاب کے مستحق ہیں لیکن ان سے عذاب موخر کر دیا ہے و لکن اکثرهم لا یشکرون لیکن ان کے اکثر ناشکرے ہیں کہ نعمت کے حق کو نہیں پہچانتے بلکہ سابقہ کافروں کی طرح اپنی جہالت کی وجہ سے عذاب کے وقوع کی عجلت چاہتے ہیں۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ منکرین قیامت کا عذاب کی عجلت چاہنا ان کی جہالت کی دلیل ہے حالانکہ ان کو دلائل سے حقائق سے واضح کیا گیا ہے کہ ان پر ضرور اور لازماً عذاب واقع ہوگا اور پھر وعدہ کے مطابق بہت بڑے عذاب سے پہلے انھیں تھوڑے تھوڑے عذاب میں پے درپے مبتلا کیا جا رہا ہے مثلاً کبھی بلیات کا شکار تو کبھی مصائب کا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ: وان ربك لذو فضل على الناس. اور بیشک تیرا پروردگار لوگوں کے لیے بہت بڑے فضل والا ہے کہ انھیں بڑے عذاب کے بجائے چھوٹے چھوٹے عذاب میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ خوف و خشیت سے اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوں اور دنیا کو ترک کر دیں اور اس کی زینت کو نہ دیکھیں بلکہ آخرت اور اس کے درجات کی طرف راغب ہوں ولکن اکثرھم لا یشکرون۔ لیکن اُن کے اکثر نعمت و زحمت کو نہیں پہچانتے کیونکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں کہ انھیں نعمت و فضل الٰہی کا علم ہوتا ہو اور یہ سمجھ سکیں کہ اس کی نعمت کیا ہے اور اس کا عذاب کیا۔ جس بندے کا یہ حال ہو تو پھر وہ اپنی سمجھ پر بہت سی چیزوں سے محبت کر کے اپنے لیے انھیں بہتر سمجھے گا حالانکہ بھلائی اس کے خلاف ہوگی۔ ایسے ہی بہت سی چیزوں کو بُرا مانے گا حالانکہ وہی اس کے لیے خیر ہوں گی ایسے ہی بہت سی نعمتوں کو نعمتِ الٰہی سمجھ کر شکر گزاری میں لگا رہے گا حالانکہ وہ اس کے لیے آزمائش ہوں گی جس پر اُس نے خواہ مخواہ شکر پر زندگی ضائع کی ایسے ہی بہت سے اُمور کو دکھ درد سمجھے گا حالانکہ وہ اس کے لیے راحت و آرام ہوگا۔ غرضیکہ اپنی غلط خیالی کا شکار ہو کر ہزاروں مصائب و مشکلات میں مبتلا رہے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ: ان ربك ليعلم ما تكن صدورهم اور بیشک تیرا پروردگار جانتا ہے جو وہ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں۔ یہ اکنّ سے ہے بمعنی اخفی (چھپایا) الاکنان سے ہے بمعنی کسی شے کو حفاظت کی شے میں چھپانا الکن بمعنی پوشیدہ رکھنا کہا جاتا ہے۔ کننت الشیٔ و اکننتہ فی الکن والنفس۔ یعنی کسی شے کو کن اور نفس میں چھپایا یعنی کن اور نفس کا اطلاق برابر طور ہوتا ہے۔ بعض نے ان میں فرق کیا ہے وہ یہ کہ کننت فی الکن اُس وقت بولتے ہیں جب شے مستور نہ ہو اور اکننت فی النفس۔ اس کے برعکس۔ بہرحال یہ باب ستر و جنون پر دلالت کرتا ہے۔ وما یعلنون اور وہ اقوال و افعال جو ظاہر کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو وہ عذاب کی عجلت چاہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بہت بڑے افعال اور تھے جنھیں وہ ظاہر نہیں کرتے تھے جن پر قیامت میں اللہ تعالیٰ انھیں سزا دے گا۔ الاعلان۔ بمعنی ظاہر کرنا۔

فائدہ: سیدنا جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ما تکن صدورھم سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور وما یعلنون سے اس کی خدمت مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ: وما من غائبۃ فی السماء ولا فی الارض الا فی کتاب مبین۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ آسمان میں نہ زمین میں مگر لکھا ہوا ہے روشن کتاب میں اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے۔

فائدہ:۔ الغائبۃ ان صفات سے ہے جو شدت و غلبہ پر دلالت کرتی ہیں اور تاء مبالغہ کی ہے گویا یوں کہا گیا کہ کوئی شے کتنا ہی پوشیدہ کیوں نہ ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کا علم اسے محیط ہے غیب و شہادت، اس کے آگے برابر ہیں اسی لیے بحر الرائق میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مغیبات، کی موجود و معدوم جملہ اشیاء اس کے علم میں برابر ہیں۔ شے کے وجود و عدم سے اس کے علم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ معدوم سے موجود ہو جائے تو شے کی حالت کا متغیر ہوا نہ کہ علم الٰہی میں۔ واضح ہوا کہ تغیر معلوم میں ہوتا ہے نہ کہ علم میں۔

سبق:۔ انسان پر لازم ہے کہ عصیان و نسیان ہر دونوں کو ترک کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ہر فعل و عمل پر مطلع ہے خواہ وہ کتنا ہی چھپائے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ بوستان میں لکھتے ہیں:۔

۱۔ یکے متفق بود بر منکرے — گزر کرد بروے نکو محضرے
۲۔ نشست از خجالت عرق کردہ روئے — کہ ایا خجل از شیخ کوئے
۳۔ شنید ایں سخن شیخ روشن رواں — بر و بشورید و گفت اے جواں
۴۔ نیاید ہمی شرمت از خویشتن !!! — کہ حق حاضر و شرم داری ز من
۵۔ چناں شرم دار از خداوند خویش — کہ شرمت ز بیگانگانست و خویش
۶۔ نیاسائی از جانب ہیچ کس — برو جانب حق نگہدار و بس
۷۔ بترس از گناہان خویش از نفس — کہ روز قیامت نہ ترسی ز کس
۸۔ نریزد خدا آبروئے کسے !! — کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ

۱۔ ایک منکر کو ایک واقعہ اتفاقی ہوا اس پر نیک آدمی کا گزر ہوا۔
۲۔ کہ وہ شرمساری سے چہرہ پر پسینہ تھا کہ افسوس کہ میں اپنے ہمسایہ بزرگ سے شرمسار ہوا۔
۳۔ یہ بات شیخ نے سنی تو اس پر ناراض ہو کر فرمایا۔
۴۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ حق تعالیٰ کی موجودگی سے مجھ سے شرم آ رہی ہے۔
۵۔ اللہ تعالیٰ سے ایسے شرم کھا جیسے تجھے اپنوں اور بیگانوں سے۔

۶۔ کسی سے تجھے کوئی آسودگی بھی نصیب نہ ہوگی۔ تجھے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہبانی ضروری ہے۔
۷۔ نفس سے اپنے گناہوں کے متعلق خطرہ کہ پھر قیامت میں تجھے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔
۸۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی عزت خراب نہ کرے گا جس کے گناہوں کے خطرہ سے آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔

سبق ۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ سینہ کو صاف رکھے اس میں نہ کسی کے حق میں بغض ہو نہ ہی کینہ اور نہ ہی عداوت۔

حدیث شریف میں ہے جو اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوگا وہ بہشتی ہوگا۔ دیکھا گیا کہ سب سے پہلے وہاں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گزرے۔ صحابہ کرام اُٹھے اور انھیں مذکورہ بالا خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی پوچھا کہ تم کونسا نیک عمل کرتے ہو انہوں نے کہا کہ میں تو ایک کمزور انسان ہوں۔ میں نے کیا نیک عمل کرنا ہے صرف اتنی امید رکھتا ہوں کہ میں کسی کے لیے دل میں کینہ اور بغض نہیں رکھتا اور نہ ہی لایعنی بات میرے دل میں رہتی ہے۔

ردّ وہابیہ یا دیوبندیہ

صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ مذکورہ بالا حدیث لکھ کر نتیجہ نکالتے ہیں کہ:

ففی ھذا الخبر شیئان احدھما اخبارہ علیہ السلام عن الغیب ولکن بواسطۃ الوحی وتعلیم اللہ تعالیٰ فان الغیب بالذات مختص باللہ۔ (روح البیان ص۳۶۸ ج۶)

"اسی حدیث شریف سے دو امر ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام نے غیب کی خبر دی ہے لیکن بواسطہ وحی و تعلیم الٰہی کے اس لیے کہ غیب[1] ذاتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔"

دوسرا یہ کہ سینہ کی صفائی بہشت کے داخلہ کے اسباب میں سے ہے۔

---

[1] ناظرین غور فرمائیے کہ صاحب روح البیان بریلوی تھے یا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے طرفدار پھر کیوں نہ کہا جائے کہ فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اسلاف صالحین کے عقائد و مسائل کی ترجمانی فرمائی ہے۔

حدیث شریف: حضورِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے اصحاب کے بارے میں کوئی بُری بات نہ پہنچائے کیونکہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں جب تمہارے ہاں آؤں تو تمہارے متعلق میرا سینہ صاف ہو۔

شرح الحدیث: وہ اس لیے کہ جب کوئی کسی کی ہر بات تعریفی سنے تو اس کا سینہ اس کے حق میں صاف ہوتا ہے جب بھی غلط یا صحیح کوئی اس کے بارے میں برائی سنے تو اس سے دل پر کثر آجاتا ہے ؎

بدی در قفا عیب من کرد و خفت
بتر زو قرینے کہ آورد و گفت

ترجمہ: "وہ بُرائی ہے جو میرے پس پشت میرا عیب کہتا ہے لیکن اس سے وہ زیادہ بُرا ہے جو مجھے آکر سناتا ہے۔"

یکے تیر افگند و در رہ نتاد
وجودم نیازرد و رنجم نداد
تو برداشتی و آمدے سوئے من
ہمہ در سپوزی بہ پہلوئے من

ترجمہ: کسی نے میری طرف تیر پھینکا لیکن راستہ میں رہ گیا میرا کچھ نہ بگاڑا لیکن تو نے اُٹھا کر میرے جسم میں چبھو دیا۔ (فاہذا اس سے تو زیادہ بُرا ہے)۔

سبق: عقلاء پر لازم ہے کہ چغلخور۔ نمام۔ غیبت گو اور عیب جو سے دُور رہیں۔

اس لیے کہ مؤمن کی عزت اس کے خون کی طرح ہے۔ تھوڑے سے سبب سے کسی پر بد گمانی نہیں چاہیے اسی لیے وارد ہے۔ فتنہ سوئے ہوئے کی طرح ہے ملعون ہے جو اسے جگاتا ہے۔

۱۔ ازاں ہم نشین تا توانی بگریز ۔۔۔ کہ مر فتنہ خفتہ را گفت خیز
۲۔ کسے را کہ نام آمد درمیان ۔۔۔ بہ نیکو ترین نام و نقش بخوان
۳۔ چوں ہموارہ گوئی کہ مردم خرند ۔۔۔ مبر ظن کہ نامت چو مردم برند
۴۔ کسے پیش من جہاں غافلست ۔۔۔ کہ مشغول خود در جہاں غافلست
۵۔ کسانے کہ پیغام دشمن برند ۔۔۔ ز دشمن ہماناں کہ دشمن ترند
۶۔ کسے قول دشمن نیارد بدوست ۔۔۔ مگر آنکھے دشمن یار اوست
۷۔ مریز آبروئے برادر بکوئے ۔۔۔ کہ دہرت نریزد بشہر آبروئے
۸۔ ببد گفتن خلق چوں دم زدی ۔۔۔ اگر راست گوئی سخن ہم بدی

ترجمہ

۱۔ اس ہم نشین سے جہاں تک ہو سکے دور رہو جو سوئے ہوئے فتنہ کو کہتا ہے اُٹھ کھڑا ہو۔
۲۔ جس کا نام تیرے سامنے لیا جائے اُس کا اچھا نام لے کر اس کی تعریف کہہ۔
۳۔ جب ہمیشہ کہا کرو گے کہ لوگ تو گدھے ہیں پھر اس خیال میں نہ رہ کہ تیرا نام انسانوں جیسا لیا جائے گا۔
۴۔ میرے نزدیک وہ شخص دانا ہے جو اپنے میں مشغول لیکن دوسروں سے غافل ہے۔
۵۔ جو دشمن کا پیغام دوسروں کو سناتے ہیں یہی دشمن سے زیادہ دشمن ہیں۔
۶۔ وہ جو دشمن کا قول دوسرے کے ہاں نہیں لاتا۔ تو پھر دشمن بھی اس کا دوست ہوگا۔
۷۔ اے بھائی کسی کی بے عزتی نہ کر کہ شہر بہ شہر زمانہ تیری بے عزتی نہ کرے گا۔
۸۔ جب تیے خلق خدا کی بُرائی میں دم مارے گا تو پھر سچی بات کہو گے تب بھی بُرے سمجھے جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ: ان ھذا القرآن۔ بے شک یہ قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ نازل ہُوا۔ یقص بیان کرتا ہے علی بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ۔ بنی اسرائیل کو اکثر اس کا جو اس میں اپنی جہالت سے۔ یختلفون۔ اختلاف کرتے ہیں جیسے مسیح علیہ السلام وعزیز علیہ السلام کے بارے میں اور معاد جسمانی و روحانی ہیں اور صفات جنت و نار ہیں ان کا اختلاف ہے ایسے ہی تشبیہ و تنزیہ ہیں ان کا اختلاف ہے ایسے ہی بہت سے اُمور میں مختلف ہونا یہاں تک کہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کو لعنتی کہنا۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتے اور اسلام قبول کر کے قرآن پر عمل کرتے تو بچ جاتے۔ وانہ اور بے شک وہ قرآن۔ لھدی۔ البتہ ہدایت دینے والا۔ ورحمۃ اور رحمت ہے۔ للمؤمنین اہل ایمان کے لیے۔ وہ بنی اسرائیل سے ہوں یا کوئی اور اہل ایمان کا ذکر صرف ان کے انتفاع کی وجہ سے ہے۔ ان ربك يقضى بينهم بے شک تمہارا پروردگار ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان قیامت میں فیصلہ فرمائے گا۔ بحکمہ اپنے حکم کے ساتھ وہ حق فیصلہ فرماتا ہے یعنی انصاف و عدل سے ان کا فیصلہ ہوگا۔ محکوم بہ کو حکم کہنا مجاز ہے وَهُوَ العزیز۔ اور وہ غالب و قادر ہے اس کا کوئی فیصلہ رد نہیں ہو سکتا۔ العلیم وہ جمیع اشیاء کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے وہ بھی جو فیصلہ فرمائے گا۔ جب وہ ذات ایسی عظیم الشان سے موصوف ہے۔ فتوکل علی اللہ تو اللہ پر توکل کیجئے ان کی دشمنی کا تصور تک نہ لایئے۔ التوکل بمعنی التبتل الی اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہنا یعنی جملہ اُمور اسی کی طرف سپرد کیجئے اور غیروں کی پرواہ نہ کیجئے اس کا معنی سکون القلب الی اللہ اور جب مصائب کا سامنا ہو تو اس کی طرف مائل ہونا اب توکل کی علت بتلاتے ہیں وہ یہ کہ انك على الحق المبين۔ بیشک تم راہ راست پر ہو اور تمہارا کام بالکل صحیح ہے جو صاحب حق ہوتا ہے اسے حفاظتِ الٰہی پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور صرف اسی کی مدد کا

طالب ہوتا ہے دوسری طرف توکل یہ ہے کہ انك لا تسمع الموتیٰ۔ بیشک تم مردوں کو نہیں سناتے اور یہ گویا مردے ہی ہیں تو ان سے ہر طرح کی اُمید ختم ہونی چاہیئے نہ یہ مدد کرنے کے نہ دشمنی کرنے کے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعتقاد پختہ ہو کہ بس وہی ہے حامی و ناصر اور اسی کا نام ہے توکل۔

فائدہ: معقول پر اسماع کے اطلاق میں اشارہ ہے اُن کے عام سماع کی طرف اور انھیں موتیٰ کی طرف سے تشبیہ اس لیے دی گئی کہ ان پر جتنا قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ یہ ان سے بالکل نفع نہیں پائیں گے اور ان سے وہ کفار مراد ہیں جن کی قسمت سے ایمان کا قبول کرنا ختم ہو چکا اور ان کو کبھی بھی دولتِ ایمان نصیب نہ ہو گی۔

سوال۔ انہیں مردوں سے تشبیہ دینے سے ان کو اعمی و ابکم (اندھا بہرہ) کہنا بے سود ہو گا۔ پھر انہیں اعمی و ابکم کیوں کہا جاتا ہے۔

جواب:۔ ان کے قلوب کو ہی موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ اُن کے نفوس کو اس لیے کہ انسان کے دل کو کفر و نفاق وحب دنیا سے موت آجاتی ہے فلہذا وہ قلب کے لحاظ سے مردہ ہوتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ مردہ دلوں کو تمھاری باتوں کی سمجھ نہیں ہو سکتی۔

فائدہ وہابی کش

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف باللہ (اولیاء اللہ) زندہ ہیں۔ ان کے ماسوا مردے کیونکہ رُوح کی زندگی معرفتِ حقیقیہ سے ہوتی ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ حقیقی زندگی تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ جو دل ان چیزوں سے خالی ہے وہ مردہ ہے۔

۱۔ زندگانی بیم با عمل۔

۲۔ زندگانی ایمان با عمل۔

۳۔ زندگانی دوستی با عمل۔

(۱) زندگانی بیم علم سے دامن پاک اور چشم بیدار ہوتی ہے اور اسی کو راہِ راست نصیب ہوتا ہے۔

(۲) زندگانی اُمید با عمل کی سواری تیز زادِ راہ مکمل اور سفر قریب ہوتا ہے۔

(۳) زندگانی دوستی با عمل سے قدر و قیمت میں اضافہ اور دل شادمان ہوتا ہے اور بیم بے علم خارجیوں کو نصیب ہُوا اُمید بے علم فرقہ مرجیہ کو اور دوستی بے علم فرقہ اباحیہ (جاہل صوفیہ) کو۔ جسے مذکورہ بالا سہ خصلت نصیب ہوئیں وہ پاکبازوں کی زندگانی پا گیا اور بدبختی سے نجات نصیب ہو گی۔

ولا تسمع الصم الدعاء ۔ اور تم بہرے کو کسی قسم کی دعوت نہیں دے سکتے ۔ الصم اصم کی جمع ہے وہ شخص جس سے سمع کی حاسہ ختم کر دی جائے یہ اس سے تشبیہ دی گئی ہے جو حق کی طرف توجہ نہ دے اور نہ ہی وہ اسے قبول کرے ۔

تفسیر صوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے تم ان لوگوں کو راہِ راست پر نہیں لا سکتے جن کے دل حُبِّ شہوات میں پھنس گئے ہیں کیونکہ جو کسی شے کی محبت میں پھنستا ہے تو وہ دوسری باتوں سے اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے ۔ پس یہ بھی حق کی راہ کے دیکھنے سے اندھا اور اس کے سننے سے بہرہ ہو گیا ۔

تفسیر عالمانہ : اذا ولوا ۔ جب وہ پیٹھ پھیریں یعنی روگردانی کریں اور قرب سے دُور ہو جائیں مدبرین درانحالیکہ وہ حق سے منہ پھیرنے والے اور حق کو چھوڑنے والے ہوں ۔ ادبر اعرض و ولی دبرہ ۔ ان سب کا ایک ہی معنٰی ہے نفی کو اذا سے مقید کرنے میں تاکید اور تشبیہ کی تکمیل مراد ہے کہ انکار سماع ایسی حالت میں ناممکن ہے یعنی یہ بہرہ کچھ نہیں کر سکے گا ۔ اگرچہ بولنے والا اس کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو ۔ پھر جب وہ بہت دُور اور ہو بھی بولنے والا اس کے پیچھے تو پھر نہ سننا یقینی ہے ۔ اب انہیں اندھے سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔ وما انت بھدی العمی عن ضلالتھم اور تم اُن کے اندھے پن سے انہیں گمراہی سے ہدایت دینے والے نہیں ۔ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے جو موصل الی المطلوب ہو اس لیے کہ ایسی ہدایت کے لیے بصر کا ہونا ضروری ہے اور عن ہدایت کے متعلق ہے اس لیے کہ صرف کے معنیٰ کو متضمن ہے اور عمی اعمی کی جمع ہے اور عمی بمعنی قوت بینائی کا نہ ہونا عدم ہدایت کی وجہ سے بصیرت کے اندھے کو بصارت کے اندھے سے تشبیہہ دی گئی ہے ۔

المفردات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کے اندھے کے بالمقابل آنکھ کے اندھے کا کچھ اعتبار نہیں فرمایا چنانچہ فرمایا والعمی الابصار ولکن تعمی القلوب فی الصدور ۔ اُن کی نہ صرف آنکھیں اندھی ہیں بلکہ ان کے قلوب بھی اندھے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں ان تسمع تم ان کو ایسا نہیں سناتے ہو جو ان کو نافع ہو ۔ الا من یؤمن بایتنا مگر وہ جو کہ ہماری آیات پر ایمان لائے یعنی وہ جو علم الٰہی ہے ۔ اس کی قسمت میں ایمان لکھا ہے چونکہ ہدایت کا طریقہ اسماع الآیات التنزیلیہ ہے ہے اسی لیے اسماع کی نفی کی گئی ورنہ لا تھدی کہا جاتا باوجودیکہ ہدایت کا ذکر پہلے ہوا ہے ۔ فھم مسلمون ۔ پس وہی ماننے والے ہیں یہ اُن کے ایمان لانے کی تعلیل ہے ۔ یعنی ایسے لوگ گردن جھکا سکتے ہیں اور یہی لوگ مخلص اور ہمارے مقدر کردہ ایمان سے خاص ہیں ۔

گوشِ باطن نہادہ بر قرآن　　دیدۂ دل کشادہ بر عرفان
زندہ از نفحہای گلشن قدس　　معتکف در فضای عالم انس
بردہ اند از مضائق لا شئی　　بہ "قل اللّٰہ ثم ذرھم" پی

ترجمہ :

۱۔ باطنی کان قرآن کے سننے کی طرف لگا ہوا ہے اور دیدۂ دل عرفان کے لیے کھلا ہوا ہے۔
۲۔ گلشن قدس کو ٹھنڈے جھونکوں کے دل زندہ اور عالم انس کی فضا میں اعتکاف بیٹھنے والے۔
۳۔ لاشی کی تنگیوں سے نکل کر قل اللہ ثم ذرھم کے مقام تک پہنچے ہیں۔

سبق۔ یہ عنایت ازلیہ پر موقوف ہے سعادۃ وشقاوۃ علم الٰہی میں ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور اپنی دائیں ہتھیلی بند کر کے فرمایا :

"یہ کتاب ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے بہشتیوں کے اسماء اور ان کے انساب لکھ کر آخر تک بیان فرمادیا ہے اب ان سے نہ بڑھ سکتے ہیں نہ کم ۔"

اس کے بعد بائیں ہتھیلی بند کر کے فرمایا کہ :

"یہ کتاب ہے اس میں دوزخیوں اور اُن کے آباؤ اجداد کے اسماء ہیں۔ آخر تک سب مذکور ہیں۔ اب تک بڑھ سکتے ہیں اور نہ کم ۔

اہل شقاوت وسعادت کا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ یہ اہل شقاوۃ سے ہے لیکن موت سے پہلے اونٹنی کے دودھ دوہنے کی دیر میں ایسا کام کرتا ہے جس کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ اہل شقاوۃ سے نکال کر اہل سعادت میں داخل فرما لیتا ہے۔

فائدہ : حلبہ بضم الفاء تخفیف الواو آخر میں قاف جوہری وغیرہ فرمایا کہ اونٹنی کے دودھ دوہنے کے دو وقتوں کے درمیان کا وقفہ دراصل صورت یہ ہے کہ اونٹنی کے دودھ دوہتے وقت پہلے دودھ دوہ کر وقفہ کرتے ہیں اور اونٹنی کے بچے کے لیے پستان چھوڑتے ہیں تاکہ اونٹنی دودھ تھنوں میں لائے اس وقفہ کے بعد دوبارہ دوہنا شروع کرتے ہیں اسے فواق ناقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

بقایا حدیث :۔ اہل شقاوہ وسعادت کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ عوام میں وہ اہل سعادۃ مشہور ہوتا ہے لیکن مرنے سے پہلے اس سے کوئی بُرا عمل ہو جاتا ہے جسے اہل شقاوۃ میں داخل کر لیا جاتا ہے اس معنیٰ پر سعید وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور شقی بھی اسی لیے دارومدار خاتمہ پر ہے ۔

ازلی بدبخت کا قصّہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک زاہد دو سو سال عبادت میں بسر کرتا رہا۔ ایک دن اُس کے دل میں شوق جاگا کہ کاش ابلیس مجھے دکھائی دیتا میں اُسے کہتا کہ دو سو سال میں نے عبادت میں گزار دیئے تو میرا کچھ بگاڑ نہیں سکا۔ اس کے اس شوق پر اس کے حجرۂ عبادت سے ابلیس سامنے آ گیا اور کہا میں بھی تیرے دیدار کا مشتاق تھا آج مجھے موقعہ مل گیا کہ تیرے یاد کرنے پر میں حاضر ہو گیا ہوں لیکن تجھے میرے ملنے کا کیا فائدہ تو تو بڑا زاہد ہے۔ دو سو سال عبادت میں گزار دی لیکن ابھی تیرے دو سو سال زندگی کے باقی ہیں۔ یہ کہہ کر غائب ہو گیا لیکن اس کے دل میں گھس گیا اور وسوسہ ڈالا کہ دو سو سال خواہ مخواہ قید میں گزار دیئے۔ ابھی بھی دو سو سال باقی ہیں ایک سو سال عیش و عشرت میں گزاروں۔ ایک سو سال آخری پھر عبادت میں گزاروں گا۔ اسی اثناء میں توبہ کر لوں گا۔ یہ کہہ کر اُٹھا اور شراب خانے میں چلا گیا۔ زہد و عبادت چھوڑ کر گناہ و لذت و عیش میں زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ ملک الموت اپنے وقت پر تشریف لائے اور رُوح لے کر چلتے بنے۔ وہ بدبخت اس بدبختی میں مرا اور دو سو سال کی عبادت اور زہد ضائع اور برباد گیا ہم بدبختی اور بُری قضا سے پناہ مانگتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در عمل تکیہ مکن زانکہ در ان روزِ ازل
توچہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت

ترجمہ:۔ اعمال پر بھروسہ نہ کر اس لیے روزِ اول میں تمھیں کیا خبر کہ قضاءُ قدر نے تیرے لیے کیا لکھا۔

پھر فرمایا ؎

زاہد ایمن مشو از بازیٔ غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیر مغاں ایں ہمہ نیست

ترجمہ:۔ غیرتِ الٰہی کی بازی سے اے زاہد بے غم نہ ہو۔ عبادت خانے سے شراب خانے کی راہ میں فرق نہیں۔

پھر فرمایا ؎

حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتمت است
کس ندانست کہ آخر بچہ حالت برود

ترجمہ:۔ مستوری و مستی کا حکم خاتمہ پر ہے کسی کو کیا علم کہ بالآخر وہ کس حالت میں مرے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گرت صورت حال بد یا نکوست !
نگاریدۂ دست تقدیر اوست
بکوشش نروید گل از شاخ بید
نہ زنگی بگرمابہ گردد سفید

ترجمہ:۔ اگر تیری صورت حال اچھی ہے یا بری وہ تقدیر الٰہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔"
بید سے گلاب کا پھول کوشش سے نہیں اُگتا۔ نہ ہی زنگی حمام کے غسل سے سفید ہو سکتا ہے۔
اے اللہ ہمیں سعادت مندوں سے بنا۔ (آمین۔ ثم آمین)

تفسیر عالمانہ:۔ واذا وقع القول۔ اور جب ان پر قول کے ہوگا۔ وقوع سے قرب و اقتراب مراد ہے جیسے قول الٰہی اتی امر اللہ میں ایتان بمعنی قریب مراد ہے۔ القول سے قیامت اور اس کے وہ اُمور ہائلہ (ہولناک) مراد ہیں جن کی کفار و مشرکین یہ عجلت چاہتے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب قیامت اور اُس کے وہ ہولناک اُمور قریب ہو جائیں گے۔

فائدہ: قرآن مجید میں وقع کا لفظ اکثر عذاب و شدائد میں آیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب قیامت کی وہ نشانیاں شروع ہو گئیں جن کا ذکر پہلے ہوا ہے۔

اخرجنا لہم دابۃ من الارض۔ اور ہم نے اُن کے لیے ظاہر کیا زمین کا ایک جانور جس کا نام جاسہ ہے کیونکہ وہ دجال کی خبر دینے والا ہے اور دجال ایک دیر میں بحر الشام کے جزیرہ میں مقید پڑا ہے اور جاسہ بھی اسی جزیرہ میں رہتا ہے جیسا کہ مشارق باب ثامن کی حدیث میں ہے **تکلمہم ان الناس لا یوقنون۔** وہ بولتا تھا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھیں گے یعنی کافروں کو فصیح عربی میں کہتا تھا یا عرب کو عربی میں اور عجم کو عجمی میں کہتا کہ وہ لوگ ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے جو قیامت کے آنے پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی جب قیامت قریب ہوگی تو اللہ تعالیٰ دابۃ الارض کو کھڑا کرے گا جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے باہر لا کر معجزہ دکھایا گیا۔

اعجوبہ: بعض نے کہا وہ جانور تمام مخلوق کی صورت پر پیدا کیا جائے گا چنانچہ اس کا چہرہ آدمیوں جیسا چمکدار ہوگا اور اس کا سر بادلوں کو چھوئے گا۔ جسے تمام اہل مشرق و مغرب دیکھیں گے۔
حدیث شریف میں ہے کہ اس کا قد ستر گز لمبا ہوگا۔ اس کے پکڑنے والے اسے پکڑ نہ سکیں گے اور نہ ہی کوئی بھاگنے والا اس سے بھاگ سکے گا۔

صفا پہاڑی سے دابۃ کا خروج:۔ حدیث شریف میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کعبہ معظمہ کا طواف کر رہے ہوں گے اور آپ کے ساتھ دیگر

مسلمان بھی طواف میں ہوں گے کہ ان کے نیچے سے زمین متحرک ہو گی ایسے جیسے قندیل حرکت کرتا ہے مسعیٰ کی طرف سے صفا پہاڑی پھٹے گی۔ اس سے دابہ نکلنا شروع ہو گا تین دن تک نکلتا رہے گا۔ چند لوگ اسے دیکھنے میں مصروف ہو جائیں گے اور بعض خوفزدہ ہو کر نماز پڑھنے لگ جائیں گے وہ دابہ نمازی سے کہے گا جتنا لمبا ہونا چاہیئے تھا ہیں تمہیں ضرور روندوں گا اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور سلیمان علیہ السلام کی انگشتری لے کر نکلے گا۔ مسلمان کو سجدہ کی جگہ یعنی پیشانی پر عصا مارے گا اسی سے نقطہ کا نشان پڑ جائے گا جس سے اس کا نور اس کے چہرے پر پھیل جائے گا پھر اس کے ماتھے پر لکھے گا ھو مؤمن (یہ مومن ہے) اور انگشتری سے کافر کے ناک پر مہر لگائے گا اس سے ایک سیاہ نکتہ کا داغ پڑ جائے گا جو پھیلتے ہوئے اس کا منہ سیاہ بنا ڈالے گا۔ پھر وہ اس کی پیشانی پر لکھے گا ھو کافر (یہ کافر ہے) پھر سب کو مخاطب ہو گا اے فلاں تو اہل جنت ہے اور اے فلاں تو اہل نار ہے۔ اس کے بعد دنیا میں سوائے سفید چہروں والوں کے کوئی نہ بچے گا اور لوگ اس وقت ایک دوسرے کو نام اور لقب سے نہیں بلکہ سفید چہروں والے اور بہشتی کہہ کر پکاریں گے اور سیاہ منہ والوں کو دوزخی کہہ کر پکاریں گے۔ پھر وہ دابۃ زمین کی گشت کرے گا جہاں سے گزرے گا کھیتی اور درخت خشک ہو جائیں گے یہاں تک کہ زمین پر کوئی سرسبز درخت اور سرسبز کھیتی نہیں رہے گی سوائے ایک سپید درخت کے کہ وہ خشک نہ ہو سکے گا اس لیے اس پر ستر انبیاء علیہم السلام کی برکات ہوں گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ خروج دابۃ وطلوع شمس از مغرب ایک دوسرے کے قریب ہوں گے ان میں جو بھی پہلے آئیگا دوسرا اس کے قریب ہی آجائے گا۔

فائدہ: بعض ائمہ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی علامات میں سب سے پہلے طلوع شمس از مغرب اور اور زمین میں دابۃ الارض ظاہر ہو گا۔

فائدہ: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ ظاہر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طلوع شمس از مغرب قیامت کے علامات میں سے آخری علامت ہے جیسا کہ وارد ہے کہ دجال صدی کے اول میں آئے گا اس پر عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے پھر زمین پر چالیس سال بسر فرمائیں گے اور طلوع شمس از مغرب کے بعد لوگ صرف ایک سو بیس سال رہیں گے پھر فنا ہی فنا۔

خلاصہ یہ کہ بنی الاصفر یعنی افرنگی جب نکلیں گے اور زمین کے کناروں پر پھیل جائیں گے جیسا کہ محدثین نے فرمایا ہے۔ یہ چھ سال تک ہو گا پھر مہدی ساتویں سال تشریف لائیں گے۔ اس کے بعد دجال ظاہر ہو گا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے پھر دابۃ الارض ظاہر ہو گا۔ پھر سورج از مغرب طلوع ہو گا۔

فائدہ: نیز یہ بھی ہے کہ جب دابہ نکلے گا تو نگران فرشتے زمین پر آنے سے رک جائیں گے اور قلمیں اٹھ جائیں گی اور اجسام اعمال پر گواہی دیں گے اور خروج کے قرب کمال کی دلیل ہو گی اور طلوع شمس بھی اسی دوران ہو گا۔ کیونکہ توبہ کا دروازہ طلوع

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾
وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ○ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ
لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَيَوْمَ
يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ
وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ○ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ
السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ○
مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ○ وَمَنْ
جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾
اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىْءٍ ؗ
وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ
فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا
مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ
وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ع

ترجمہ

" اور جس دن اُٹھائیں گے ہم ہر گروہ میں سے ایک فوج جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتی ہے تو اُن کے اگلے رد کے جائیں گے کہ پچھلے ان سے آملیں یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو لیں گے۔ فرمائے گا کیا تم نے میری آیتیں جھٹلائیں حالانکہ تمہارا علم ان تک نہ پہنچا تھا۔ یا کیا کام کرتے تھے اور بات پڑھ چکی ان پر ان کے ظلم کے سبب تو وہ اب کچھ نہیں بولتے۔ کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے رات بنائی کہ اس میں آرام کریں اور دن کو بنایا سوجھانے والا بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے کہ ایمان رکھتے ہیں۔ اور جس دن پھونکا جائے گا صور تو گھبرا جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے خدا چاہے اور سب اس کے حضور حاضر ہوئے عاجزی کرتے۔ اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی چال۔ یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔ بیشک

اُسے خبر ہے تمھارے کاموں کی جو نیکی لائے اس کے لیے اس سے بہتر صلہ ہے اور ان کو اس دن کی گھبراہٹ سے امان ہے اور جو بدی لائے تو اُن کے منہ اوندھائے گئے آگ میں۔ تمھیں کیا بدلہ ملے گا مگر اُسی کا جو کرتے تھے۔ مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ پوجوں اس شہر کے رب کو جس نے اُسے حرمت والا کیا ہے اور سب کچھ اُسی کا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ فرمانبرداروں میں ہوں اور یہ کہ قرآن کی تلاوت کروں تو جس نے راہ پائی اس نے اپنے بھلے کو راہ پائی اور جو بہکے۔ تو فرما دو کہ میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں اور فرماؤ کہ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں۔ عنقریب وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو انھیں پہچان لوگے۔ اور اے محبوب تمھارا رب غافل نہیں اے لوگو تمھارے اعمال سے۔

(بقیہ مضمون سابق)

شمس کے بعد ہوگا۔ (والعلم عنداللہ)

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ صورۃ دابہ اور اس میں سے ظہور جمیعۃ کا راز یہ ہے کہ دابۃ سے صورۃ استعداد کونی شہادی حیوانی اور مثال طبع کلی حیوانی اور حامل جمیعۃ الحقائق الدینویہ مراد ہے اور یہ بھی برزخ کی عنصری کا راز ہے جس سے اسرار حقائق متضادہ ظاہر ہوتے ہیں جیسے کفر وایمان اور طاعۃ وعصیان اور انسانیۃ وحیوانیۃ اور یہ آیت جامع ہے کہ عقل والوں کے لیے معانی و اسرار ہیں (کذا فی کشف الکنوز)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی کی طرف رجوع کرے اور ان کے وعدہ و وعید سے نصیحت حاصل کرے اور ان کی تقدیر پر ایمان لائے اور قیامت اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہے زندگی میں ہی خوب تیاری کر لی جائے نہ اُس وقت کہ وقت ختم ہو جائے۔ بھلائی ہاتھ سے چلی جائے اور نظام دنیا درہم برہم ہو جائے اور وہ وقت بالکل قریب ہے

یا رب از ابر ہدایت برساں بارانے
بیشتر ازانکہ چو گردی زمیان برخیزم

ترجمہ: اے اللہ ہدایت کی بارش برسا اس سے قبل کہ میرے کوچ کرنے کا وقت آجائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں خیر اور نیک اعمال کی توفیق بخشے اس سے پہلے کہ عمر ختم ہو جائے اور موت کی گھڑی سر پر آجائے۔

تفسیر عالمانہ: و یوم نحشر من کل أمة فوجا اور اُس دن ہم ہر اُمت سے ایک ایسے گروہ کو اُٹھائیں گے یوم اذکر کیوجہ سے منصوب ہے الحشر بمعنی الجمع یہاں پر

قیامت کے دن انھیں عذاب کے لیے جمع کرنا مراد ہے۔ اگرچہ اُس وقت سب کو جمع کیا جائے گا لیکن چونکہ عذاب سے ڈرانا مطلوب ہے اسی لیے اُنھیں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے **امۃ** وہ گروہ جس کی طرف رسول علیہ السلام مبعوث ہوں (کذا فی القاموس) **فوج** زمرہ کی طرح انسانوں کی ایک جماعت (کذا فی الوسیط) الجماعۃ بمعنی تیزی سے چلنے والا گروہ (کذا فی المفردات) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو فرمایئے کہ اُس وقت کہ ہم اُمم انبیاء علیہم السلام میں سے ایسے گروہ کو جمع فرمائیں گے ہر زمانے میں سے ایک گروہ کو جمع فرمائیں گے۔ **من** تبعیضیہ ہے کیونکہ ہر زمانے میں ہر اُمت دو قسم رہی نبی علیہ السلام کی تصدیق کرنے والی اور تکذیب کرنے والی۔ **فمن یکذب بایاتنا** اس میں سے جو ہماری آیات کی تکذیب کرتا تھا۔ یہ فوج کا بیان ہے اس لیے کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والے ضرور ہوئے ہیں اور آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو ان کے نبی علیہ السلام پر کلام الٰہی اترا وہ اُن کے لیے ایسے تھا جیسے ہمارے لیے قرآنی آیات **فھم یوزعون**، اس کی تشریح سورۂ نمل میں سلیمان علیہ السلام کے قصے میں ہو چکی ہے۔ یوزعون یعنی سب کے سب روکے جائیں گے تاکہ سب کے سب عذاب کی جگہ پر جمع ہو جائیں جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ بھی مل جائیں۔ اس میں ان کی کثرت اور دُور دور تک پھیلاؤ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ **فوج** سے کفار کے رؤسا مراد ہیں یعنی لیڈروں کو عوام کے سامنے جہنم کی طرف کر کے لایا جائے گا مثلاً ابوجہل۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ولید بن مغیرہ اہل مکہ کے سامنے روانہ ہوں گے۔ پھر ہر لیڈر کے اپنے عوام پیچھے کر دیئے جائیں گے کذا قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بڑے بڑے لیڈروں کو روکا جائے گا تاکہ ان کے عوام پیچھے سے لگائے جائیں گے۔ پھر یہ ہر دونوں تابع و متبوع اکٹھے جہنم میں جائیں گے۔

فائدہ: شاعروں کا جھنڈا امرء القیس کے ہاتھ میں ہوگا وہ آگے آگے اور دوسرے شعراء اُس کے پیچھے ہوں گے (یعنی کفار شعراء اور وہ جو بک بک کرتے رہتے ہیں اہل ایمان اور مبنی بر نعت وحمد اور مناقب اولیاء اور نصیحت آمیز گو شعراء بہشتی ہیں (جیسا کہ سورۂ شعراء میں تفصیل گزری ہے)

حتی اذا جاؤ یہاں تک سوال وجواب اور مناقشہ وحساب کے موقف پر جب آ جائیں گے۔ **قال** تو اللہ تعالیٰ اُن کو جھڑکتے ہوئے فرمائے گا **اکذبتم** کیا تم نے جھٹلایا تھا۔ **بایاتی** میری آیات کو **ولم تحیطوا بھا علما** اور حالیہ اور علماً منصوب علی التمیز ہے حالانکہ تم ان کو علم سے محیط نہیں ہوئے یعنی سرسری طور پر دیکھا تھا اگر حقیقت بین نگاہ سے دیکھتے تو تمھیں ان کی کنہ تک پہنچنا نصیب ہو جاتا بالضرور تصدیق کرتے۔ **اماذا کنتم تعملون**۔ کیا عمل کرو گے یعنی جب اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کیا کام کرو گے یعنی ان کا کام سوائے جہل و تکذیب و کفر و معاصی کے اور کوئی کام نہ تھا گویا وہ انہی امور کے لیے پیدا کیے گئے حالانکہ اُن کی تخلیق تو علم و تصدیق و ایمان و طاعت کے لیے تھی صرف ان کو تکمیتاً اس طرح کا خطاب ہوگا اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے اسی لیے حکم ہوگا کہ انھیں اوندھا کر کے جہنم میں ڈالا جائے چنانچہ فرمایا **ووقع القول علیھم** اور ان پر عذاب نازل ہو جائے گا۔ **بما ظلموا** بسبب ان کے ظلم کرنے کے یعنی وہ ظلم جو اُنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ **فھم لا ینطقون** تو وہ بول نہ سکیں گے یعنی عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے یا اُن کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی اب کفار مکہ کو وعظ کے طور پر کہا یا ان پر حجت قائم کی گئی۔ **الم یروا**۔ رویتِ قلبی مراد ہے یعنی کیا انھیں معلوم نہ تھا **انا جعلنا اللیل**۔ بیشک ہم نے رات کو نہیں بنایا یعنی اس میں اندھیری نہیں تھی۔ **لیسکنوا فیہ** تاکہ وہ اس میں نیند و قرار سے سکون پکڑیں۔ **والنھار مبصرا**۔ اور دن کو تاکہ وہ اس کی روشنی میں دیکھیں اور معاش کے اُمور میں مختلف طریقوں پر چلیں۔

نکتہ:- دن کو راہ دکھانے والا کہہ کر مبالغہ کیا گیا ہے گویا وہ حال جو لوگوں کے متعلق تھا وہ دن نے کر دکھلایا اور جو صفت لوگوں کی تھی وہ دن کو دی گئی وہ اس لیے کہ سورج کے نور میں اس طرح کی تاثیر ہے بخلاف رات کے کہ اس میں یہ مبالغہ نہیں کیا گیا کہ اس میں لوگوں کا فعل ان کو اپنی طرف ہے۔ **ان فی ذالک الآیات**" بیشک اس میں نشانیاں ہیں بہت بڑے یعنی دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں **لقوم یومنون** ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں کیونکہ یہ صحت بعثت اور صدق آیات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کیوں نہ ہو اگر کوئی ان میں غور و فکر کرے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں اور نظام بھی صحیح ہے۔ پھر غور فرمائیے کہ یہ رات کی تاریکی موت پر اور دن کی روشنی حیات پر ایسے ہی نیند موت پر اور بیداری حیات پر دلالت کرتی ہیں اور ان سے واضح ہو گیا کہ قیامت ضرور آئے گی اور بیشک قبور سے اُٹھنا ہوگا اور سمجھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ اُمور اسی کا ایک نمونہ اور دلیل ہے جس سے اس کے تحقق کا یقین ہوتا ہے اور ایسے رات و دن کے تبدل کے علاوہ دوسرے جملہ دلائل دلالت کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

فائدہ:- دانا لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی حیات و وفات پر تقسیم کی گئی ہے۔ حیات بیداری کا نام ہے اور وفات نیند ہے۔ کامیاب وہ ہے جس نے اپنی وفات کو حیات میں شامل کیا یعنی نیند کو بھی بیداری سے بدل دیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ دن کی درازی رات کی درازی سے بہتر ہے۔ ہاں خوش قسمت وہ ہے جس نے رات کی گھڑیوں کو مناجات الٰہی میں گزار دیا۔

حکایت: محمد بن نصر حارثی نے زندگی کے آخری لمحات میں کئی سال بیداری میں بسر کر دی ہوائے قیلولہ کے پھر قیلولہ بھی ترک کر دیا تھا۔

شیخ سعدی کی باتیں

درویشوں کا طریقہ ذکر و شکر اور خدمت و طاعت اور ایثار و قناعت اور توحید و توکل اور تسلیم و تحمل ہے جو ان صفات سے موصوف ہے وہ حقیقی درویش ہے اگرچہ امیرانہ زندگی بسر کرتا ہو اور ظاہری خرقہ بھی نہیں۔ بے تونی اور بے نماز اور ہوا پرست اور ہوس باز ہو جو منہ میں آئے کہتا جائے راتیں شہوات میں بسر کرے اور دن نیند میں گزار دے وہ بے دین رند ہے اگرچہ گدڑی پوش ہو ۔

اے درونت برہنہ از تقویٰ
وز بروں جامۂ ریا داری!
پردۂ ہفت رنگ در بگزار
تو کہ در خانہ بوریا داری!

ترجمہ: اے اندر تیرا تقویٰ سے خالی اور باہر سے ریا کے کپڑے پہنے ہوئے۔
سات رنگوں والا کپڑا چھوڑ جبکہ گھر پر بوریا رکھتا ہے۔

دو شاگردوں کا جھگڑا اور اُستاد کا فیصلہ

دو شاگردوں نے اختلاف کیا ایک کہتا تھا کہ نیند بہتر ہے کہ اس میں انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا رہتا ہے اور دوسرا کہتا تھا کہ بیداری بہتر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا عرفان ہوتا ہے یہ فیصلہ استاد کے ہاں لے گئے۔ اُستاد نے فرمایا جو نیند کو جس نیت سے بہتر کہتا ہے اس کے لیے اسی طرح سے نیند بہتر ہے اور جو بیداری کو جس ارادہ سے بہتر کہتا ہے اس کے لیے بیداری بہتر ہے لیکن جس نے نیند کو ترجیح دی اس کے لیے موت بہتر ہے اور جس نے بیداری کو ترجیح دی اس کے لیے حیات بہتر ہے کیونکہ موت کے بعد بندے کو نہ ترقی نصیب ہوتی ہے نہ ثواب میں اضافہ (کذا قال الامام القشیری)

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے جدوجہد کرے تاکہ وہ اہل وصال سے ہو اور ہمیشہ کے عذاب سے نجات پائے کیونکہ آخر مرنا ہے اور موت کے بعد محشر کے میدان میں حاضر ہونا ہے۔ محشر کا نتیجہ یا بہشت یا دوزخ۔ دوزخ میں مؤمن کو گناہ کی سزا ہے تو دیتا ہے اور کافر کو بطور عذاب کے لیے اور یہ دائمی ہوگا۔ دنیا میں جیسے جرائم آخرت میں ویسی سزا قیامت میں مومن کو عذاب ہوگا چند مدت کے لیے

بدر ہائی نصیب ہوگی اور بعض کو حدود کی سی سزا ہوگی اور حدود مختلف طریقہ سے ہوتی ہیں ہاں وہ سزا میری ہو جو کفر سے ہو کیونکہ کفار کے لیے کوئی رحمت و شفقت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے رحمت و شفقت فرمائی کہ ان کے لیے رسل کرام بھیجے کتابیں نازل فرمائیں لیکن انہوں نے اس کی رحمت کے بجائے غضب خرید اکہ ان کے رسل و کتب کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ عناد رکھا اسی لیے انہیں دائمی عذاب ہوگا۔ ان کی معافی کا امکان بھی نہیں کیونکہ اس دنیا میں اندھا ہے اور وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کے عرفان سے یہاں محروم تو وہاں بھی محروم۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری آنکھیں غفلتوں سے کھول دے۔ ہمیں مکاشفین مشاہدین اور معائنہ والوں سے بنا دے اور ہماری یہ حالت دائمی ہو وہی قاضی الحاجات اور مرادیں پوری کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ: ویوم ینفخ فی الصور

حل لغات: النفخ بمعنی کسی شے میں پھونکنا و نفخ بفمہ۔ یعنی منہ سے ہوا نکالی۔ الصور وہ قرن جس میں اسرافیل موت و حشر کے لیے پھونک ماریں گے۔ آپ کے معاونین اس وقت قرن کو پکڑے ہوئے ہیں جو مخلوق کو قیامت میں اٹھانے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے فارغ ہوا تو صور کو بنا کر اسرافیل علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ اب وہ صور منہ میں لیے منتظر کھڑے عرش کو دیکھ رہے ہیں کہ کس وقت اس کے پھونکنے کے لیے حکم ربانی ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ قرن ہے۔ میں نے عرض کی قرن کیا ہے آپ نے فرمایا وہ ایک بہت بڑی شے ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس میں ایک حصہ چودہ طبق کے برابر ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پھونکنے کا حکم ہوگا جب وہ اسے پھونکیں گے تو اس وقت کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے گا سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و نفخ فیہ اخریٰ الی قولہ تعالیٰ الا من شاء اللہ۔ پھر دوبارہ اسے پھونکنے کا حکم ہوگا تو کوئی مردہ بھی باقی نہ رہے گا جو زندہ ہو کر نہ اٹھے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و نفخ فیہ اخریٰ۔ سورہ کہف میں اس کے متعلق کچھ تفصیل گزری ہے۔ اس آیت میں نفخ سے دوسرا نفخہ مراد ہے یعنی قیامت میں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو یاد دلائیے کہ قیامت میں اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے پھر کہیں گے تو تمام ارواح اپنے اجسام کی طرف لوٹ آئیں گی۔ ففزع من فی السموٰت ومن فی الارض تو گھبرا جائیں گے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ ماضی سے تعبیر کر کے اشارہ ہے کہ وہ اتنا یقینی ہے

کہ گویا وہ واقع ہو چکا کیونکہ اللہ کا فعل یقینی الوقوع ہے خواہ وہ مستقبل میں ہو کیونکہ اس کا خبر دینا ہمارے لیے یقین کرنا ضروری ہے الفزع بمعنی انقباض وہ کیفیت ڈراؤنی شے کی وجہ سے انسان کو طاری ہو اسی لیے فزعت من اللہ نہیں کہا جاتا جیسے خفت من اللہ کہا جاتا ہے۔ الفزع سے یہاں ہر ایک کی گھبراہٹ مراد ہے وہ مومن ہو یا کافر یعنی قیامت کی بعث و نشور سے جو امور مشاہدہ میں آئیں گے تو وہ اتنے ہولناک کہ یہ منظر ہوں گے جن سے طبائع پر رعب اور ہیبت چھا جائے گی جن سے لوگ گھبرا جائیں گے الا من شاء اللہ مگر وہ جنھیں اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ نہیں گھبرائیں گے کیونکہ ان کے قلوب کو اطمینان ہوگا جیسے انبیاء و اولیاء اور شہدا کہ وہ نہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے۔ ایسے ہی چار فرشتے ہیں حاملین عرش اور خازنین فرشتے اور حوریں وغیرہ ہم وغیرہ۔

اگر فزع سے صعقہ مراد ہو تو اس سے وہ مستثنیٰ ہوں گے جو پہلے صعقہ دیکھ چکے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام (کذا فی التفسیر) کیونکہ وہ کوہ طور کے موقعہ بیہوش ہوئے اب دوبارہ اُن کے لیے صعقہ نہ ہوگا۔ وکل اتوہ اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے ہاں آئے گی۔ یعنی سوال و جواب اور حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ داخرین ذلیل اور عاجز ہو کر۔

حل لغات: ادخرتہ فدخر۔ میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا وتری الجبال اور تم پہاڑوں کو دیکھو گے اس کا عطف نفخ پر ہے۔ یہ بھی تذکیر کے حکم میں ہے تحسبہا حالانکہ انھیں گمان کرتے ہو۔ جامدۃ اپنی جگہوں میں مضبوط کھڑے ہوئے۔ یہ جملہ الماء و کل سائل سے ہے یعنی پانی اور ہر بہنے والے شے کھڑی ہوگی۔ داب کی ضد ہے یعنی ہر شے کا جم جانا۔ وھی حالانکہ یہ پہاڑ اُس وقت۔ تمر چلتے ہوں گے۔ مرالسحاب۔ بادلوں کی طرح تیز چلنے والے یعنی آج تو ساکن نظر آتے ہیں لیکن اُس دن بادلوں کی طرح تیز چلنے والے کہ انہیں ہوا تیز چلائے گی۔ وہ اس لیے کہ ہر بڑی شے اور ہر کثیر آنکھوں میں کھڑی معلوم ہوتی ہے کیونکہ دیکھنے والے کی نگاہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی حالانکہ وہ گھوم رہی ہوتی ہے لیکن قیامت میں یعنی نفخۂ ثانی پر اللہ تعالیٰ زمین کی ہیئت بدل دے گا اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹنے لگ جائے گا۔ بہت ہولناک منظر ہوگا جسے اہل محشر دیکھ کر گھبرائیں گے اور یہ کیفیت اگرچہ پہلے نفخہ سے شروع ہو جائے گی کہ زمین پھٹ جائے گی پہاڑ ٹوٹ جائیں گے لیکن نفخ ثانیہ پہ یہ تمام منظر سامنے آجائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ وحشرناھم۔ اس دن کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور زمین کو دیکھو گے صاف ستھری نظر آئے گی۔

ماضی کا عطف مستقبل پر ہے اس میں اشارہ ہے کہ سیر و رؤیۃ حشر کے بعد ہوں گے۔ گویا یوں کہا گیا کہ ان کو ہم جمع کریں گے پھر دیکھو گے۔

حکایت: حضرت جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت جنید مجلس سماع میں شامل ہوئے۔ آپ کے ساتھی بھی تھے دوسرے لوگ تو سماع سے خوب اچھلے کودے لیکن آپ اطمینان و سکون سے بیٹھے رہے۔ آپ کے ساتھیوں نے پوچھا کہ آپ دوسروں کی طرح سماع سے وجد میں کیوں نہیں آئے تو آپ نے پڑھا وتری الجبال تحسبھا جامدہ وھی تمر مر السحاب اور بعض نے کہا کہ اصحاب تمکین بظاہر ساکن نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ملکوت میں سیر کرنے والے ہیں۔

فائدہ: کسی محقق نے فرمایا کہ اولیاء مخلوق میں پہاڑوں کی طرح ہیں لیکن درحقیقت سیر میں ہیں کہ ایک لحظہ میں ہزاروں عالم کو گھوم لیتے ہیں لیکن کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ ؎

۱۔ تو مبین این پایہا را بر زمین	زانکہ بر دل میرود عاشق یقین
۲۔ از رہ و منزل ز کوتاہ و دراز	دل چہ داند کوست مست دلنواز
۳۔ آں دراز و کوتہ اوصاف تنست	رفتن ارواح دیگر رفتن است
۴۔ دست نی و پای نی سرتا قدم	آنچنانکہ تاخت جانہا از قدم

ترجمہ

۱۔ تم ان پاؤں کو نہ دیکھو کہ یہ زمین پر ہیں اس لیے کہ عاشق کی سیر دل سے ہوتی ہے۔

۲۔ راہ و منزل سے کوتاہ و دراز نظر آتے ہیں دل کو کیا خبر یہ تو مست دار ہے۔

۳۔ دراز و کوتاہ جسم کی صفت ہے لیکن روح کی سیر کسی دوسرے طریق سے ہے۔

۴۔ نہ اُس کے ہاتھ نہ پاؤں بلکہ اس کا جسم نہیں لیکن اُس کی دوڑ نرالی ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان بھی دل میں مضبوط پہاڑ کی طرح ہے کہ اس کے انوار حجاب اعلیٰ کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔

فائدہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفس رُوح کے نکلنے کے وقت پڑا رہتا ہے لیکن رُوح پرواز کر کے عرش الٰہی کے نیچے پہنچ جاتی ہے۔

صنع اللہ۔ الصنع بمعنی کسی کام سنوار کے کرنا ہر صنع فعل ہے لیکن ہر فعل صنع نہیں۔ اور نہ ہی اس فعل کی نسبت حیوانات کی طرف ہوتی ہے (کذا فی المفردات) یہ مصدر ہے اور ما قبل کے مضمون کی تائید کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کام اس سے مذکورہ اُمور مراد ہیں جیسے نفخ صور اور وجود دیگر افعال اسی پر مرتب ہوئے الذی اتقن

کل شیٔ ۔ اس نے ہر شے کو مضبوط بنایا۔

حل لغات: المختار میں ہے اتقان الشئی بمعنی احکامہ ۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اللہ تعالٰی نے ہر شے کو مضبوط کر کے بنایا اور اسے اسی طرح سنگارا جیسے اسے سنگارنا چاہیئے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں ان افعال کے عظیم شان پر تنبیہہ کی گئی ہے اور تاکید ہے کہ اس کے نظام میں کسی قسم کا خلل نہیں بلکہ اس کا ہر معاملہ مضبوط ہے اور نہ ہی اس کے فساد اور خراب ہونے کا امکان ہے ہر شے جو اس کی تیار کردہ ہے بہتر ہے اور مضبوط ہے کیونکہ اعلیٰ کاریگر کی تیار کردہ ہیں فلہذا ان میں خلل و فساد کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ انہ خبیر بما تفعلون ۔ اور وہ کام جو تم کرتے ہو انہیں وہ جانتا ہے کیونکہ وہ تمہارے ظواہر و بواطن جملہ امور سے باخبر ہے اسی لیے نفخ صور و دیگر افعال صرف تمہارے اعمال کی جزا کے لیے کئے ہوں گے چنانچہ فرمایا من جاء بالحسنۃ جو ایک نیکی لائے گا یعنی کلمہ شہادت و اخلاص ایک بار کہے گا کیونکہ یہی مطلقاً نیکیاں ہیں اور بہترین نیکی ہیں فلہ خیر منہا تو ان سے بھی بہتر اجر و ثواب ملے گا اس سے جنت مراد ہے ۔ خیر مطلق بھلائی مراد ہے کسی کی افضلیت کی طرف اشارہ نہیں کیونکہ بہشت لا الہ الا اللہ سے بہتر نہیں ۔ اگر خیر میں افضلیت مراد ہے تو کلمہ شہادت کے علاوہ کوئی اور نیکیاں مراد ہیں ۔ اب معنٰی یہ ہوگا کہ بندہ نیکی کرے گا تو اسے بہتر جزا ملے گی کہ خسیس سے اعلیٰ نعمت اور فانی سے باقی نصیب ہوگی اور ایک کے بجائے دس بلکہ سات سو ملیں گی۔ وھم اور وہ جو نیکی لائے ۔ من فزع ایسی بڑی گھبراہٹ میں ہوں گے کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔ یہ محاسبہ کے بعد وقت ہوگا کہ لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں ظاہر ہوں گی تو گھبرائیں گے ۔ اسی طرف اشارہ ہے لا یحزنہم الفزع الاکبر اور انہیں بہت بڑی گھبراہٹ پریشان نہ کرے گی۔

فائدہ: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ گھبراہٹ اس وقت ہوگی جب بندے کو جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

فائدہ: حضرت ابن جریج نے فرمایا یہ گھبراہٹ اس وقت ہوگی جب موت کو ذبح کر کے اعلان کیا جائے گا کہ اے بہشتیو! ہمیشہ بہشت میں رہو اب موت نہیں آئے گی ۔ ایسے ہی دوزخیوں کو اعلان ہوگا ۔ یومئذ اس دن جبکہ نفخ صور ہوگا۔ آمنون امن والے ہوں گے وہ ہولناک گھبراہٹ ان کا کچھ نہیں کر سکے گی اور نہ ہی انہیں کوئی نقصان پہنچے گا ۔ ہاں وہ گھبراہٹ جو تمام زمین و آسمان والوں کو (باستثنائے مخصوص حضرات) ہوگی تو وہ طبعی طور پر ہوتی ہے کیونکہ جب ایسے ڈراونے اور ہولناک واقعات ہوں گے تو انسان فطرۃً گھبراتا ہے ۔ لیکن انہیں ہوگا کچھ نہیں ۔

وَمَن جاءَ بالسیئۃ اور وہ جو برائی لائے گا یعنی شرک جو تمام برائیوں کا سر ہے فکبت وجوھھم فی النار۔ تو اوندھے منہ جہنم میں پھینکا جائے گا۔ الکب بمعنی شے منہ کے بل گرانا اور وہ جہنم میں اوندھے منہ کے بل گرائے جائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وجوہ سے ان کے نفوس مراد ہیں جیسے آیت ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ میں ہاتھوں سے نفوس مراد ہیں کیونکہ اہل عرب ہاتھ۔ پاؤں۔ گردن۔ چہرہ۔ سر بول کر تمام بدن مراد لیتے ہیں۔ ھل تجزون یہ التفات ہے یا یہاں قول محذوف ہے۔ یعنی انہیں کہا جائے گا کہ کیا تم جزا نہیں دیئے جا رہے۔ الا ما کنتم تعملون۔ مگر وہ جو تم عمل کرتے رہے یعنی یہ شرک وغیرہ کی سزا ہے۔

حدیث شریف نمبر (۱)

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں ایمان اور شرک دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ایمان کو فرمائے گا تم اپنوں کو بہشت میں لے جا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا من جاء بالحسنۃ الی قولہ تعالیٰ "فی النار"

حدیث شریف نمبر (۲)

حدیث شریف میں ہے کہ لا الہ الا اللہ بہشت کی چابی ہے لیکن چابی کے لیے دندانے ضروری ہیں، تا کہ دروازہ کھولا جائے۔ اس کے دندانے زبان ذکر کرنے والی جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو اور اعضاء جو عبادتِ الٰہی میں مشغول اور گناہوں سے پاک ہوں۔ اور پیٹ جو حرام اور شبہات سے پاک ہو

حکایت: حضرت ابو عبداللہ جدلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا اے ابو عبداللہ میں تمہیں نیکی کی خبر نہ دوں جو بہشت کے داخلے کا موجب ہو اور برائی کی خبر نہ دوں جو دوزخ میں لے جائے میں نے عرض کی ضرور بتایئے۔ آپ نے فرمایا نیکی ہماری محبت اور برائی ہمارا بغض ہے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نیکی کی طلب کی آیت ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ الخ میں رہبری فرمائی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اعضاء کو عبادتِ الٰہی و شرع کے احکام کا پابند کرے جیسے طریقت کے آداب میں لیکن ارباب حقیقت کی تربیت سے یہ دنیا کی حسنہ ہے اور آخرت کی حسنہ یہ ہے کہ عالم حقیقیہ سے ہو اور پورے طور منتفع وہی لوگ ہیں انہیں گھبراہٹ نہ ہوگی اور انہیں دنیا میں حب کی فزع نصیب

ہوگی۔ فرزعِ عقبیٰ میں ان کا محاسبہ ہوگا اور جو حب دنیا لائے گا تو اسے نارِ قطیعت میں اوندھا ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا هل تجزون الا ما كنتم تعملون۔ یعنی یہ سزا انہیں دنیا کی طلب کی وجہ سے ہے کیونکہ حب دنیا ہی جہنم میں اوندھے ڈالے جانے کا سبب ہے جو اس کے پیچھے پڑا وہ دوزخ میں گرے گا۔

اگر خواہی خلاص از نارِ فرقت
مدہ دل را بجز عشق و محبت

ترجمہ: اگر تم نارِ فرقت سے چھٹکارا چاہتے ہو تو سوائے عشق و محبت کے دل کسی کو نہ دو۔

تفسیر عالمانہ: انما امرت ان اعبد رب هذا البلدة التی حرمها۔ بیشک میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں اسی شہر والے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت بخشی ہے۔

حل لغات: العبادة بمعنی انتہائی عاجزی اور البلدة وہ جگہ جس کے حدود اور مختلف کنارے ہوں اور اس میں لوگ اقامت رکھتے ہوں اس میں باعتبار اکثر کے اسے بلدة کہا جاتا ہے یہاں پر بلدہ سے مکہ معظمہ مراد ہے۔ اپنی طرف مضاف کرنے میں اس کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے اور تعظیم و تکریم ایسی اضافت سے ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے ناقۃ اللہ و بیت اللہ اور شہر اللہ (ایسے ہی کہہ سکتے ہو (محمد نور اللہ) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

نکتہ: مکہ معظمہ کو اپنی طرف منسوب کیا حالانکہ تمام بلاد (شہر) اسی کے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین سمجھیں کہ واقعی اس شہر کی سکونت ہمارے لیے بڑی نعمت ہے تو پھر ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے مالک کی عبادت کریں۔

ترکیب: رب موصوف الذی اس کی صفت ہے۔ التحریم بمعنی کسی شے کو حرام یعنی ممنوع قرار دینا اور حکم دینا کہ اس کی تعظیم و تکریم چاہیئے۔ یہ اس کی بار بار بزرگی کے اظہار کے قبیل سے ہے یعنی یہ وہ شہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہتک کرنے سے روکتا ہے اور حکم فرماتا ہے کہ نہ ہی اس کا گھاس کاٹا جائے اور نہ کانٹے اور نہ کھیتی اور نہ ہی اس کے شکار کو بھگایا جائے۔ اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی بے دینی پھیلائی جائے۔

حدیث شریف: مکہ معظمہ وہ حرم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہی حرام فرمایا ہے لوگوں نے حرام نہیں کیا، یعنی اس کی تحریم حکم سماوی شرعی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ہے۔ لوگوں کے اس میں اجتہاد شرعی کو کوئی دخل نہیں۔

ازالۂ وہم: ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ بیشک مکہ معظمہ کو ابراہیم علیہ السلام نے حرم بنایا ہے الخ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کی حرمت کا اظہار ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہے یا انہوں نے اس کے حرم ہونے کی دعا فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دائمی حرم بنا دیا۔ اب

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو فرما دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں کہ عبادت کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کو خاص کروں اس میں کسی کو شریک بناؤں فاذا ثبت ذالک تو کہو کہ اسی میں تمہاری عزت و شرافت ہے غیروں کی پرستش چھوڑ دو اور نہ ہی کسی کو اس کا شریک بناؤ کہ اسی نے تمہیں اس نے اپنے شہر مکہ میں ٹھہرا کر عزت بخشی ہے اس سے بڑھ کر اور بڑی نعمت کیا ہو گی۔

فائدہ: بعض نے فرمایا کہ عبادت انبیاء و اولیاء کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے۔ **ولہ** اور اسی پروردگار اور اسی شہر کے مالک کی ہے۔ کل شیءٍ ہر شے از روئے تخلیق و ملک و تصرف کے اس کا کوئی شریک نہیں اس میں تنبیہ ہے کہ صرف کعبہ کو اپنی طرف منسوب کرنا تفخیم شان کے لیے ہے ورنہ اس کی ربوبیت تو جملہ کائنات و موجودات کے لیے ہے۔ ع

صنعتش کہ ہمہ جہاں بیار است

اس کی کاری گری ہے کہ اس نے تمام جہان کو سنگارا ہے۔

و امرت ان اکون من المسلمین۔ اور مامور ہوں کہ میں ہوں مسلمین میں یعنی توبہ کر کے ملتِ اسلام و توحید میں زندگی گزارنے والوں سے یا ہو جاؤں ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے چہرے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر لیے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جو اسلام کو شریعت میں استعمال کرے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظاہر کو شریعت پر ڈھالا اور مسلمان کا کمال اسی میں ہے اسی لیے ان کو **ان اکون من المسلمین** فرمایا۔ اگر اس کے بجائے **ان اکون من المومنین** فرماتے تو پھر کس کی مجال تھی کہ اس کا ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتا۔ یہ ایسے ہے جیسے انا اول المسلمین اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **صلوا کما رأیتمونی اصلی**۔ ایسے نماز پڑھو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ یعنی تمہاری ظاہری نماز کا بھی طریقہ ہو جیسے میرا ہے اگر فرماتے کہ اسی طرح نماز پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں تو پھر کس کی مجال تھی کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی نماز پڑھ سکے اس لیے کہ آپ جب نماز پڑھتے تو آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی آواز آتی ہے جیسے ہانڈی اُبلتی ہے اور نماز میں آپ جیسے آگے دیکھتے تھے ایسے ہی پیچھے **و ان اتلوا القراٰن**۔ اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں۔ **التلاوۃ** بمعنی پے در پے قرآن پڑھنا جیسے دراستہً اور مقرر کردہ وظائف پڑھنا اور القرأۃ التلاوۃ سے اعم ہے مثلاً کہا جاتا ہے **تلاہ** بمعنی تبعہ **متابعۃ**۔ یعنی اس کے پیچھے چلا ہے درمیان میں کوئی نہیں آیا جو اس کی جنس ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں مامور ہوں کہ قرآن کی تلاوت پر مواظبت کروں تاکہ اس کی تلاوت سے رفتہ رفتہ حقائق منکشف ہوں۔ اب یہ تجربہ شاہد ہے کہ عالم دین جب اس کی تلاوت میں غور و

غوص کرے تو اسے قرآن مجید سے نئے انکشاف ہوتے ہیں اور ایسے عجیب وغریب معانی ذہن پر اترتے ہیں جو اسے اس سے پہلے پوشیدہ اور مخفی تھے یہی وجہ ہے علماء حکماء اس کی تلاوت سے سیر نہیں ہوتے یہی راز ہے کہ علماء و حکماء کا آخری ورد قرآن مجید ہے اور عارفین کو سب سے پہلے متعلق الآفاق منکشف ہوتے ہیں اُس کے بعد حقائق الانفس اس کے بعد حقائق القرآن۔

سبق:۔ سالک پر لازم ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں ناغہ نہ کرے اس کی تلاوت میں طالبعلموں کی طرح دلچسپی لے۔

جاہل صوفیوں کا ردّ

بعض جہال صوفیہ کہتے ہیں کہ ہمیں تلاوتِ قرآن مجید کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ہم ایسے ورد میں مشغول ہیں جو اس سے اہم ہے۔ یہ ان کا جھوٹ ہے کیونکہ قرآن مجید تو دنیا میں ہر علم کا اصل اور مادہ ہے۔

مسئلہ:۔ پڑھنے والے کو چاہیئے کہ تلاوت قرآن مجید جہر سے کرے اور جس آیت کو پڑھے اُس پر انگلی رکھے اس کے بعد زبان پر لائے تاکہ زبان سے اور ہاتھ سے اور آنکھ سے حظ پائے۔ (اور ہر ایک شے کی علیحدہ علیحدہ عبادت نصیب ہو)۔

نکتہ: قرآن مجید کا سننا سباح ملائکہ کا بہترین رزق ہے بلکہ ان کا بلند و بالا رزق یہی سماع القرآن ہے۔

مسئلہ:۔ جو شخص اسے پڑھ نہیں سکتا تو اسے چاہیئے کہ علم والوں کی مجلس میں بیٹھے کیونکہ ارواح کی بہترین غذا علم ہے۔ علم سے قرآن مراد ہے نہ کہ فلسفہ منطق یا دیگر فنون دنیویہ۔

مسئلہ:۔ کان کی طہارت باطنہ جو قول حسن کے سننے سے نصیب ہوتی ہے وہ یہی ذکر اللہ ہے لیکن ذکر اللہ کا اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا سننا ہے کہ اس میں دونوں مقاصد موجود ہیں۔ ایک کلام اللہ کے الفاظ دوسرا اس میں تذکیر و موعظت اور وہ واقعات اور قصص جو اس میں مذکور ہیں اور ان کے حالات اور کفر کے بیانات اور ان کی عبرت ناک سزائیں۔

مسئلہ:۔ قاری جب پڑھتا ہے تو حروف جو اس کے منہ سے نکلتے ہیں وہ ذکر الٰہی میں داخل ہیں اس لیے کہ قرآن سے ہی پڑھ رہا ہے بخلاف اس کے کہ وہی اقوال اگر کافروں سے سن کر نقل کرے تو وہ ذکر الٰہی نہیں۔ اگرچہ مضمون بھی ایک ہے اور الفاظ بھی ایک (کذا فی الفتوحات)

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن مجید ہے۔ تلاوت کے وقت غور کرو تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی صفت بیان فرمائی ہے تو پھر تمھارے لیے لازم ہے کہ تم بھی وہی صفت اپناؤ اور اس پر مداومت کرو اور ہر وہ صفت جس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے اس سے بچو اور پختہ ارادہ کر لو کہ اسے ہرگز عمل میں نہیں لائیں گے اس لیے کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ یا اس پر عمل کرو اور جو نہ کرنے والے اعمال ہیں انہیں چھوڑ دو۔ جب تم قرآن مجید کو اسی نیت پر پڑھو کہ اس پر عمل کریں گے تو کامل انسان ہو۔

فمن اھتدی پس جو اس کی اتباع میں ہدایت پاتا یعنی نیکی کرتا اور اسلام لاتا اور تلاوت کرتا ہے۔ **فانما یھتدی لنفسہ** تو وہ اپنے لیے ہدایت پاتا ہے اس لیے کہ اس کے منافع اسی کی طرف عائد ہوں گے نہ کہ کسی دوسرے کو۔ **ومن ضل** اور وہ جو گمراہ ہے یعنی میری مخالفت کر کے گمراہ ہوتا ہے **فقل** تو اسے فرمایئے **انما انا من المنذرین**۔ بیشک میں ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اس کے بعد آپ اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوں یعنی اس کا مجھ پر کوئی مواخذہ نہیں۔

فائدہ: مذکورہ بالا مضمون کا مطلب یہ ہے کہ آپ تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی بتکرار دعوت کے طور پر کرو تو جو ہدایت پاتا ہے یعنی ایمان لاتا ہے اور شرک سے بچتا ہے تو اس کا اپنا فائدہ ہے وہ جو گمراہ ہوتا ہے یعنی کفر میں مبتلا ہوتا ہے اور قرآن سے اعراض کرتا ہے تو اس کا اپنا نقصان ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نور ایمان کو معدن قلب انسانی میں ہدایت و ضلالت کی تربیت کرتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے سورج کی روشنی سونے و چاندی اور لوہے کے معادن کی تربیت کرتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا**۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لوگ سونے و چاندی کے معادن کی طرح ہیں۔

تفسیر عالمانہ: **وقل الحمد للہ**۔ اور فرمایئے جملہ محامد اللہ تعالیٰ کو اس کی ان نعمتوں پر جو اس نے ہمیں عطا فرمائیں اور سب سے بڑی اس کی نعمت نبوت و قرآن ہے **سیریکم ایاتہ فتعرفونھا**۔ عنقریب تمھیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو پھر تم انہیں پہچانو گے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور مقاتل نے فرمایا کہ چند دنوں میں تمھیں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو مرنے سے پہلے گناہوں سے توبہ کر کے اس کی نشانیوں کے دیکھنے کا اہل ہوا اور بدقسمت ہے وہ جو وقت نکل جانے پر بھی نہ سدھر سکا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا۔

۱۔ کنوں باید اے خفتہ بیدار بود چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود
۲۔ تو غافل در اندیشۂ سود و مال کہ سرمایۂ عمر شد پائمال
۳۔ گرت چشم عقلست وتدبیر گور کنوں کن کہ چشمت نخور دست مور
۴۔ کنوں گوش کاب از کمر در گزشت نہ وقتیکہ سیلاب از سر گزشت
۵۔ سکندر کہ بر عالمے حکم داشت دراں دم کہ بگذشت عالم گزاشت
۶۔ میسر نہ بودش کزو عالمے ستانند و مہلت دہندش دمے

ترجمہ

۱۔ اے سونے والو ابھی بیداری چاہیئے۔ جب موت آئے گی تو پھر بیداری از خواب کا کیا فائدہ۔
۲۔ تو نفع اور مال اندوزی کے فکر میں غافل ہے یہاں تک کہ عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔
۳۔ اگر تجھے عقل کی چشم اور قبر کی تدبیر نصیب ہے۔ ابھی سے تیار ہو جا نہ اُس وقت جبکہ تیری آنکھیں چیونٹیاں کھائیں۔
۴۔ ابھی سے تیاری کر کہ ابھی پانی کمر تک پہنچا ہے نہ اُس وقت کہ سر سے اُوپر پانی آجائے۔
۵۔ وہ سکندر کہ تمام دنیا پر حکومت کرتا تھا۔ جب دنیا سے گیا تو سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا۔
۶۔ اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا کہ اسے کچھ نصیب ہوتا یا اسے مہلت ملتی۔

وما ربك بغافل عمّا تعملون۔ اور نہیں تمہارا پروردگار غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان جاری ہوا ہے تاکہ پیچھے بیان کردہ وعدہ وعید کی تاکید ہو جائے جیسا کہ اضافت رب الی النبی اور پہلے خطاب خاص پھر خطاب عام سے معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی علیہ السلام جو تم نیکیاں کرتے ہو اور اے کافرو تم برائیاں کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں کیونکہ غفلت سہو سے ہوتی ہے اور سہو قلت حفظ کی وجہ سے اور قلّت حفظ کمزوری کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام عجزوں اور کمزوریوں سے منزہ اور پاک ہے بہر حال وہ تمہارے کردار کی جزا و سزا ضرور دے گا اور اسے غفلت ہو تو کیوں جبکہ اس نے تمھیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال بھی اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے درخت پیدا کر کے اس کے ثمرات اس میں پیدا فرمائے تو پھر اس سے اہل سعادت و شقاوۃ کا حال کیسے مخفی ہو ہاں مہلت دینا مبنی بر حکمت ہے اسے غفلت پر محمول نہ کرو اور نہ ہی نسیان سمجھو کیونکہ غفلت تو اسے ہے جو کسی وجہ سے متنبہ نہیں ہوتا اور اس کی نافرمانی کرتا اور شرک میں مبتلا ہوتا اور بڑے بڑے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے اور امراض قلبیہ میں سے بڑا مرض نسیان ہے جو اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتا ہے اور علاج بالضد اچھا ہے اور وہ ذکر الٰہی ہے۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنی سلطنت سے بہت خوش ہوا۔ تو خواب میں دیکھا کہ کسی

نے اسے ایک خط دیا جس پر لکھا تھا۔ فانی کو باقی پر ترجیح نہ دو اور نہ ہی اپنی شاہی سے دھوکہ کھاؤ جس شاہی میں گزار رہے ہو تو بہتر ہے لیکن ہے ٹلنے والی تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ اس کا حکم ہے وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ ۔ اور اپنے رب کی مغفرت وجنت کی طرف چلا کرو۔ یہ خواب دیکھ کر گھبرایا ہوا اُٹھا اور سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے پند ونصیحت ہے۔ اس پر تائب ہوئے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھر اعمال کی طرف متوجہ ہوئے اور گزشتہ زندگی کی غلطیوں کی معافی چاہی اور جو کچھ بُرے کام سرزد ہوئے اُس کی تلافی چاہی اور سستی وغفلت پر ندامت کا اظہار کیا ۔ براحتے نرسد آنکہ زحمتے نکشید ۔

”وہ راحت ہرگز نہ پائے گا جب تک دکھ نہ اُٹھائے گا“

ھم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں دین کے جدوجہد کرنے والوں سے بنائے یہاں تک کہ یقین کی دولت نصیب ہو اور ان کوشش کرنے والوں سے بنائے جو وصول حق کے راستہ کے متلاشی ہیں اور اس کی خاص توفیق کی دعا ہے

صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سورہ نمل کی تفسیر منگل کے روز ۴ محرم الحرام ۱۰۱۹ھ میں ختم ہوئی

فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے ترجمہ سے بروز ایمان افروز سوموار مبارک ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۸۳ء میں فراغت پائی۔

فللہ الحمد علیٰ ذالک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ و اہل بیتہ وعترتہ واولیاء اُمتہ اجمعین

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

مورخہ ۱۹/۲/۸۳ و ۲۹/۴/۱۴۰۳ھ

آیاتہا ۸۸ ۲۸ سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۴۹ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ

اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ
الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ
نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى
الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا
مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ
مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ
فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ
اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗ
اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ
فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝
وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ
لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا
وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى
فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا
عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَتْ
لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ۙ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ
مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ

يُكَفِّلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

ترجمہ

یہ روشن کتاب کی آیات ہیں ہم تم پر موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کی سچی خبر پڑھتے ہیں ایمان دار لوگوں کے لیے بیشک فرعون زمین پر غلبہ پاگیا تھا اور اس کے باشندوں کو اپنے تابع بنایا ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا۔ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا اور اُن کی بچیوں کو زندہ چھوڑتا۔ بیشک وہ فسادیوں سے تھا اور ہمارا ارادہ تھا کہ ہم ان کمزور لوگوں پر احسان فرمائیں اور انھیں مقتدا بنائیں اور انھیں زمین کا قبضہ دیں اور فرعون اور ہامان اُن کے فرمانبرداروں کو وہی دکھائیں جو ان کی طرف سے وہ بچاؤ کر رہے تھے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلاؤ پھر جب اس کے متعلق تجھے کوئی خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر۔ بیشک ہم اسے تیری طرف پھر لوٹا دیں گے اور ہم اسے رسول بنائیں گے۔ تو اسے فرعون نے اُٹھالیا کہ وہ ان کا دشمن اور غم کا موجب ہو اور فرعون اور ہامان اور ان کے فرمانبردار خطا کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو شاید وہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے اور صبح کو موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کا دل بیقرار ہوگیا۔ بیشک قریب تھا کہ وہ اس کا حال ظاہر کر دیتی۔ اور اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے تاکہ ہو وہ ہمارے وعدہ پر یقین کرنے والی اس کی ماں نے اس کی بہن کو کہا کہ اس کا سراغ لگا۔ سو اس نے اسے دُور سے دیکھا اور وہ اس سے بے خبر تھے اور ہم نے اس پر پہلے سے ہی سب دائیاں حرام کر دیں تو وہ کہنے لگی کیا میں تمھیں ایسے گھر والوں کی رہبری نہ کروں جو اس بچہ کی تربیت کریں۔ اور وہ اس کے خیرخواہ ہیں سو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اسے جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر عالمانہ

سُورہ قصص مکیہ ہے تمام تفاسیر معتبرہ مطولہ و مختصرہ میں اس کی اٹھاسی آیات لکھی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طٰسٓمٓ: اس میں قسم کی طرف اشارہ ہے **طاء** سے اللہ تعالیٰ کی طویل بقاء اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طہارت قلبی کی قسم مراد ہے کہ اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے لو نہیں لگائی۔ اور اپنے

محبوب اولیا۔ کے اسرار کی طہارت کی قسم کہ اُنھوں نے سوائے اسی کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ **سین** سے اس کے اس سر (راز) کی قسم مراد ہے جو کہ اس کے اور اس کے محبوبوں کے درمیان ہے اور **میم** سے اس کی وہ منّت و احسان جو اس نے اپنی مخلوق کی حاجات کی کفایت کی ضمانت اپنے ذمۂ کرم لی۔ (التاویلات النجمیہ)

تفسیر صوفیانہ: **طا** ء میں طہارت نفوس عابدان از عبادت اغیار اور طہارت قلوب عارفان از تعظیم غیر جبار اور طہارت ارواح محبان از محبت ماسوٰی اور طہارت اسرار موحدان از شہود غیر خدا مراد ہے۔

فائدہ: حضرت سلمٰی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **سین** رموزِ الٰہی سے ایک ہے جو اس نے عاصیوں کے لیے نجات کا اور مطیعون کے لیے درجات کا اور محبّوں کے لیے دوامِ مناجات و مراعات، کا راز مخفی رکھا ہے۔

فائدہ: امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان حروف کو قرآن مجید کی محافظت کا سبب بنایا ہے کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ نقصان اس کا اشارہ "**وانا لہ لحافظون**" میں ہے۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی)

ان کے علاوہ اور بھی بکثرت اشارات سورۂ شعراء کے اوّل میں بیان ہوئے وہاں دیکھیے اور ان سے زائد اور کہیں نہیں ملیں گے اور اس کے مطالعہ کو غنیمت جانتے۔

تلك یہی سورۃ آیات الکتاب المبین "کتاب مبین کے آیات ہیں یعنی قرآن مجید کے مخصوص آیات جن کا اعجاز ظاہر ہے **نتلو علیك** تلاوت بمعنی پڑھنے میں پہلے حرف کے بعد دوسرے کو لانا یعنی ہم بواسطۂ جبریل علیہ السلام مسلسل قرأت کرتے ہیں اور جبریل علیہ السلام کا واسطہ اس لیے کہ پڑھتے وہی تھے **من نباء موسیٰ و فرعون** یہ نتلو کا مفعول ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی بعض خبریں جن کا شان یہ ہے کہ **بالحق** حق ہے یہ۔ **نتلوا** کے فاعل سے حال ہے بمعنی محققین "متلبسین بالحق" یعنی درآنحالیکہ تم حق و صدق سے متلبس ہو کہ اس میں کسی قسم کا جھوٹ نہیں ہے۔ **لقوم یؤمنون** ایسی قوم کے لیے جو ایمان دار ہے۔ یہ **نتلوا** کے متعلق ہے اور اہلِ ایمان کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہی اس سے نفع پاتے ہیں۔ اگرچہ اس سے انتفاع ہر ایک پاتا ہے اور یہ ہر ایک کے لیے بیان ہے۔ اگلا جملہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا حال کیسا تھا اس کے جواب میں فرمایا کہ **ان فرعون علا فی الارض** یہ جملہ متانفہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی بعض خبر کو بیان کرتا ہے اور حرف تحقیق یعنی لفظ ان سے شروع کرنے میں مابعد کے مضمون کو موکد کرنا مطلوب ہے اور **العلو** بمعنی الارتفاع ہے یعنی بلند ہونا اور سرکشی کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ فرعون نے ملک مصر میں سرکشی کی اور ظلم و عدوان کی حد میں تجاوز کیا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ فرعون اپنے مرتبہ و عہدہ سے آگے بڑھا اور حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا

کہ اس نے ایسا دعویٰ کیا جس کے وہ لائق نہیں تھا **وجعل اھلھا** اور بنایا اس کے اہل کو یعنی **قبطیون** اور **سبطیون** کو بنایا۔ **شیعا** گروہ مختلف۔

فائدہ: شیعًا شیعۃ کی جمع ہے اور شیعہ اس گروہ کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کو تقویت پہنچے اور وہ اس کی اعانت کے لیے علاقوں میں پھیل جائیں اس لیے **شیاع** بمعنی انتشار اور تقویت آتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ **شاع الحدیث** بمعنی کثر وقوی اور کہا جاتا ہے **شاع القوم** بمعنی **انتشروا و کثروا**۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ فرعون کے لیے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ہر برائی و بھلائی میں اسی کا اتباع کرتے اور مختلف مختلف گروہ ہو کر اس کے مختلف اُمور میں لگے ہوئے تھے مثلاً کوئی کھیتی باڑی کوئی تعمیرات میں کوئی کنوئیں کھودنے میں وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بڑے بڑے اُمور شاقہ فرعون کی خاطر سرانجام دیتے اور جو اس کا کام نہ کرتا اسے جزیہ ادا کرنا لازم ہوتا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ قبطی اس کے مکرم ترین گروہ میں سے تھے **یستضعف** الاستضعاف بمعنی کسی کو ضعیف اور ناکارہ سمجھنا یعنی فرعون نے انھیں ذلیل کیا اور مغلوب بنایا۔ **طائفۃ منھم** ان میں سے ایک گروہ کو اور یہ **جعل** کے فاعل سے حال ہے اور **طائفۃ** سے بنی اسرائیل مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ فرعون کی ایذاؤں و تکلیفوں کو دفع کرنے سے ضعیف اور عاجز تھے۔ **یذبح ابناءھم و یستحی نساءھم** یہ جملہ مذکورہ سے بدل ہے **الذبح** بمعنی حیوان کا گلا چیرنا اور باب تفعیل تکثیر کے لیے ہے۔ **استحیاء** بمعنی استبقاء ہے یعنی وہ بنی اسرائیل کو مسلسل یکے بعد دیگرے قتل کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے بنی اسرائیل کے نوے ہزار بچے قتل کرائے اور لڑکیوں کو قتل نہیں کراتا تھا تاکہ وہ اس کی خدمتگاری کے لیے زندہ رہیں۔

قتل اَبنَاء کی وجہ

منقول ہے کہ فرعون کو کسی کاہن نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرا ملک چھین لے گا دراصل یہ اُس کی حماقت تھی اس لیے کہ اگر کاہن کا قول سچا تھا تو وہ ہو کر رہتا اگر جھوٹا تھا تو اس کا کچھ نہ بگڑتا۔

ابن صیّاد کا واقعہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے چند لڑکوں کے ساتھ ہمارا گزر ہوا ان میں ابن صیاد بھی تھا اور اُس وقت وہ قریب البلوغ معلوم ہوتا تھا اسے رسول اللہ صلی اللہ

۱ۂ بمعنی پھیل گئے اور بہت ہو گئے

علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اُس نے کہا نہیں بلکہ آپ گواہی دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں . میں نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اجازت ہو تو میں اسے قتل کر دوں اس لیے کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہی دجال ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی یہ ابن صیاد وہی دجال ہے تو میں اس پر مسلط نہیں ہو سکتا اور تجھے اس کے قتل کرنے کی قدرت نہیں ۔ اس لیے کہ اُسے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا کر قتل کریں گے ۔ اگر یہ وہی دجال نہیں تو تجھے اس کے قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ **انہ کان من المفسدین** ۔ بیشک تھا وہ فساد ڈالنے والوں میں سے یعنی فساد ڈالنے میں وہ بڑا راسخ تھا اسی لیے اس نے بہت سے بے گناہ مخلوق کو قتل کرنے کی جرأت کی ۔ **ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض** اور ہم نے ارادہ کیا کہ زمین کے رہنے والے کمزور لوگوں پر منت لگائیں یعنی انھیں اس کی ایذا سے نجات دے کر ان لوگوں پر احسان کریں یہ مضارع ماضی کی حال حکایت اور اس کا **ان فرعون علا** پر عطف ہے ۔ کیونکہ ان دونوں کو آپس میں مناسبت ہے اور وجہ مناسبت یہی ہے کہ یہ ہر دونوں موسیٰ علیہ السلام و فرعون کی خبر کی تفسیر واقع ہوئے ہیں ۔

فائدہ: نمن منّ سے مشتق ہے بمعنی کسی کو کوئی شے عطا کرنا اور اللہ تعالیٰ **المنّان** اسی معنی پر ہے کہ وہ بلاعوض اور بلا طلب ابتداءً ہر ایک کو عطا فرماتا ہے **ونجعلھم ائمۃ** یہ امام کی جمع ہے جس کی اقتداء کی جائے اسے امام کہتے ہیں یعنی ہم انھیں دینی اُمور میں مقتدا بنائیں ۔ اگرچہ اس وقت وہ دوسروں کے تابع اور اُن کے زیرِ حکم تھے ۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں پر **ائمۃ** بمعنی انبیاء ہے اس لیے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بنی اسرائیل کا ایک ہزار انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں **ونجعلھم الوارثین** اور ہم انھیں فرعون اور اس کی قوم کا وارث بنائیں ۔

سوال: وراثت کو امامت سے کیوں مؤخر کیا گیا ہے حالانکہ نہیں وراثت امامت سے پہلے حاصل ہوئی ۔

جواب: چونکہ وراثت امامت سے درجہ میں بہت کم ہے اسی لیے پہلے اعلیٰ کا ذکر ہوا بعد ازاں ادنیٰ کا ۔ **ونمکن لھم فی الارض** کسی شے کے لیے ایسا مکان مقرر کرنا جس میں اسے ہر طرح کی قدرت حاصل ہو پھر اسے مطلقاً تسلیط کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے مصر و شام کے علاقوں پر انھیں مسلط کیا تاکہ وہ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں ۔ **ونری فرعون و ھامان** اور ہم دکھائیں فرعون و ہامان کو اس سے **ھامان** فرعون کا وزیر مراد ہے ۔ **وجنودھما** اور ان دونوں کا لشکر **منھم** ان کمزوروں میں سے **ما کانوا یحذرون**

وہ جو ڈر کھاتے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح فرعون کے ہاتھ سے ملک نکل جائے اور وہ انہی کے نومولود لڑکے سے تباہ و برباد ہو۔

الحذر خطرے بھری شے سے ڈرنا۔ کذا فی المفردات)

فائدہ: حضرت کاشفی نے فرمایا یہ اُس وقت کی بات ہے جب اُنھوں نے فرعون کی دریا میں غرق ہونے کی علامت دیکھی تو بنی اسرائیل بغلیں بجاتے ہوئے دریا کے کنارے فرعون کے غرق ہونے کی کیفیت دیکھنے آتے جب اُنہیں فرعون اور اُس کے لشکر کے غرق ہوجانے کا یقین ہوگیا تو کہا کہ ظلم و تعدی کا یہی انجام ہے اور بیچارگان اور مظلوموں کی آہ کام کر گئی اور ظالم مقہور و مغلوب ہوا اور مظلوم غالب اور سرفراز ہوئے اور یوم المظلوم علی الظالم اشد من یوم الظالم یعنی ظالم سے مظلوم پر ظلم کرنے کی جزا کا دن ظالم کا مظلوم پر ظلم کرنے کے ایام سے زیادہ سخت ہوتا ہے) کا راز ظاہر ہوا۔ ؎

اے ستمگار بر اندیش ازاں روز سیاہ
کہ ترا شومیٔ ظلم افگند از چاہ بچاہ
آنکہ اکنوں بحقارت نگری جانب وے
بشماتت کند آنروز بسوئے تو نگاہ

ترجمہ: اے ظالم اس سیاہ دن کا فکر کر۔ جبکہ تجھے ظلم کی نحوست اندھے کنوئیں میں لے جائے گی جسے تو آج حقارت سے دیکھتا ہے۔ اس دن وہ گالی دیتا ہوا تجھے دیکھے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) خبر یافت گردن کشی در عراق — کہ می گفت مسکینے زیر طاق
(۲) تو ہم بر درے ہستی اُمیدوار — پس اُمید بر در نشینان بر آر
(۳) نخواہی کہ باشد دلت دردمند — دل دردمندان بر آور زبند
(۴) پریشانیٔ خاطر داد خواہ — براندازد از مملکت پادشاہ
(۵) تحمل کن اے ناتواں از قوی — کہ روزے توانا ترازوے شوی
(۶) لب خشک مظلوم را گو بخند — کہ دندان ظالم بخواہند کند

ترجمہ: ایک ظالم نے عراق میں کسی مسکین سے سنا طاق کے نیچے کہہ رہا تھا

(۲) تو بھی کسی کے دروازہ کا اُمیدوار ہے اسی لیے در پر آنے والوں کی اُمیدیں پوری کر۔

(۳) اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل دردمند نہ ہو تو دردمندوں کے دل قید سے یعنی دُکھ سے باہر لا۔

(۴) انصاف چاہنے والے کے دل کی پریشانی بادشاہ کو بادشاہی سے دور پھینکتی ہے۔

(۵) قوی سے اے ضعیف مت گھبرا بلکہ حوصلہ کر کیونکہ ایک دن ایسا ہوگا کہ تو اس سے بھی زیادہ طاقتور ہوگا۔

(۶) مظلوم کے خشک لبوں کو کہو کہ ہنسو کہ انشاء اللہ عنقریب ظالم کے دانت اکھڑ جائیں گے یعنی وہ تباہ و برباد ہوگا۔

لطیفہ: ظلم کا انجام یہ ہے کہ وہ ظالم سے بدلہ بھی لیتا ہے اور اس سے نعمتیں بھی چھین لیتا ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ دو دعائیں ہیں جن میں سے ایک کی اُمید قبولیت رکھتا ہوں اور دوسری سے سخت خوف۔

(۱) وہ دُعا جو مظلوم کی اعانت کے بعد نصیب ہو۔

(۲) وہ دُعا جو کمزور پر ظلم کروں اور میرے لیے بددُعا کرے ؎

۱۔ نخفتہ است مظلوم از آہش بترس
زدو دل صبح گاہش بترس

۲۔ نہ ترسی کہ پاک اندرونے شبے
بر آرد ز سوز جگر یار بے

حدیث شریف: نیکیوں میں سے صلہ رحمی کا ثواب جلد تر حاصل ہوتا ہے اور برائیوں میں سے بغاوت کی سزا زود تر پہنچتی ہے۔

فائدہ: صفات نفس کا صفات رُوح پر غلبہ پانا بھی بغاوت میں شامل ہے جس نے نفس کی اعانت کی تو وہ مقہور و مغلوب ہوگا اگرچہ ایک مدت کے بعد سہی اسی طرح جو رُوح کی اعانت کرتا ہے تو وہ اہل تمکین اور دین کے آئمہ میں سے ہو کر رہے گا۔

واوحینا الی ام موسیٰ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا نام یارخا اور بعض کے نزدیک ایارخت (کذا فی التعریف للسہیلی) اور بعض کے نزدیک ان کا نام یوحانذ (بالنون) دیوحایذ (بالیاء) (کذا فی عین المعانی) یہ بی بی حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے لاوی کی اولاد سے تھیں۔

لفظ وحی کی تحقیق: دراصل وحی اشارۂ سریعہ کو کہا جاتا ہے اور وہ کلمات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی علیہ السلام کو القاء کئے جائیں وہ وحی ہے (کذا قال الامام الراغب) اس کی

کئی صورتیں ہیں :۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کو دیکھ کر اس کا کلام سُن کر پیغامِ الٰہی سُنا جائے جیسے جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک معین صورت میں حاضر ہوتے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا کلام براہِ راست سُننا لیکن ذاتِ حق کو دیکھا نہ جا سکے جیسے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ سُنا کرتے تھے۔

(۳) کلامِ الٰہی خیال میں ڈالا جائے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روح القدس **نفث فی روعی** کبھی لفظ وحی بمعنی الہام مستعمل ہوتا ہے جیسے **و اوحینا الی اُم موسیٰ** اور کبھی تسخیر کے معنی میں آتا ہے کماقال تعالیٰ ، **و اوحیٰ ربك الی النحل** اور وحی کبھی اچھے خواب کے ذریعے بھی حاصل ہوتی ہے جسے الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے : انقطع الوحی و بقیت المبشرات رؤیا المؤمن وحی منقطع ہوگئی لیکن بشرات بمعنی اہل ایمان کے خواب باقی نہیں۔ آیت ہذا میں وحی بمعنی الہام ہے (کذا ذکرہ الراغب) اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ام موسیٰ کے دل میں ڈالا اور انھیں بتایا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں وحی سے اچھا خواب یا ہدایت مراد ہے۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بی بی صاحبہ کے ہاں کوئی اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تشریف لایا ہو جیسے بی بی مریم کے ہاں جبریل علیہ السلام تشریف لائے تھے۔

مسئلہ : وحی نزول ملائکہ غیر نبی کے لیے ہوتا ہے چنانچہ بی بی مریم کے لیے فرشتے کی حاضری پر فرمایا و اذ قالت الملائکۃ یامریم (الآیۃ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا عجوبہ

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام والدہ ماجدہ کے بطنِ اطہر میں تشریف لائے تو بی بی صاحبہ سے حمل کے آثار محسوس نہیں ہوئے مثلاً نہ پیٹ پھولا اور نہ ہی رنگ بدلا اور نہ ہی دودھ ظاہر ہوا۔ یہ ایک راز تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا اور وجہ وہی تھی کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے بچوں کے مروانے کا خبط تھا اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے وہ تباہ و برباد ہو اور اس کے بعد بنی اسرائیل اس کی شاہی و سلطنت پر قابض ہوں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت مذکورہ بالا معجزات کے علاوہ یہ بھی تھا کہ جس وقت آپ پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ کے ساتھ نہ کوئی نگران تھا اور نہ ہی دایہ اور نہ ہی ان عورتوں کو معلوم ہو سکا جو بنی اسرائیل کے بچوں کی پیدائش کی خبر گیری پر مامور تھیں۔ غرضیکہ تمام لوگ اسی راز سے بے خبر تھے سوائے آپ کی اپنی بہن مریم نامی کے۔

ان بیہ مفسرہ ہے بمعنی ای ارضعیہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائی اور ان کی پرورش کرتی رہنے اور بتانا ہے کہ ان کا راز پوشیدہ رکھنے۔ کشف الاسرار میں ہے کہ جب تک اس پر مطابقہ فرعون کا خوف نہ ہو۔ فاذا خفت علیہ جب تم اس پر خوف محسوس کرو مثلاً جب ہمسائیگان کے رونے کو محسوس کرو۔ یعنی جب تم کو ہو کہ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت معلوم کر لی اور وہ اس کی خبر فرعون تک پہنچانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ فالقیہ فی الیم تو اسے دریا میں ڈال دینا اس سے دریائے نیل مراد ہے۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا خوف کرو اور اس کی تربیت اور پرورش نہ کر سکو تو پھر انھیں ہمارے ہاں سپرد کر دینا ہم خود ہی ان کی حفاظت اور تربیت کریں گے ولا تخافی پھر ان کے لیے تنگی اور شدت کا خوف نہ کرنا ولا تحزنی اور نہ ہی ان کی جدائی سے غم کرنا انا رادوہ الیك بیشک ہم انھیں عنقریب لطیف طریقہ سے تمھارے ہاں واپس کر دیں گے اور لطیف طریقہ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم ان کی جدائی تک ان کے متعلق مطمئن رہو گے۔ وجاعلوہ من المرسلین اور اسے ہم مرسلین سے بنانے والے ہیں یعنی ہم اسے نبوت سے مشرف فرمائیں گے۔ چنانچہ والدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو کم و بیش تین ماہ دودھ پلایا اور اس کے بعد فرعون کا اعلان ہوا کہ بنی اسرائیل کے بچوں کو چن چن کر قتل کر ڈالو۔ چنانچہ فرعون کے ملازمین نے بچوں کو تلاش کرنا شروع کیا تو بی بی صاحبہ نے موسیٰ علیہ السلام کو جو کالے تیل کی روغن کردہ لکڑی کے صندوق میں چھپا کر اسے کو بند کر کے رات کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ ایک درکھان حضرت عمران کا واقف کار تھا آپ نے حکم فرمایا کہ پانچ انگل کے برابر کا صندوق بنا دے اور وہ درکھان فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اس نے صندوق تیار کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا معجزہ

اس کے بعد اسے خیال گزرا کہ اگر اس بچے کا علم فرعون کو ہوا اور اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صندوق میں نے بنایا ہے تو مجھے سخت نقصان پہنچے گا اس لیے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون کو اطلاع دے لیکن اس کی زبان بولنے سے بند ہو گئی یہاں تک کہ گھر واپس لوٹا ——— پھر ارادہ ہوا کہ فرعون کو مطلع کرے۔ اس سے اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اس سے سمجھا کہ یہ بچہ وہی ہے جس کے متعلق جادوگروں نے خبر دی ہے اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھے بغیر ایمان لے آیا جس مومن کا ذکر قصہ فرعون و موسیٰ علیہ السلام میں قرآن مجید میں ہوا وہ یہی شخص ہے۔ والدہ موسیٰ علیہ السلام نے صندوق کو کالے تیل کا روغن لگا کر موسیٰ علیہ السلام کو سلا کر صندوق کو مضبوط کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔

فائدہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالے بغیر بھی ان کی حفاظت فرما سکتا تھا لیکن شانِ موسوی کا اظہار مطلوب تھا کہ دشمن کے ذریعے ان کی تربیت اور پرورش کرائی تاکہ معلوم ہو کہ اللہ کی قضاء و قدر غالب ہے اور فرعون اپنے دعویٰ میں کاذب ہے۔

جہد فرعون چو بے توفیق بود
ہر چہ او می دوخت آں تفتیق بود

ترجمہ: فرعون کی جد وجہد بے توفیق تھی جو کچھ وہ تجویز کرتا تھا بیکار تھی۔

عجوبۂ قدرت

فرعون کی اُس وقت صرف ایک لڑکی تھی اور وہی اسے تمام رعایا سے مکرم ترین تھی اور اسے برص کی بیماری تھی جس کے علاج سے تمام اطباء عاجز آ گئے۔ اسے کاہنوں نے کہا تھا کہ فلاں روز دریائے نیل میں ایک بچہ ملے گا اسی کے لعابِ دہن سے تیری بچی کو شفا ہوگی اُسی وقت مقرر پر فرعون اور اُس کی اہلیہ اور جملہ اعیان دولت دریا کے کنارے پر منتظر تھے کہ اچانک ایک صندوق نمودار ہوا۔ فرعون نے اُس کے پکڑنے کا حکم فرمایا کما قال **فالتقطہ اٰل فرعون** فاء فصیحیہ ہے اس کا عطف جملہ محذوفہ ہے **التقاط** بمعنی کسی شے کو طلب حاصل کرنا یعنی وہ جس کا کوئی محافظ نہ ہو پھر اس کے مالک کے لیے اعلان کرایا جائے اور لقیط وہ بچہ جس کا نسب معلوم نہ ہو اور عام راستوں اور بے حفاظت مقاموں میں پڑا مل جائے جسے فقر و فاقہ یا زنا کی وجہ سے عام راستوں پر گرا دیا جائے۔

مسئلہ: ایسے بچے کو اُٹھا لینا واجب ہے تاکہ ضائع نہ ہو جائے خواہ پانی سے ملے یا درندے کے آگے پڑا ہو مزید تفصیل کتب فقہ میں ہے اور آل الرجل انسان کے وہ مخصوص لوگ جن کے ہاں اس کے اُمور پہنچا وہ رشتہ دار ہوں یا صحبت کے ساتھی یا دینی دوست۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بی بی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈالا تو اسے فرعون والوں نے اُٹھایا یعنی فرعون والوں نے اپنی ضرورت اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کے ارادہ پر اُٹھایا **لیکون لھم عدوا و حزنا**۔ یہ لام علۃ و ارادہ کی نہیں بلکہ غایۃ وصیرورۃ کی ہے یعنی اُنہوں نے اس لیے نہیں اُٹھایا تھا کہ وہی موسیٰ علیہ السلام ان کے دشمن یا حزن کا سبب ہوں گے لیکن انجام بکار یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے دشمن اور غم و حزن کا سبب ثابت ہوئے۔ اسی معنیٰ پر وہ علت کی جگہ پر واقعہ ہوئی اور چونکہ اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا تو یہی اُٹھانا علت کے مشابہ ہو گیا کیونکہ دشمنی اور حزن کی غرض اسی سے مرتب ہوئی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے گھر والوں کی محبت اور بیٹا بنانا

اسی التقاط کے بعد ہوا اس کی مزید بحث علم بیان میں ہے۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علیٰ حزن کہنا اشارہ کرتا ہے کہ یہی ان کے حزن کے بہت زیادہ اور قوی ترین سبب ہے۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے دشمن ثابت ہوئے جو فرعون کی وجہ سے دریا میں غرق ہوئے اور حزن وغم کا سبب ان عورتوں کے لیے بنے جو ان کے تعلق میں تھیں۔ **ان فرعون و ھامان وجنودھما کانوا خاطئین** بے شک فرعون اور ہامان اور ان کا لشکر خطاکاروں سے تھے یعنی ان جملہ امور میں خطاکار تھے جن کو عمل میں لانا تھا یا عمل میں نہیں لاناتھا۔ اور انھوں نے یہ کوئی نئی بات نہیں کی کہ موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہزاروں کو قتل کرڈالا اور پھر اسے خود پالا اور خود ہی اسے جوان کیا اور جس بات سے وہ ڈرتے تھے وہی موسیٰ علیہ السلام سے ہوکر رہی یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کرشمے دکھایا کرتا ہے۔ ان کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ کوئی نیا معاملہ نہیں تھا۔

حل لغات

الخاطی ہر وہ انسان جو خطاء کا ارتکاب کرے حالانکہ اُسے معلوم ہو کہ یہ خطا ہے اور اسی کو خطا تام کہا جاتا ہے اور اسی خطاء پر انسان سے مواخذہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے خطئ الرجل یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو دینی معاملہ میں بھٹک جائے اور المخطی ہر وہ شخص جو بُرائی کا ارتکاب کرے لیکن اسے معلوم نہ ہو کہ یہ بُرائی ہے یعنی وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ نیکی کررہا ہے حالانکہ درحقیقت وہ بُرائی ہو مثلاً کہاجاتا ہے اخطاء الرجل فی کلامہ وامرہ یہ اُس شخص کے لیے بولتے ہیں جو پھسل جائے اور صحیح معاملہ پر نہ اُترے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بچپن کا معجزہ (۲)

جب اُنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تابوت کھولا اور موسیٰ علیہ السلام کی زیارت سے سب کے دل میں اُن کی محبت اُتر گئی اور فرعون کی لڑکی نے موسیٰ علیہ السلام کے لعاب دہن کو برص کے مقام پر لگایا تو وہ فوراً شفایاب ہوگئی۔

ع آمد طبیب درد بکلی علاج یافت

(ترجمہ) طبیب تشریف لایا اور فوراً آرام ہوگیا۔

وقالت امرأۃ فرعون اور فرعون کی عورت نے کہا۔ آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن الریان بن الولید مراد ہے یعنی یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون مصر کی اولاد سے تھی۔ بعض نے کہا کہ وہ بھی

بنی اسرائیل کی ایک فرد تھی۔ بعض نے کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تھی (حکاہ الشبلی) اور اپنے ہم زمان عورتوں سے بہتر تھی یعنی آسیہ نے فرعون سے اُس وقت کہا جب موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکالا گیا۔ قرۃ عین لی ولک یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا۔ یہ اس لیے کہا کہ جونہی اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکالا تو دیکھتے ہی ان دونوں یعنی فرعون اور آسیہ کا ان کے ساتھ پیار ہو گیا۔

فائدہ: کاشفی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا اس لیے کہ اسی سے ہماری لڑکی نے شفا پائی ہے۔ لفظ قرۃ کا کئی بار معنیٰ گزرا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جیسے آسیہ نے اپنے لیے قرۃ عین لی کہا اگر وہ فرعون کے لیے بھی کہتی تو جیسے اُسے دولت ایمان نصیب ہوئی ایسے ہی فرعون کو بھی نصیب ہوتی۔

لا تقتلوہ اسے قتل مت کرو۔ جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے استعمال کیا تاکہ فرعون بی بی صاحبہ کے ارادہ کی موافقت کرے۔ عسیٰ ان ینفعنا شاید کہ وہ ہمیں نفع پہنچائے اس لیے کہ یمن و برکت کی علامات اُن کے چہرے سے ٹپک رہی ہیں۔ وہ اس لیے کہ بی بی نے دیکھا کہ اُن کے لعابِ دہن سے اُس کی بچی برص کی لاعلاج بیماری سے شفا پا گئی ہے اور اُن کے انگوٹھے سے دودھ بہہ رہا ہے جسے وہ چوس رہے تھے اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور چمک رہا ہے جسے بی بی کے سوا کسی نے نہ دیکھا۔

انبیاء اور اولیاء کی عظمت

بعض مشائخ نے فرمایا کہ انبیاء اور اولیاء کے چہروں سے ذات و صفات کے انوار چمکتے رہتے ہیں جن سے مومن و کافر نفع پاتے ہیں اس لیے اُن کے ساتھ لذت حالیہ اور نقد ہوتی ہے لیکن اُن کے حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں۔

سبق: عاشق انبیاء اور اولیاء پر لازم ہے کہ وہ محبوبانِ خدا کے چہروں کے انوار کو یقین و ایمان سے دیکھے جیسے بی بی آسیہ نے دیکھا انہی حضرات کے لیے وارد ہے کہ من راٰھم ذکر اللہ جو انھیں دیکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ او نتخذہ ولدا یا ہم اسے منہ بولا بیٹا بنا لیں کیونکہ وہ اس کا اہل ہے اور ان کی اولاد نرینہ بھی نہیں تھی۔ وھم لا یشعرون یہ آلِ فرعون سے حال ہے اصل عبارت یوں تھی فالتقطہ اٰل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا الخ پھر فرعون کی اہلیہ نے کہا جو کچھ کہا وھم لا یشعرون درآنحالیکہ وہ نہیں سمجھتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو لقطہ کے طور لے جا کر اور اُن سے نفع کی اُمید رکھنے اور انھیں منہ بولا بیٹا بنانے میں عظیم خطاء کے مرتکب ہوئے۔

فائدہ: وان فرعون الخ جملہ معترضہ ہے جو دو معطوفوں کے درمیان میں اُن کی نظام کی تاکید کے لیے واقع ہوا ہے۔

عجوبہ برائے وہابیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر فرعون بدبخت بھی بی بی آسیہ کی طرح عسیٰ ان ینفعنا کہتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی نفع سے نوازتا لیکن ازلی بدبخت نے اپنی بدبختی سے ایسا کہنے سے انکار کر دیا معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے نفع باذنہ تعالیٰ کا عقیدہ اہل ایمان کا ہے اور اس سے انکار فرعون جیسے بدبختوں کا طریقہ کار ہے۔ "فافہم ولا تکن من الوہابیین"

فائدہ: مروی ہے کہ فرعون کے حاشیہ برداروں نے فرعون سے کہا یہی بچہ وہی معلوم ہوتا ہے جس کی تمہیں کاہنوں نے خبر دی ہے تیرے قتل کے خوف سے اسے دریا میں ڈالا گیا ہے یہ سن کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا لیکن بی بی آسیہ نے فرمایا یہ غلط ہے اس لیے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو بچوں کو بہت زیادہ پیار ہے وہ اپنے بچوں کو چھپا تو سکتی ہیں لیکن دریا میں ڈالنا نہیں جانتیں علاوہ ان کے ماں کب گوارہ کرتی ہے کہ وہ جیتے جاگتے بچے کو دریا میں ڈال دے اور پھر یہ بچہ بڑا ہے جو تیرے کاہنوں کی خبر دینے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اگر اس سے تجھے کوئی خطرہ ہے تو مجھے عطا کر دے میں خود اس کی تربیت کروں گی یہ اس لیے کہا کہ بچے میں نجات کے دلائل موجود ہیں۔ فرعون بی بی آسیہ کی اپیل پر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے باز آ گیا۔

لفظ موسیٰ کی وجہ تسمیہ

حضرت آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام موسیٰ رکھا وہ اس لیے کہ آپ کا صندوق پانی اور درخت کے درمیان میں پایا گیا اور ان کی لغت میں مو پانی کو کہا جاتا ہے اور شا شجر کو کثرت استعمال سے موشی کے بجائے موسیٰ پڑھا جانے لگا اور الف بصورت یاء لکھنا تفخیماً ہے)

صوفیانہ جامع تقریر

بحر الحقائق میں ہے کہ چونکہ قرآن ہادی اور رشد و ہدایت کا مرکز تصفیہ قلب اور توجہ الی اللہ و تزکیہ نفس اور نفس کو خواہشات سے روکنا اس کا اصل موضوع ہے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ احوال قلب و نفس کے مناسب ہے

اس لیے کہ موسیٰ (قلب) نے اپنے (ذکر) سے فرعون (نفس) اور اس کے لشکر کی کثرت کے باوجود غالب ہوا۔ اسی لیے ان کا قصہ قرآن مجید میں بار بار ہوا۔ علاوہ ازیں اس سے تفخیم شان بھی مطلوب ہے اور علم بیان کے قواعد کے مطابق بلاغت کا اظہار بھی اور جہاں تکرار ہوتا ہے وہاں چند زائد مضامین بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ تاکہ خالص تکرار کا الزام نہ ہو۔

شان محمدی در شان موسوی

دراصل موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تکرار اور ان کا بار بار ذکر ان کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ نہایت عظیم المرتبت بزرگ تھے لیکن یہ عظمت اور قدر و منزلت اسی لیے نصیب ہوئی کہ وہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر تھے اگر ان کو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب نہ ہوتی تو اتنا عظیم الشان مرتبہ حاصل نہ کرتے چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انھیں میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اور ہمارے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور قدر و منزلت اور شان و شوکت موسیٰ سے پہلے تھی چنانچہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کنت نبیا و آدم بین الماء والطین[1]۔ میں نبی تھا در آنحالیکہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے۔ باوجود ایں ہمہ انکسار اور تواضع کے طور پر فرماتے رہے انما انا بشر مثلکم اور موسیٰ علیہ السلام نے ایک بلند مرتبہ ملنے کے بعد اپنے مقام سے آگے بڑھنے کی کوشش کی کما قال ارنی انظر الیک انہیں جواب ملا: لن ترانی لیکن ہمارے نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان کو اور اونچا کیا اور فرمایا الم تر الی ربک لولاک لما خلقت الافلاک[2]۔ کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا بھی نہ کرتا۔

لطیفہ: عام عادت بھی ہے کہ جب کوئی تواضع و انکسار سے نہایت ہی کم مرتبہ کو اختیار کرے مثلاً جوتے اتارنے کی جگہ پر بیٹھے تو اسے اٹھا کر نہایت بلند و بالا مقام پر بٹھاتے ہیں۔

---

[1] اس حدیث کو بعض ناعاقبت اندیش موضوع کہہ دیتے ہیں اس کی توثیق میں فقیر اویسی غفرلہٗ نے ایک رسالہ لکھا بنام الحبل المتین فی توثیق کنت نبیا و آدم بین الماء والطین۔ (اویسی غفرلہٗ)

[2] اس مقدس روایت سے بھی یار لوگوں کو انکار ہے اس پر تبصرہ و تنقید فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر اویسی میں لکھی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ مکمل تواضع کرے تاکہ اس تواضع سے رب تعالیٰ کے دیدار سے بہرہ شاد ہو۔

فروتن بود ہوش مند گزیں   نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین

(ترجمہ) دانا کو عاجزی مرغوب ہے اس لیے میوہ سے بھری ہوئی شاخ ہی کو زمین پر رکھتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: و اصبح موسیٰ فواد اُم موسیٰ۔ اصبح بمعنی صاد اور الفواد بمعنی القلب ہے لیکن اسے فؤاد اس وقت کہا جائے گا جب اس سے تفؤد یعنی تحرق و توقد مطلوب ہو۔ (کذا فی المفردات) اس سے معلوم ہوا کہ فواد قلب کے لیے ایسے ہے جیسے قلب سینہ کے لیے یعنی فواد قلب کے وسط میں واقع ہے یعنی قلب کا وہ اندرونی حصہ جو عشق الٰہی وغیرہ سے جل کر راکھ ہو جائے بعض مشائخ نے فرمایا کہ سینہ نور الاسلام کا اور قلب نور الایقان کا اور فواد نور البرہان کا اور نفس معدن القہر والامتحان کا اور روح معدن الکشف والعیان کا اور سر لطائف البیان کا معدن ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل ہو گیا۔ فارغًا۔ الفراغ شغل کی نقیض ہے بمعنی خالی از عقل اور خالی از فہم اس لیے کہ اسے خوف اور حیرت چھا گئی جب سُنا کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور یہ معنیٰ ہم نے اس لیے کیا کہ لفظ رابط جو آگے آرہا ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں صحابہ کرام کے لیے ربط قلب بھی اسی معنی پر کہا گیا ہے کما قال۔ و یربط علیٰ قلوبکم اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر فرمایا ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین الخ یہاں بھی ایسے ہوا کہ صحابہ کرام حیرت کی وجہ سے ان کے قلوب خالی الفہم والعقل ہونے لگے تھے ان کادت۔ ان تحقیقیہ ہے یعنی بیشک قصہ یہ ہے کہ ضعف بشریت اور فرط اضطراب سے قریب تھی کہ لتبدی بہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہہ بیٹھتیں کہ یہ میرا بیٹا ہے اس طرح ان کا راز فاش ہو جاتا اور اعتراف کریتں کہ انھیں خود ہی صندوق میں چھپا کر دریائے نیل میں ڈالا تھا۔ لتبدی بہ۔ بدأ الشئی بدور و بدوا سے ہے بمعنی ظہر ظہورا بینا۔ یعنی کسی شے کا کھل کر ظاہر ہونا اور کہا جاتا ہے ابداہ بمعنی اظہرہ اظہارا بینا یعنی اس شے کو کھول کر بیان کیا۔ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ بہ کی با زائدہ ہے یعنی دراصل تبدیہ تھا اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی دراصل عبارت تبدی القول بہ تھا یعنی بات کو موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ظاہر کر دیتی۔

فائدہ: عرائس البیان میں ہے کہ بی بی سارہ کو جو انوار حق اسمٰعیل علیہ السلام کے چہرۂ انور سے نظر آتے وہی انوار آپ کی والدہ ماجدہ کو بھی نظر آئے اسی لیے ان کے قلب میں صبر نہ رہا اور قریب تھا

کہ وہ اس راز کو ظاہر فرماتی ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شوق دیدار درحقیقت دیدار الٰہی کا شوق تھا لولا ان ربطنا علیٰ قلبھا اگر ہم ان کے قلب کو مضبوط نہ کرتے یعنی اگر دوبارہ یاد نہ دلاتے کہ فرعون کے ہاتھوں اپنے جانے سے کیوں گھبراتی ہو جبکہ ہم نے وعدہ کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام واپس تیرے ہاں آئیں گے اور پھر وہ بڑے ہو کر رسول اور پیغمبر بنیں گے لتکون من المؤمنین اور ہم مذکورہ لطف و کرم کیا تاکہ وہ بی بی وعدۂ الٰہی پر یقین کرنے والوں سے ہو۔ وعدۂ الٰہی سے انا رادوہ الیک الخ مراد ہے اور مومنات کے بجائے مومنین کہنا تغلیباً ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایمان بھی عطیۂ الٰہی ہے اس لیے کہ انہیں وحی (الہام) کے ذریعے اولاً اور ربط قلب باللہ کر ثانیاً نوازنا عطیۂ ایزدی نہیں تو اور کیا ہے۔ وقالت اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا لاختہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو لابنتہا نہ کہا تاکہ اسے محسوس ہو کہ اخوۃ کا تقاضا یہی ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جان کی بازی لگائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بہن کا نام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام مریم بن عمران تھا۔ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام تھا اور ان کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے شوہر کا نام غالب بنی یوشا تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام کلثوم تھا اس کا نام مریم بتانا غلط ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بہن اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کا نکاح ہمارے نبی پاک علیہ السّلام کیساتھ

حضرت الزبیر بن بکار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے جبکہ وہ بیمار تھیں اور آپ نے فرمایا اے خدیجہ تمھیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت میں میرا نکاح مریم بنت عمران سے اور اُم کلثوم اخت موسیٰ علیہ السلام اور آسیہ زوجہ فرعون سے کر دیا ہے اور تم بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا اس کی خبر آپ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بالرفاء و البنین یعنی مبارک باد۔

فائدہ: کلثوم وہی بی بی ہے جس نے اپنے چچازاد قارون کو علم کیمیا سکھایا یہ الفاظ بھی مذکورہ حدیث شریف کے ہیں اور اُس وقت حضرت خدیجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشتی انگور بھی کھلایا۔

تحقیق الرفاء والبنین

الرفاء والبنین سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی تھا کہ آپ نے دولہن لے لی در آنحالیکہ آپ التئام واتفاق سے متلبس ہیں یہ زمانہ جہالت میں ایک دُعائیہ جو نہی دولہن کے حصول کے بعد دولہا کو کہی جاتی اس سے موافقت و ملامتہ مراد ہے یہ دراصل رفأت الثوب سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے سے ملاتے۔

مسئلہ: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمات زمانہ جاہلیت کے ورود نہی سے پہلے کہے تھے۔

(کذا فی انسان العیون)

فائدہ: نیز انسان العیون میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں عورتوں کو محفوظ رکھا کہ کوئی بھی ان کے ساتھ جماع نہ کر سکا چنانچہ آسیہ کے لیے مشہور یہی ہے کہ جب آسیہ کو کہا گیا کہ تیرا نکاح فرعون کے ساتھ ہونا ہے تو اُس نے کراہت کا اظہار کیا اور والد کو صاف جواب دیا لیکن مجبوراً نکاح ہو گیا اور فرعون نے اس نکاح میں بہت زیادہ مال خرچ کیا لیکن جب پہلی شب فرعون کے ہاں بھجوائی گئیں فرعون نے جماع کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے قادر نہ ہونے دیا۔ اسی طرح اس کے ساتھ بارہا ایسے ہوا بالآخر اس بات پر راضی ہوا کہ حضرت آسیہ کو صرف گاہے گاہے دیکھ لیا کرے گا اور حضرت مریم کے لیے بھی منقول ہے کہ ان کا چچا زاد یوسف نجار سے نکاح ہوا لیکن وہ بی بی سے مجامعت نہ کر سکا اور بی بی نے یہ نکاح بھی اسی مجبوری سے کیا کہ بی بی صاحبہ نے مصر جانا تھا تو اکیلے جانے کے بجائے یوسف نجار سے نکاح کر کے صاحبزادے کو مصر لے گئیں اور وہاں بارہ سال بسر کر کے واپس شام کے ملک میں گئیں اور وہیں پر ناصرہ میں قیام کیا اور بی بی کلثوم اخت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کوئی ذکر نہیں ہوا۔

فائدہ: اس سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ بی بی زلیخا کا نکاح واقعی حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوا یہ علیحدہ بات ہے کہ مخالفین یہاں بھی یہی کہہ کر ٹھکرا دیں کہ ہم رُوح البیان کی روایت کو نہیں مانتے۔[1]

قصیہ یہ قص اثرہ قصا وقصصا کا امر بمعنی تتبعہ ہے یعنی اس کے پیچھے لگ کر اس کی خبر گیری کر۔ چنانچہ والدہ کے کہنے پر کلثوم فرعون کے گھر آئی۔ **فبصرت بہ** تو اپنے بھائی کو دیکھا۔ **عن جنب** دُور سے یہ جنبتہ و اجنبتہ سے ہے بمعنی ذھبت عن ناحیۃ وجنبہ اسی سے الجنب ہے اور وہ اس ے اس لیے موسوم ہے کہ جنب میں بندہ نماز اور قرآن مجید کے ہاتھ لگانے

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ (تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی تصنیف "نکاح زلیخا"

سے دُور ہوتا ہے اسی سے ہے الجار الجنب بمعنی بعید کی ہمسایہ اور الجار الجنب اس قریب کو بھی کہا جاتا ہے جو کسی کی کروٹ کے قریب ہو۔ وھم لا یشعرون اور وہ اسے نہیں سمجھتے تھے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے اور اُن کے حالات معلوم کرنے آئی ہے یا انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے۔ وحرمنا علیہ المراضع۔ یہاں تحریم بمعنی منع ہے اس لیے کہ چھوٹے بچوں اور غیر مکلف پر تحریم کا اطلاق نہیں ہوتا اور تحریم بمعنی منع قرآن مجید میں آیا ہے کما قال۔ وحرم اللہ علیہ الجنۃ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے دودھ پلانے والی عورتوں کے دودھ سے موسیٰ علیہ السلام کو روک دیا اور فرمادیا کہ آپ نے صرف ماں کا دودھ پینا ہے اس کی صورت یہ ہوئی کہ یعنی ہم نے ان کے دل میں تمام عورتوں کے پستانوں سے کراہت و نفرت پیدا کردی۔ من قبل یعنی اس کی بہن کے تفحص حال سے یا انہیں والدہ کے ہاں واپس لوٹانے سے پہلے کذا فی الجلالین یا ماں کے ہاں آنے سے پہلے کذا قال ابواللیث یا اس سے قضا سابق مراد ہے اس لیے کہ ہم نے تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماں کے ہاں واپس لوٹایا جائے گا (کذا فی کشف الاسرار) المراضع مرضع کی جمع ہے یعنی وہ عورت جس کا یہ حال ہے کہ وہ دودھ پلانے اگرچہ اس صفت سے موصوف ہونے کے باوجود کسی کو دودھ بھی نہ پلا سکے اور المرضعہ وہ عورت جو واقعی بچے کو دودھ پلائے اور موضع میں تاء نہیں لائی جاتی جبکہ اس سے صفت ثابتہ مراد ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱)

بچے کو کسی عورت کا دودھ بہتر نہیں جب تک کہ اسے صالحہ کریمۃ الاصل عورت دودھ نہ پلائے اس لیے کہ پاگل عورت کا دودھ سرایت کر جاتا ہے یا کم از کم ایک دن اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔

حدیث شریف نمبر (۲)

دودھ طبائع کو بدل دیتا ہے۔

حکایت: حضرت الشیخ ابو محمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں تشریف لائے اور دیکھا کہ آپ کے صاحبزادے امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی اجنبی عورت دودھ پلا رہی ہے تو آپ نے جھٹکا دے کر اپنے صاحبزادے کو اُٹھا کر اوندھا کر دیا اور منہ میں اُنگلی دبائی یہاں تک کہ صاحبزادے کے پیٹ سے دودھ خارج ہُوا اور فرمایا کہ بچے کا مرنا مجھے منظور ہے اس سے کہ اسے کوئی اجنبی عورت دودھ پلائے۔ اس لیے کہ اجنبی عورت کا دودھ بچوں کی طبیعت پر اثر ڈالتا ہے چنانچہ حضرت امام

ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب جوان ہوئے تو مناظرہ کے درمیان میں آپ کو کبھی گھبراہٹ ہو جاتی فرماتے یہ اس دودھ کا اثر ہے۔ جو میں نے بچپن میں اجنبی عورت کا پی لیا تھا۔

فائدہ: اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ انسان میں دودھ کے اثر سے ہی بھلائی اور برائی کا اثر پیدا ہوتا ہے (کذا فی المقاصد الحسنہ) اس پر ہمارے دور کے نئی تہذیب کے دلدادگان کو غور فرمانا چاہیئے کہ اپنی اولاد کو ڈبے یا جانوروں کے دودھ پلا کر اپنے بچوں کو کس گندے گڑھے میں ڈال رہے ہیں [1]

فقالت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کے پستان کو قبول نہیں کرتے اور دیکھا کہ بڑی جدوجہد ہیں کہ کسی طرح وہ کسی دوسری عورت کا دودھ پی لیں تو کہا **هل ادلکم** کیا میں تمھاری رہبری کروں **علیٰ اهل بیته** ایسے گھرانے کی **یکفلونه**۔ الکفالۃ بمعنی **ضمانت** و عیالۃ کہا جاتا ہے **کفل به کفالة فهو کفیل** بہ اُس وقت بولتے ہیں کوئی کسی کو عیال داری میں شامل کرلے یعنی وہ گھرانہ موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کرے اور تمھارے لیے انھیں دودھ پلائے اور اُن کی تربیت کرے **وهم له ناصحون** اُن کے معاملہ میں خلوص کریں گے اور ان کے دودھ پلانے اور ان کی پرورش میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

حل لغات

النصح ضد الغش بمعنی فساد کے شوائب سے عمل کو صاف رکھنا۔ المفردات میں ہے کہ قول و فعل میں ایسی جدوجہد کرنا جس میں دوسرے کی بہتری ہو۔

فائدہ: مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو فرعون والوں نے کہا کہ کون ان کی پرورش کرے گا اُس نے کہا میری والدہ اُنہوں نے کہا کیا تیری ماں کے پستانوں میں دودھ ہے اُس نے کہا ہاں ہارون علیہ السلام کی وجہ سے ان کا دودھ ہے اس لیے کہ ہارون علیہ السلام اس پہلے سال پیدا ہوئے جس سال میں فرعون بچوں کو قتل نہیں کراتا تھا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ وہ ایک ایسی عورت ہے جس کا بچہ قتل کیا جا چکا ہے اور عورتوں کی عادت ہے کہ بچہ مر جائے تو انھیں خواہش ہوتی ہے کہ کوئی بچہ مل جائے جسے وہ دودھ پلائے۔

فائدہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے نزدیک پہلا قول صواب کے قریب تر ہے ہاں اگر قتل کو

---

[1] اضافہ از فقیر اُویسی غفرلہٗ

دریائے نیل میں ڈالنے کے معنی میں لیا جائے تو پھر اخت موسیٰ علیہ السلام کا جھوٹ ثابت نہیں ہوتا ورنہ انہیں جھوٹ کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے اور وہ ان کے لیے لائق نہیں۔

فائدہ: مروی ہے کہ جب ہامان نے سُنا تو کہا کہ اس لڑکی کو گرفتار کر لو یہاں تک کہ ان لوگوں کا نام و نشان بتائے اور یہ ظاہر کرے کہ وہ گھرانہ کس کا خیر خواہ ہے اخت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ گھرانہ فرعون کا خیر خواہ ہے۔ ضمیر مبہم سے ہامان کو شک گزرا کہ کہیں وہ گھرانہ فرعون کا دشمن نہ ہو۔ جب اخت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت کی کہ لہٗ کی ضمیر کا مرجع فرعون ہے تو اس کی جان رہائی ہوئی اور واقعی وہ گھرانہ فرعون کا بھی خیر خواہ تھا اور اخت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پنجہ سے نکال کر لے جائے۔ ہامان نے کہا لڑکی نے سچ کہا ہے اب فرعون نے کہا اس بی بی کو لاؤ جو اس بچہ کو دودھ پلائے اخت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کو لائیں۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ میں تھے اور رو رہے تھے اور فرعون انھیں بہلا رہا تھا یا موسیٰ علیہ السلام اُس وقت آسیہ کے ہاتھ میں تھے اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے سپرد کیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دیکھا تو فوراً اُن کے پستانوں کو چمٹ گئے[1]

بوئے خوش تو ہر کہ زباد صبا شنید
از یار آشنا سخن آشنا شنید

ترجمہ: تیری اچھی خوشبو جس نے بھی باد صبا سے سونگھی۔ یار سے سخن یار کے محسوس کیے۔

فرعون نے یہ حال دیکھ کر پوچھا تو کون ہے کہ بچے نے صرف تیرے دودھ کو قبول کیا ہے بی بی صاحبہ نے کہا کہ میں پاک خوشبو اور پاک دودھ والی ہوں یہی وجہ ہے کہ میرے دُودھ کو ہر چھوٹا قبول کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے سپرد کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا اور کہا ہفتہ میں صرف دو دفعہ ہمیں بچّہ کی زیارت کرا جایا کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے صاحبزادہ کو خوش خوش گھر لے آئی اور فرعون روزانہ بی بی کو ایک دینار وظیفہ بھجواتا تھا اور بی بی صاحبہ بھی مال حربی سمجھ کر لے لیتی تھیں اور یہ مزدوری نہیں تھی بلکہ ہدیہ نذرانہ تھا (کذا فی فتح الرحمٰن)

صاحب رُوح البیان نے فرمایا کہ بی بی صاحبہ کو موسیٰ علیہ السلام کا دودھ پلانا غیر ضروری ہو گیا تھا اس لیے کہ اب وہ حکماً فرعون کے بیٹے ہو گئے اور حکمی بیٹے کی تربیت باپ کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس معنی پر بی بی صاحبہ کو اُجرت لینا بھی جائز ہو گیا۔

---

[1] یہ بھی ہمارے دلائل میں شامل ہے کہ انبیاء علیہم السلام ازلی عالم ہوتے ہیں کیونکہ:

ع یہ اُمی لقب ہیں پڑھائے نہیں جاتے ۔ اُویسی غفرلہٗ

سوال

والدۂ موسیٰ علیہ السلام کو اُجرت لینا کیسے جائز ہو گیا حالانکہ فرعون تو بجبور نخص ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں قبول کرتے تھے اس معنی پر تو گویا بی بی نے جبراً مزدوری لی۔

جواب نمبر (۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل اُنہوں نے یہ مزدوری کے طور پر وظیفہ نہیں دیا تھا بلکہ بطور ہدیہ و نذرانہ دیا تھا اور بی بی صاحبہ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ جب تک یہ وظیفہ مقرر نہیں کرو گے میں دودھ نہیں پلاتی۔

جواب نمبر (۲)

نیز ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں دودھ پلانے پر ماں کو مزدوری لینا جائز ہو اور ظاہر ہے کہ ہر شریعت کے فرعی احکام مختلف ہوتے ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام والدہ سے اتنی دیر جدا ہوئے جتنی دیر چھوٹا بچہ ماں کے بغیر گزار سکتا ہے اور وہ قول نہایت غیر معتبر ہے جس میں لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آٹھ شب و روز ماں کے دودھ کے بغیر رہے فردونٰہ الی امہ پس ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی اپنی والدہ کے ہاں واپس لوٹایا کی تقر عینھا تاکہ اپنے صاحبزادے کی واپسی سے آنکھیں ٹھنڈی کریں ولا تحزن اور اس کی جدائی سے غم نہ کھائے ولتعلم ان وعد اللّٰہ تاکہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے مثلاً فرمایا تھا کہ تیرا بچہ واپس ہوگا اور اسے بعد کو رسول بنایا جائے گا۔

حق ۔ حق ہے کہ اس میں شک کو گنجائش ہی نہیں کیونکہ وہ ان کے بعض کا مشاہدہ کر چکی تھیں اور باقی کو ان پر قیاس کرے۔ ولکن اکثرھم نہ لیکن ان کے اکثر یعنی فرعون والے لا یعلمون نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ہاں دودھ پینے کی مدت تک رہے بعد ازاں آپ کی والدہ نے انھیں فرعون اور آسیہ کے ہاں پہنچا دیا اور جوانی تک فرعون اور آسیہ کے ہاں پرورش پائی اور ان دونوں نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی کسر نہ چھوڑی اور انھیں بیٹے کی طرح پالا۔

انگارے کھا لیے: بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے کھیل رہے تھے آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی وہی اُٹھا کر فرعون کے سر پر دے ماری۔ فرعون غضبناک ہو کر آپ

کے شہید کرنے کی ٹھانی۔ آسیہ نے فرمایا بادشاہ سلامت! ابھی یہ بچہ ہے اور بچوں کو یہ امتیاز کہاں کہ بادشاہوں کے آداب کیا ہوتے ہیں نہ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ مارنا کیا ہوتا ہے وہ دوسروں کے متعلق کیا خبر رکھیں انھیں ایسے خیر وشر کا پتہ نہیں ہوتا اگر آزمانا ہو تو تھال میں انگارے اور سونا رکھ دیجیے پھر دیکھئے کہ یہ کسے اٹھاتا ہے چنانچہ فرعون نے تھال انگاروں اور سونے کا ملا کر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام سونے کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ تو فرشتے نے آپ کا ہاتھ انگاروں میں لگا دیا۔ آپ نے انگارے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے جب علبن منہ کو لگی تو آسیہ نے فرعون سے کہا میں نے نہیں کہا تھا کہ بچے بے سمجھ ہوتے ہیں۔ فرعون یہ حال دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے سے باز آیا۔

فائدہ: وہ جو موسیٰ علیہ السلام کا لکنت کا مشہور ہے وہ انہی انگاروں کی تاثیر سے تھا اس کے بعد اس کا اثر زائل ہو گیا۔ جب آپ نے دعا مانگی **واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی** سورہ طٰہٰ میں اس کی تفصیل گزری ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ہمچو موسیٰ ایں زماں در آتش ماندہ ایم
طفل فرعونیم ما کام و دہان پر اخگر است

ترجمہ: ہم اپنے زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہیں ہمارا حال انہی کی طرح ہے کہ ہمارا منہ انگاروں سے پُر ہے۔

فائدہ: اس میں شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہم زمانہ لوگوں کی شکایت کی ہے اور ہر زمانہ میں ہر وہ ولی جو موسیٰ علیہ السلام کا طبع پر ہو تو اس کا امتحان لیا جاتا ہے اس لیے اس کا ہم زمانہ فرعون اس کے پیچھے لگا دیا جاتا ہے تاکہ اس کی آزمائش ہو سکے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ راحت کے لیے محنت و مشقت مقدمۃ الجیش کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

---

[۱] یہ ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کی دعا اور اس کی استجابت لیکن وہابیہ نے وہی دیکھا اور سنا سنایا جن میں سے عوام کو شکوک و شبہات پیدا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں۔ (معاذ اللہ)

[۲] یہ بھی ہمارے استدلال میں شامل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ازلی عالم ہوتے ہیں۔

[۳] یہ اُمی لقب ہیں کہ پڑھائے نہیں جاتے۔ اویسی غفرلہ

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ
مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ
شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ
شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۗ
قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ○
قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ ○ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا
لِّلْمُجْرِمِيْنَ ○ فَاَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ
فَاِذَا الَّذِى اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى
اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ ○ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ
هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ
نَفْسًا ۢ بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ
وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ
اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ؗ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ
بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَخَرَجَ
مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ ع

ترجمہ

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور پورے زور پر آیا ہم نے اُسے حکم و علم عطا فرمایا اور نیکی والوں
کو ہم یونہی صلہ دیتے ہیں اور وہ اس شہر میں داخل ہُوا جس وقت اس کے باشندے غفلت میں
تھے تو اس نے اس میں دو مردوں کو لڑتا پایا ایک موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری کا تھا اور دوسرا
اس کے دشمنوں سے تھا سو وہ جو اس کی برادری کا تھا اُس نے اس پر مدد چاہی جو اس کے دشمنوں
سے تھا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے ایک گھونسہ مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ کہا یہ شیطان کے عمل

سے ہے بیشک وہ کھلا دشمن گمراہ کرنے والا ہے۔ عرض کی اے میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر زیادتی کی۔ سو مجھے بخش دے تو پروردگار نے اسے بخش دیا بیشک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کی اے میرے پروردگار بوجہ اس کے کہ تو نے مجھ پر انعامات فرمائے۔ سو اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ پھر شہر میں خوف زدہ ہو کر صبح تک انتظار کی کہ نامعلوم کیا ہوگا پھر اچانک دیکھا کہ جس نے اس سے کل مدد چاہی تھی وہی چیخ رہا ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے کہا بیشک تو کھلا گمراہ ہے سو جب موسیٰ (علیہ السلام) نے ارادہ کیا کہ اس کی گرفت کرے جو ان دونوں کا دشمن ہے تو اس نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تم مجھے ویسے ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے کل ایک شخص کو قتل کر دیا تو نہیں چاہتا مگر زمین میں سکہ بٹھانے والا اور تو اصلاح نہیں چاہتا اور شہر کے آخری کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آکر کہنے لگا کہ اے موسیٰ بے شک دربار تمہارے قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں سو تم یہاں سے نکل جاؤ بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تو وہ اس شہر سے خوف زدہ ہو کر نکلا اس انتظار میں نامعلوم کیا ہوگا۔ عرض کی اے میرے پروردگار مجھے ظالموں سے نجات دے۔

(بقیہ سابق :)

ہر محنتی مقدمۂ راحتے بود شد ہم زبان چوں زبان کلیم سوخت

ترجمہ: ہر محنت و مشقت وراحت کا مقدمہ ہوتی ہے جب موسیٰ علیہ السلام کی زبان جل گئی تب حقتعالیٰ سے ہمکلام ہوئے۔

سبق : ہر دکھ اور درد پر صبر ضروری ہے اس لیے کہ کڑوا میوہ ہی میٹھا میوہ بنتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ماں کو گم پایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اس کی برکت سے ماں کو پا لیا ایسے ہی سالک کا حال ہے کہ اس کا دل اس سے گم ہو جاتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اسے تلاش کرے اور اس کے پیچھے لگے رہے۔ ایک دن اسے پائیگا اس لیے کہ وہ باقی فانی نہیں وہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے جو اسے پہچانتا اور اس کے فراق میں صبر و سکون کرتا ہے تو اسے اپنے ذلیل نفس کو اس پر قربان آسان ہو جاتا ہے۔ پھر منزل مقصود تک پہنچتا ہی پہنچتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے قبول فیض کی استعداد کی دعا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ : ولما بلغ اور جب موسیٰ علیہ السلام پہنچے **اشدہ** اپنی قوت کو یہ اٹھارہ سال سے تیس سال تک کو کہا جاتا ہے۔ صیغۂ واحد ہے بروزن جمع جیسا کہ سورۂ یوسف میں گزرا۔

۔ اسْتَوٰی الاستوار بمعنی شی کا فی ذاتہ معتدل ہونا یعنی جب ان کی عقل معتدل اور مکمل ہوئی یعنی چالیس سال کے ہوئے چنانچہ فرمایا و بلغ اربعین سنۃ یہ جملہ حتی بلغ اشدہ کے بعد ہے۔

سوال: یوسف علیہ السلام کے قصہ میں صرف ولما بلغ اشدہ ہے وہاں پر واستوٰی کی قید نہیں۔

جواب: چونکہ یوسف علیہ السلام کو بچپن میں جبکہ کنوئیں میں تھے وحی بھیجی گئی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے ہاں چالیس سال کے بعد وحی آئی کما قال واٰتیناہ حکمًا اور ہم نے انھیں حکم یعنی نبوت عطا فرمائی وعلمًا اور علم یعنی دین۔ کاشفی نے کہا کہ یہاں پر نبوت کا ذکر فرمایا حالانکہ آپ کو نبوت ہجرت کے بعد حاصل ہوئی یعنی جب مدین سے مصر کی طرف لوٹے۔ وہ اس لیے کہ ان کے ساتھ وعدہ کے صدق کا اظہار ہو یعنی ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تیرے صاحبزادے کو تیرے ہاں لوٹا دیں گے اور پھر انھیں نبوت سے سرفراز فرمائیں گے۔

مسئلہ: جمہور کا مذہب ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بعض انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کے بعد نبوت کے اظہار کا حکم ہوا تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو چالیس سال کے بعد نبوت ملتی ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام کے لیے چالیس سال کی قید صحیح نہیں اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت چالیس سال سے پہلے ملی اس لیے کہ آپ کو پینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اُٹھایا گیا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کو اٹھارہ سال کی عمر میں نبوت سے نوازا گیا۔ ایسے ہی یحییٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا ہوئی تو اُس وقت آپ نابالغ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف دو یا تین سال کے تھے اور انھیں عیسیٰ علیہ السلام سے ڈیڑھ سال پہلے شہید کر دیا گیا۔

احوالِ اولیاء: یہی حال بعض دفعہ اولیاء کرام کا ہے مثلاً حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن میں ہی مکاشفات و مشاہدات ہونے لگے یعنی ابھی نابالغ ہی تھے کہ تاجِ ولایت سے نوازے گئے۔

فائدہ: آیت میں تنبیہ ہے کہ عطیۂ الٰہی جسے نصیب ہوتا ہے تو وقت کو نہیں دیکھا جاتا۔ کسی کو دیر سے کسی کو جلد تر۔ طالبِ حق کو احسانِ الٰہی کا انتظار کرنا چاہیئے اُس سے نااُمیدی غلط ہے کیونکہ اس کریم کا قانون ہے کہ کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ کما قال۔ وکذلک نجزی المحسنین اور اسی طرح ہم نیکی والوں کی نیکی پر جزا دیتے ہیں جیسے ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ کو نیکی کی جزا دی۔

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے کہ یہ دونوں اپنے اعمال میں مخلص اور اپنی جوانی میں خدا ترس اور متقی تھے جو بھی اپنے آپ کو اہلِ احسان کے زمرہ میں داخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب سے

نوازتا ہے۔

حکایت: ایک عورت رات کو کھانا کھانے بیٹھی تو سائل نے دروازہ کھٹکھٹایا اور طعام مانگا۔ اسی نیک عورت نے اپنا کھانا اُٹھا کر سائل کو دے دیا۔ ایک دن اُس کے بچے کو بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا اُس نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی تو منظور ہو گئی کہ بھیڑیئے کو کسی نے وار کر کے اس کی گردن اُڑا دی اور آسانی سے اس کے بچے کو بھیڑیئے کے منہ سے نکال لیا اور نیک عورت کے ہاں پہنچا دیا عورت نے کہا کہ یہ اسی طعام کا بدلہ ہے جو میں نے اپنے منہ سے نکال کر سائل کو دے دیا۔

احسان کی اقسام

احسان کی چند اقسام ہیں:

(۱) مرتبہ طبعیہ شریعت کے ساتھ اور مرتبہ نفس طریقت اور اصلاح نفس کے ساتھ اور یہ حظ نفس کو ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ نفس کے حظوظ بہت بڑا حجاب ہیں اور مرتبہ روح معرفۃ کے ساتھ اور مرتبہ سر حقیقۃ کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بندے کے احسان کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ بالکل فانی فی اللہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے کو باقی باللہ بنادے لیکن یہ مرتبہ فنا کے بعد نصیب ہوتا ہے اور فنائیت بھی توفیق ایزدی و تائید ربانی سے حاصل ہوتی ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ ہدایت نہ بخشے اور انوارِ توحید سے قلب منور نہ ہو ایسا مرتبہ حاصل ہونا مشکل ہے اس لیے کہ توحید سعادت کی چابی ہے۔

سبق: طالب حق پر لازم ہے کہ مقام نفس میں خوف و رجاء کے درمیان رہے تاکہ وعدہ وعید سے نفس کا تزکیہ ہو سکے اور اسے چاہیئے کہ مقام قلب میں نورِ توحید کے ساتھ باطن کو منور اور صاف رکھے تاکہ تجلیات صفات کے لیے تیار ہو سکے اور مقام روح میں ہدایت طلب کرے تاکہ تجلی ذات کا مشاہدہ کر سکے یاس و ناامیدی میں نہ رہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پُر امید رہے اس لیے کہ ایک دن ضرور کامیابی ہوگی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے بعد پُر امید رہی اور اسے اس کے فضل و کرم پر بڑا بھروسہ تھا اسی لیے اپنے صاحبزادے کو بھی پالیا اور نبوت کو گود میں پالنے سے بھی شرفیاب ہوئی یعنی موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی پرورش کے لیے منتخب ہوئیں۔

مسئلہ: نعمتِ الٰہی کے حصول کے بعد شکر بجا لانا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ حمد و ثنا کرے اور اپنے پیر و مرشد کا بھی شکر ادا کرے کہ جس نے اسے اس طرح کی تربیت

کی کہ جس سے وہ اس کا اہل ہوُا کہ وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ جیسے مرتبہ کو حاصل کر لیا اور یہ قاعدہ ہے کہ جیسی نعمت ہوتی ہے ویسے ہی ادائیگی شکر بلکہ اس کے عطیات کے مقابلہ میں ہمارا شکر اور حمد و ثنا تو کچھ بھی نہیں۔ ~

(۱) یکے گوش کودک بمالید سخت
کہ اے بوالعجب رائے گشتہ بخت
(۲) ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن
نگفتم کہ دیوار مسجد بکن
(۳) زباں آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگرداندش حق شناس
(۴) گزرگاہ قرآن و پندست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش
(۵) دو چشم از پئے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فرو گیر و دوست
(۶) برو شکر کن چوں بنعمت دری
کہ محرومی آید ز مستکبری
(۷) گر از حق نہ توفیق خیرے رسد
کہ از بندہ خیرے بغیرے رسد
(۸) بنخشش اے پسر کادمی زادہ صید
باحسان تواں کرد و وحشی بقید
(۹) مکن بد کہ بد بینی از یار نیک
نیاید ز تخم بدی بار نیک

ترجمہ

(۱) کسی نے بچے کے کان کھینچ کر کہا کہ اے کمبخت (۲) میں نے تجھے تیشہ دیا کہ لکڑیاں کاٹ نہ یہ کہا کر مسجد کی دیوار کھود (۳) زبان شکر وسپاس کے لئے ہے اے حق شناس اسے غیبت میں ملوث نہ کر (۴) کان قرآن ونصیحت کی گزرگاہ ہے اسے بہتان اور باطل کے سننے میں نہ لگا (۵) دو آنکھیں اللہ کی صنعت دیکھنے کے لئے ہیں اے بھائی دوست کی عیب جوئی میں انہیں بند کر (۶) جب نعمت حاصل ہو تو اس کا شکر کر تکبر سے محرومی آتی ہے۔ (۷) اگر اللہ توفیق خیر نہ پہنچے تو کون ہے جو دوسروں پر بھلائی کر سکے (۸) اے عزیز عطا کرنے کی عادت بنا اس لئے آدمی زادہ شکار کی طرح احسان سے مقید ہوسکتا ہے (۹) یار نیک سے کچھ تکلیف پہنچے تو اسے برائی نہ پہنچا اس لئے برے بیج سے اچھا پھل نہیں آتا۔

فائدہ: خیر وبھلائی کا ثمرہ خیر وبھلائی کے شجر کے مطابق نصیب ہوتا ہے جیسے حنظل کے بیج سے حنظل ہی پیدا ہوگا ایسے نہیں کہ حنظل سے گندم پیدا ہو جسے بہترین کھجور چاہیئے اسے اچھی کھجور کا بیج بونا چاہیئے۔

حکایت: ایک عورت مہمان نواز تھی اور تھی محض غریب صرف بکری اور اس کے بچوں کی وجہ سے اس کی معاش پوری ہوتی تھی۔ ایک دن اس کے ہاں ایک مہمان حاضر ہوا اس وقت اس کے پاس کھانے کی کوئی شے نہیں تھی اس نے مہمان کی خاطر بکری ذبح کر ڈالی اس کے بعد اسے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ایسی بابرکت بکری عطا فرمائی جس کے پستانوں سے دودھ اور شہد اترتا تھا اس عورت کی یہ کرامت عوام میں مشہور ہوگئی۔ چند لوگوں نے اس کا مشاہدہ کرنے سے اس بی بی سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں نے مہمان کی خاطر بکری ذبح کی اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا میں ایسی ہی بکری عطا فرمائی ہے۔

فائدہ: چونکہ اس بی بی کا دل صاف تھا اور صرف رضائے الٰہی کی طالبہ تھی اللہ تعالیٰ نے بھی اسے احسن جزا عطا فرمائی یعنی بکری کے پستانوں میں بہترین دودھ اور شہد پیدا فرما دیا اور قاعدہ ہے کہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا فرمانا تو اس کا ایک خاص عطیہ ہوتا ہے جسے اہل اللہ ہی جانتے ہیں۔

فائدہ: بخل وامساک یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ نہ دینا محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو طلب وارادہ سے اپنے اوپر احسان کرتے ہیں بلکہ سعادت کے حصول اور وصال الٰہی کے اشتیاق اور اس کی سیر میں سر کی بازی لگاتے ہیں۔

ودخل المدینۃ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شاہی محل سے باہر تشریف لا کر شہر میں داخل ہوئے اور فرعون کا شاہی محل شہر کے ایک کونے پر تھا چنانچہ اس کی تفصیل وجاء رجل من اقصی المدینۃ میں آئے گی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ شہر خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمزبان فرعون نے تعمیر کر دیا تھا جس میں وہ خود رہتا تھا۔ اس کے اندر نہریں جاری ہوتی تھیں اور اس کا تخت شاہی اس میں

تھا۔ دریائے نیل سے بارہ میل غربی جانب تھا یعنی وہ پرانے شہر میں واقع تھا۔ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد ملک مصر میں یہی پہلا شہر تعمیر ہوا۔

علی حین غفلۃ من اھلھا درآنحالیکہ وہ موسیٰ علیہ السلام شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوئے جسے بے ہنگام داخلہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ دوپہر کے وقت داخل ہوئے یہ وقت قیلولہ کا تھا جس میں عام راستے خالی پڑے تھے۔ **فوجد فیھا رجلین یقتتلان** یہ رجلین کی صفت ہے اور الاقتتال بمعنی ایک دوسرے کے ساتھ لڑنا یعنے پایا موسیٰ علیہ السلام نے دو مردوں کو آپس میں لڑتا جھگڑتا ہوا۔ **ھذا**۔ ان کا ایک **من شیعتہ** آپ کی جماعت کا فرد تھا۔ یہ **شایعہ** سے ہے بمعنی **تابعہ علی دینہ** یعنی فلاں فلاں کے دین کے تابع ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے تابع بنو اسرائیل تھے یعنی وہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ سامری تھا۔ (کذا فی فتح الرحمٰن) یہ اشارہ بطور حکایت ہے ورنہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ واقعہ بیان فرمایا نہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے اور نہ ہی وہ دونوں لڑنے جھگڑنے والے۔

وھذا من عدوہ اور وہ دوسرا آپ کے دشمنوں میں سے تھا۔ العدو واحد اور جمع ہر دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور یہاں پر آپ کا دینی دشمن مراد ہے یعنی قبطی قوم کا ایک فرد اس کا نام فاتون تھا۔ (کذا فی کشف الاسرار) اور یہ فرعون کا خباز (روٹی پکانے والا تھا) اور وہ اُس وقت بنی اسرائیل کو مجبور کر رہا تھا کہ لکڑیاں اُٹھوا کر فرعون کے باورچی خانہ میں پہنچا دے۔

فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو فریاد کی کہ وہ اُس کی مدد فرمائیں۔ اسی وجہ سے یہ **من** سے متعدی ہوا ہے اور **استغثت** بمعنی طلبتُ الغوث ای النصرۃ یعنی میں نے مدد چاہی اور موسیٰ علیہ السلام کے سبطی نے قبطی کے ظلم و تشدد پر مدد چاہی اور موسیٰ علیہ السلام بہت بڑی قوت اور طاقت کے مالک تھے۔ آپ نے قبطی کو فرمایا کہ اسے چھوڑ دے لیکن اُس نے موسیٰ علیہ السلام کا حکم مسترد کر دیا۔ **فوکزہ موسیٰ**۔ الوکز ہمچون الوعد بمعنی الدفع والطعن والضرب بجمع الکف یعنی بالضم و بالکسر انگلیوں کو ہتھیلی سے ملا کر مارنا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو مکا مارا۔ **فقضی علیہ** تو وہ مر گیا۔ اس پر آپ کو ندامت ہوئی لیکن کیا ہو سکتا تھا آپ نے اسے ریت میں دفن کر دیا **قضی** شے کے اتمام اور اسی سے خارج ہونے کو کہا جاتا ہے۔

المفردات میں ہے کہ القضا بمعنی موت بھی آتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے **قضی نحبہ**۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی مر جائے وہ اسی لیے کہ اس نے وہ امر جو اس کے ساتھ دنیا میں مخصوص تھا اسے اس نے

پورا کیا ۔ القضاء دداصل ۔ فصل الامر کہا جاتا ہے ۔ قال موسیٰ علیہ السلام نے کہا ۔ ھذا ۔ یہ قتل من عمل الشیطان یہ اس شخص کا عمل ہے جسے شیطان نے بھڑکایا ہو ۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ ہمارے حبیوں کا عمل شیطان کا عمل ہے (معاذ اللہ)

فائدہ : اس عمل کو شیطان کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ بُرے اعمال وہی کراتا اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کیونکہ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کفارہ کے قتل کے مامور نہیں تھے یا اس لیے کہ اس سے قبل فرعون کی قوم میں موسیٰ علیہ السلام کو ظاہری امن حاصل تھا اور نہ ہی آپ کو ان سے کوئی خطرہ تھا ۔

ازالہ وہم : اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عصمت پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ یہ فعل موسیٰ علیہ السلام سے بلا ارادہ صادر ہوُا ۔ باقی رہا آپ نے اسے عمل شیطان کہنا اور اپنے آپ کو ظالم گردانا پھر اس سے استغفار کرنا یہ مقربین کی عادات سے ہے کہ اُن سے معمولی سی بات ظاہر ہو تو بھی اسے بہت بڑا امر تصوّر کرتے ہیں ۔ اگرچہ وہ عام لوگوں کے لیے نہایت سے نہایت صغیرہ گناہ ہو علاوہ ازیں یہ قتل خطأً تھا اور وہ بھی قبل از اظہارِ نبوت انہ بے شک شیطان عدو ابن آدم کا دشمن ہے ۔ مضل مبین ۔ گمراہ کرنے والا ۔ ظاہری دشمنی والا ہے ۔ قال ۔ دو کلاموں کے درمیان قال لانے میں اشارہ ہے کہ یہ دو کلاموں میں آپس میں مخالف نہیں یعنی دوسرا کلام دعاء و مناجات ہے ۔ اور پہلا کلام ایسا نہیں ۔ رب ۔ اے میرے پروردگار ۔ انی ظلمت نفسی بغیر امر الٰہی کے قبطی کو قتل کرکے بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے ۔ فاغفر لی پس مجھے بخش دے ۔ فغفر لہ تو اس کے رب نے اس کی استغفار سے اسے بخش دیا ۔ انی ھو الغفور الرحیم ۔ بیشک میں وہی غفور رحیم ہوں ۔ یعنی اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا اور ان پر بہت بڑی رحمت کرنے والا ۔ قال رب بما انعمت علیّ یا یہ قسم ہے اور اس کا جواب محذوف ہے ۔ اے پروردگار میں تجھے تیرے اس انعام کی قسم دیتا ہوں جو تو نے میرے اُوپر کی اور میرے ذنوب کی مغفرت فرمائی ۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں فلن اکون پس میں اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ ہرگز ہرگز نہیں ہوں گا ۔ ظھیر اللمجرمین مجرموں کا معین و مددگار ۔ یہ ظاہر تہ بمعنی قوت ظہرہ بکونی معہ ۔ میں نے اس کی پشت پناہی کی جبکہ میں نے اسے اپنی حامی بھری ۔ یا یہ استعطاف ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تجھے اس احسان کی قسم جو تو نے میرے اُوپر فرمایا مجھے بچائیے تاکہ میں اس کی مدد نہ کروں کہ جس اعانت سے وہ شخص جرم کا ارتکاب کرے ۔

ولی اللہ کا احترام : حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں کا عارف وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ولی کامل کی مخالفت پر توفیق نہیں دیتا اور منعم کا عارف وہ ہے جو کسی وقت

بھی اس کے احکام کی مخالفت نہیں کرتا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جو نعمت کے حصول پر شکرِ الٰہی نہیں بجا لاتا وہ کسی وقت مجرم کے جرم پر اعانت میں مبتلا ہوتا ہے اس کا بیان آئے گا۔

فائدہ: صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پر مجرم سے وہ شخص مراد ہے جو کسی مذموم فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ بنی اسرائیلی کا فرد ہو جیسا کہ لفظ **من شیعتہ** سے معلوم ہوتا ہے۔

ھو عدولھما اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیلی موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یعقوب علیہ السلام کے دین پر تھے اسی لیے فرعون نے انھیں عبودیت و دیگر اُمور شاقہ میں مبتلا کر رکھا تھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا **ظھیرا للمجرمین** کا کافر بمعنیٰ بتانا اس لیے کہ مومن کو فاسق کو تغلیظا و تشدیداً ایسے ہی کہہ دیا جاتا ہے۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کی دُعا **رب بما انعمت علیّ** الخ سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور وہ دین میں مختلف فرقے ہو جائیں یا شاہی میں جھگڑے اُٹھ جائیں تو ایسی دُعا کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت علی و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کے وقت بھی اس طرح دُعا کرتے تھے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ مجرم وہ نہیں جو کفار (صفات نفس) کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور اُن کی ہوا و ہوس میں مٹاتے ہیں لیکن شریعت کی مخالفت میں اور اتباعِ محمدی سے دُور ہو کر جیسے فلاسفہ و براہمہ اور راہبین وغیرہ ایسے لوگوں کا ایسا جہاد بھی عمل شیطان میں داخل ہے۔

تفسیر عالمانہ: **فاصبح** موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت داخل ہوئے **فی المدینۃ** شہر میں اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا شہر میں داخل ہونا اور قبطی کو مارنا دو عشاؤں کے درمیان واقع ہوا۔ جب لوگ اپنے کھانے پینے وغیرہ میں مشغول تھے۔ ایسے ہی بعض علماء نے فرمایا **یترقب** قبطی کے بدلہ کا انتظار کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ ان کے حق میں قبطی کے قتل پر کیا کہا جا رہا ہے اور اس کے قاتل کے بارے میں تفتیش ہوتی ہے یا نہ۔

الترقب بمعنی اس امر کا انتظار کرنا جو طبیعت کو ناپسند ہو۔ المفردات میں ہے کہ ترقب بمعنی احترز راقبا ای حافظ۔ یہ یا مراعاۃ رقبۃ المحفوظ سے ہے یا **رفعۃ رقبۃ** سے **فاذا**۔ اذا مفاجاتیہ ہے بمعنی اچانک **الذی استنصرہ بالامس** پس اچانک وہی اسرائیلی جس نے کل قبطی مقتول کے جھگڑے پر موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہی آج بھی اُسی نے مدد چاہی۔

یستصرخہ۔ الاستصراخ بمعنی فریاد کو پہنچنا اور فریاد چاہنا۔ یعنی وہ موسیٰ علیہ السلام سے دھاڑیں مار کر مدد چاہتا تھا **الصراخ** سے ہے بمعنی دھاڑ مارنا۔ (کذا فی القاموس) یعنی وہ شخص ایک دوسرے

قبطی کے لیے دھاڑیں مار کر موسیٰ علیہ السلام سے مدد چاہتا تھا۔ قال له موسیٰ اس فریاد چاہنے والے (جو فرعونی کے جھگڑے پر فریاد چاہتا تھا) کو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انك لغوی بیشک تو گمراہ مرد ہے غوی بروزن فعیل بمعنی غاوی) مبین۔ بین الغوایۃ والضلالۃ یعنی کھلی گمراہی اور ضلالۃ والا اس لیے کہ کل بھی تو ہی قبطی کے قتل کا سبب بنا تھا اور آج بھی تو دوسرے کے خلاف مدد چاہتا ہے یعنی کل بھی میں نے تیری وجہ سے قبطی کو قتل کر دیا تھا آج تو یہی چاہتا ہے کہ میں دوسرے کو قتل کر دوں۔ فلما ان اراد جب موسیٰ علیہ السلام نے چاہا ان یبطش۔ البطش بمعنی شے کو مضبوط پکڑنا بالذی هو عدولهما یہ کہ پکڑیں موسیٰ علیہ السلام اس قبطی کو جو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دشمن تھا وہ اس لیے کہ وہ ان کے دین پر نہ تھا کیونکہ قبطی علی الاطلاق بنی اسرائیل کا دشمن تھے۔ قال۔ بنی اسرائیلی نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام قبطی کو پکڑنا چاہتے ہیں اور جانتا تھا کہ ان کی گرفت سخت ہے کہ پکڑنے سے اس کا کام تمام کر دیں گے اور ان کے انك لغوی مبین اور آپ کے غصہ اور غضب سے سمجھ کر کہا۔ یا اس کا قائل وہی قبطی ہے اور اس نے بھی اس لیے کہا کہ مشہور ہو گیا تھا کہ جس نے کل قبطی کو مارا اور وہ یہی تھا اسی لیے کہا یاموسیٰ اترید ان تقتلنی کما قتلت نفسا بالامس اے موسیٰ علیہ السلام کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ ان ترید تم نہیں ارادہ کرتے الا ان تکون جبارًا فی الارض مگر یہ کہ تم دنیا میں جابر و غالب مشہور ہو جاؤ اس لیے کہ جو بھی ایسے بے تحاشا قتل و غارت کرے اور انجام پر نگاہ نہ رکھے تو وہ ایسے ہی مشہور ہو جاتا ہے۔ وما ترید ان تکون من المصلحین اور تم ارادہ نہیں رکھتے کہ تم قولاً و فعلاً لوگوں میں اصلاح کنندہ ہو جاؤ اور لوگوں کے جھگڑے مٹاؤ۔

ربط: ان کی اس گفتگو سے قبطی کے قتل کا راز کھل گیا اور فرعون تک بات پہنچ گئی اور اس کے ارکان و دولت کو بھی معلوم ہوا کہ کل جو قبطی قتل کیا گیا ہے اس کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے حالانکہ اس سے قبل سوائے اس اسرائیلی اور موسیٰ علیہ السلام کے اور کسی کو معلوم نہ تھا۔ اس کے بعد فرعون کے ارکان دولت نے ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بدلہ میں شہید کریں۔ آل فرعون سے ایک شخص مومن تھا بعض نے کہا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد (تھا) نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینا چاہی کما قال تعالیٰ وجاء رجل اور آیا ایک مرد یعنی حزبیل من اقصی المدینۃ شہر کے کنارے سے یعنی شہر کے آخری حصے سے یعنی شہر سے دور کی جگہ سے جہاں فرعون کا شاہی محل تھا۔ وہ شخص آیا۔ اقصی۔ قصوت عنہ سے ہے اور اقصیت بمعنی اُبعدتُ اور القصی بمعنی البعید یعنی وہ شخص آیا قال یٰموسیٰ ان الملا کہا اے موسیٰ علیہ السلام بیشک فرعون کے ارکان دولت۔ یأتمرون بك۔ آپ کے سبب سے مشورہ کر رہے ہیں اور مشورہ کو ائتماد سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے

کہ وہ ہر ایک دوسرے کو حکم کرتا اور دوسرا اُس کو بجالانے کی حامی بھرتا تھا **لیقتلوك** تاکہ آپ کو شہید کر دیں۔ **فاخرج** اسی لیے آپ شہر سے نکل جایئے۔ **انی لك من الناصحین** بیشک میں آپ کے معاملہ یعنی شہر سے نکلنے کے مشورہ دینے میں خیر خواہ ہوں یعنی آپ کا مہربان اور بہی خواہ ہوں۔ یہ لام بیانیہ ہے یعنی یہ نصیحت آپ کو ہی بیان کرتا ہوں اور یہ لام ناصحین کے متعلق نہیں اس لیے کہ صلہ کا معمول موصول سے مقدم نہیں ہوا کرتا اور لک من الناصحین سے مقدم ہے **فخرج منها** پس اُسی وقت بغیر زادراہ اور بغیر ساتھی کے موسیٰ علیہ السلام شہر سے نکل پڑے۔ **خائفا** در آنحالیکہ اپنے لیے ڈرنے والے تھے **یترقب** گرفتار کرنے والوں کا انتظار اور خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے اس راستہ میں ہی گرفتار کر لیں گے ——— یعنی آپ کا پیچھا کریں گے **قال رب نجنی من القوم الظلمین** کہا اے پروردگار مجھے ظالم قوم سے نجات دے اور مجھے ان سے خلاصی عطا فرما اور ان کے پیچھے کرنے سے مجھے محفوظ فرما۔ یعنی اے پروردگار مجھے نجات دے اور ظالمین یعنی فرعون اور اس کے ارکان دولت کے ظلم سے بچا اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ نے ظالموں سے نجات پائی۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق ارادہ فرماتا ہے کہ اسے **من دون اللہ** سے نجات دے کر صرف اپنا بنانا چاہے تو اس سے کوئی فعل مکروہ سرزد ہوتا ہے تاکہ وہ صرف اسی کا ہو جائے جب بندہ امتحان کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو جمال رحمٰن کو پاتا ہے اس سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ اس سے فعل مکروہ کا صدور ہوا تھا وہ اسی وصول الٰہی کا سبب تھا۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

(۱) یک جوانے بر زنے مجنوں بدست
روز و شب بے خواب و بے خور آمد است

بے دل و شوریدہ و مجنوں و مست
(۲) می ندادش روزگار وصل وست

(۳) پس شکنجہ کرد عشقش بر زمین
خود چرا دارد ز اوّل عشق کین

عشق اوّل چرا خونے بود
(۴) تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

چوں فرستادے رسولے پیش زن
(۵) آں رسول از رشک کردے راہزن

ور صبا را پیک کردے در وفا
(۶) از غبارے تیرہ گشتی آں صبا

(۷) راہ ہائے چارہ را غیرت ببست
لشکر اندیشہ را رایت شکست

خوشش ہائے فکرتش بے گاہ شد
(۸) شب رواں را رہنما چوں ماہ شد

(۹) جست از بیم عسس و شب بباغ
یار خود را یافت چوں شمع و چراغ

بود اندر باغ آں صاحب جمال
(۱۰) کز غمش ایں در عنا بدہشت سال

(۱۱) سایۂ او را بتوں امکان دید
ہمچو عنقا وصف اورا می شنید

جز یکے لقیہ کہ اوّل از قضا
(۱۲) بر وے افتاد و شکر اورا دل ربا

(۱۳) چوں در آمد خوش درآں باغ آں جوان
خود فروشد یا بگنجش در ناگہاں

مرعسس ز ساختہ یزداں سبب
(۱۴) تا زبیم او دود در باغ شب

(۱۵) گفت سازندہ سبب را آں نفس
اے خدا تو رحمتی کن بر عسس

بہرایں کردی سبب ایں کار را
(۱۶) تا ندارم خار من یک خار را

(۱۷) پس بد مطلق نباشد در جہان
بد بہ نسبت باشد این را ہم بدان

(۱۸) زہر ماراں مار را باشد حیات
نسبتش با آدمی باشد ممات

خلق را آبے را بود دریا چوں باغ
(۱۹) خلق خاکی را بود آں مرگ و داغ

(۲۰) ہر چہ مکروہ ہست چوں شد او دلیل
سوئے محبوبت حبیب است و خلیل

در حقیقت ہر عدو داروئے تست
(۲۱) کیمیائے نافع و دل جوئے تست

(۲۲) کہ ازو اندر گریزی در خلا!
استعانت جوئے از لطف خدا

در حقیقت دوستانت دشمن اند
(۲۳) کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند

ترجمہ

(۱) ایک نوجوان کسی عورت پر عاشق ہوگیا۔ رات دن نیند اور کھانے کے بغیر گزارنے لگا۔
(۲) بے ہوش اور پریشان اور مجنون اور مست رہنے لگا لیکن زمانہ اسے وصال کا موقعہ نہ دیتا تھا۔
(۳) اسے عشق نے زمین پر شکنجہ کھینچا اول سے ہی عشق کا یہی طریقہ ہے۔
(۴) عشق اول سے ہی خونی ہے وہ اسی سے گریز کرتا ہے جو اس سے باہر رہے۔
(۵) جب عورت کے پاس قاصد بھیجتا تھا الٹا وہی قاصد اس کا رہزن بن جاتا
(۶) اگر وفا کے لئے صبا کو پیام بھیجتا تو وہ صبا غبار بن کر اس کے لئے اندھیر کر دیتی۔
(۷) غیرت نے اس کے تمام راہ بند کر دیئے، اندیشہ کے لشکر نے اس کے جھنڈے توڑ دیئے۔
(۸) اس کے اچھے فکر بے گاہ ہو گئے رات کو جانے والے رہنما چاند کی طرح ہو گئے۔
(۹) کوتوال کے خطرہ سے رات کے وقت باغ میں چلا گیا، شمع و چراغ کی طرح معشوق کو باغ میں پایا۔

(۱۰) وہ صاحب جمال باغ میں ہی تھا جس کے غم سے وہ آٹھ سال مغموم رہا۔
(۱۱) اس کا سایہ امکان سے باہر دیکھا۔ عنقا کی طرح اسکی تعریف سنتا تھا۔
(۱۲) سوائے اسی پہلے دیدار کے کہ قدرتی ہوا اس پر پہلی نگاہ پڑی ۔
(۱۳) جب وہ نوجوان اس باغ میں خوشی سے آیا تو اچانک وہاں خزانہ پالیا۔
(۱۴) کہ قوال کو ہی اللہ نے اس کے وصال کا سبب بنا دیا تاکہ رات کو اس کے خوف سے باغ میں چلا جائے ۔
(۱۵) اس وقت دعا کی کہ اے اللہ تو نے ہی کوتوال کو وصال کا سبب بنا دیا تاکہ رات کو
(۱۶) اسی لئے تو نے اس کو سبب بنایا تاکہ میرے اندر یہ کانٹا (فراق کا) چُبھتا نہ رہے۔
(۱۷) مطلق بُرا کوئی نہیں جہان میں، اگر کوئی بُرا ہے تو بہ نسبت دوسرے بڑوں کے کم یا بیش۔
(۱۸) سانپوں کا زہر سانپ کے لئے تریاق ہے جو انسان کے لئے موت ہے ۔
(۱۹) آبی مخلوق کے لئے دریا کا پانی باغ کی طرح ہے لیکن خاکی مخلوق کے لئے مرگ و داغ ہے۔
(۲۰) جو محبوب کی طرف لے جائے وہ بھی محبوب اور دوست ہے ۔
(۲۱) درحقیقت ہر دشمن تیرا دوا ہے ۔ وہ نافع کیمیا اور تیرا دلجُو ہے ۔
(۲۲) خلا میں جس سے تو بھاگتا ہے اللہ سے استعانت چاہتا ہے ۔
(۲۳) درحقیقت تیرے دوست دشمن ہے جو تجھے بارگاہِ الہٰی سے دُور اور مشغول کرتے ہیں ۔

سبق: جب عاشق الٰہی امتحان حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ خوف زدہ ہوتا ہے اور ڈرتا ہے تو اسے کوئی گمراہ گمراہی میں نہ ڈال دے کہ وہ وصولی الٰہی سے محروم نہ ہو جائے وہ اسی طرح خوف زدہ رہ جاتا ہے جب تک کہ وہ راہِ سلوک طے کرتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے وصول حق کا سوال کرتے ہیں اس لیے کہ اسی سے ہر مقصد کا سوال کیا جاتا ہے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ○ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ○ فَجَاۗءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاۗءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ

أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ
الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○
قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ
اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ
اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ
حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ
اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○
قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا
عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○ ع

ترجمہ

اور جب (موسیٰ علیہ السلام) مدین کی طرف روانہ ہوا کہا اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ بتائے اور جب وہ مدین کے پانی پر آیا تو وہاں لوگوں کا مجمع دیکھا کہ وہ (جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان سے ایک طرف الگ دو عورتیں دیکھیں جو جانوروں کو روکے ہوئی ہیں (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے اُنہوں نے کہا ہم پانی نہیں پلا سکتیں جب تک تمام چرواہے پلا کر ہٹا کر نہ لے جائیں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں تو (موسیٰ علیہ السلام) ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلا کر سایہ کی طرف پھرا اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار جو نعمت مجھے عنایت فرمائی اس کا ضرورت مند ہوں سو ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس شرماتی ہوئی آئی۔ کہا بیشک میرا باپ تمھیں بلاتا ہے تاکہ تمھیں وہ مزدوری دے جو تم نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا۔ تو جب (موسیٰ علیہ السلام) اس کے پاس آیا اور اسے اپنا تمام حال سنایا تو اس نے کہا خوف نہ کر دبیشک تم ظالم لوگوں سے بچ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا اباجی آپ انہیں نوکر رکھ لو بے شک اچھا نوکر وہ ہے جو طاقت ور اور امانتدار ہو۔

کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرلو پھر اگر پورے دس برس کرلو تو تمہاری طرف سے ہے اور میں تمہیں مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ قریب ہے کہ انشاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا کہ یہ میرے اور آپ

کے درمیان اقرار ہو چکا۔ میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں اور ہمارے اس کہے پر اللہ کا ذمہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: ولما توجه تلقاء مدین ۔ التوجہ بمعنی بھلائی کی طرف منہ کرنا اور التلقاء بروزن تفعال لقیت سے اور مصدر ہے اس میں وسعت رکھی گئی ہے۔ اس اعتبار سے اسے ظرف میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے جلس تلقائه بمعنی حذائہ و مقابلته اور مدین شعیب علیہ السلام کے شہر کا نام ہے اور بحر القلزم کے کنارے پر واقع ہے اس شہر کا نام ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے کے نام پر ہے آپ کی اہلیہ قنطورا سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی رہائش گاہ اسی شہر میں رکھی ہوئی تھی اس لیے ان کے نام سے وہ شہر مشہور ہوا اور وہ شہر فرعون کی حکومت میں شامل نہیں تھا مصر اور اس کے درمیان آٹھ دن کا فاصلہ تھا یعنی ایسا فاصلہ تھا جیسے کوفہ و بصرہ کے درمیان ہے متوجہ ہوئے قال اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اور اس پر حسن ظن کرکے اپنے دل میں کہا اگرچہ راستہ نہیں جانتے عسیٰ ربی شاید میرا رب تعالیٰ ان یھدینی میری رہبری فرمائے۔ سواء السبیل سیدھے راستے کی السبیل شارع عام کو کہا جاتا ہے یعنی وہ راستہ جس پر ہر ایک چل سکے یعنی شہر سے باہر جاتے وقت آپ کو تین راستے نظر آئے آپ نے ان میں درمیانے کو اختیار فرمایا آپ کی تلاش کرنے والے آپ کے پیچھے آئے تو درمیانی راستہ کو تلاش نہ کیا اس خیال پر کہ بھاگنے والا سیدھا راستہ نہیں چلتا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں بلکہ اِدھر اُدھر کے معمولی اختیار کرتا اسی لیے انہی دونوں راستوں میں تلاش کرتے رہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کو نہ پا سکے اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام آٹھ دن بلا زاد چلتے رہے کھانا نہ کھایا ایسے ہی پیدل چلتے رہے درختوں کے پتوں پر گزارہ کرتے رہے یہاں تک کہ مدین میں پہنچ گئے۔

سلمی نے فرمایا کہ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف جا رہے تھے لیکن آپ کا دل حضرت ذو المدین یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا۔ مدین کے راستہ کو غم و شوق لقائے حق سے طے کرتے رہے ؎

غمت تا یار امن شد رُوئے درراہ عدم کردم
خوش است آوارگی آنرا کہ ہمراہی چنین باشد

ترجمہ: محبوب کا غم میرا ساتھی ہوا تو میں نے عدم کا راہ اختیار کیا ایسے آوارگی نہایت مبارک ہے کہ جس کا ایسا ساتھی ہو۔

تفسیر صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر مدین سے عالم ازل و ابد مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے حقیقتہً کی خوشبو شہر مدین سے پائی اس لیے کہ وہاں پر شعیب علیہ السلام مقیم تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام اس طرح مشاہدہ و لقائے یار کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ ایسے ہے جیسے حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انی لاجد لنفس الرحمٰن من قبل الیمن بے شک میں رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے قلب اطہر کے باغ سے نسیم حق کی خوشبو کی خبر دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کے قدسی نفوس میں نفحات رحمانی اور ان کے دیدار پُر انوار سے برکات جاودانی نصیب ہوتے ہیں۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السّلام کو تاجِ نبوت سے نوازیں تو انھیں ایک نبی علیہ السّلام کی خدمت میں بھیجا لیکن اس سے قبل انھیں تکالیف و مصائب کا نشانہ بنایا تاکہ اس طرح سے وہ پختہ اور مضبوط ہو جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں فرمایا وفتناك فتونًا اور ہم نے آپ کو پورے طور پر آزمایا یعنی ہم نے آپ کو ابتلاء آزمائش کی بھٹی میں ڈالا تاکہ آپ انوار و تجلیات کے حصول کے لیے صاف و شفاف ہو جائیں۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السّلام مصر سے نکل کر بارگاہ میں گریہ و زاری کی اللہ تعالیٰ نے ان کی گریہ و زاری کو دیکھ کر ان کی دُعا مستجاب فرمائی کہ دشمن کے خطرے سے بے خوف ہو کر قلب کو سکون و اطمینان بخشا اور فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السّلام اب گھبراتے کیوں ہو وہ وقت یاد نہیں جبکہ آپ دشمن کے گھر میں پرورش پا رہے تھے اور پھر اسی کی گود میں بیٹھ کر اس کے چہرہ پر تھپڑ مار دیتے تھے تب بھی اُس نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا اُس وقت بھی ہم نے آپ کی حفاظت کی اب تو آپ جوان ہیں اور دشمن کے شہر سے دور ہیں تو پھر ڈر کاہے کا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہی مدین جانے کا ارادہ فرمایا وہ از خود نہیں گئے وہ اس لیے کہ وہاں اس کا ایک پیغمبر علیہ السلام موجود تھا اس نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت میں پہنچ کر ان کے برکات قدسی صفات سے آراستہ و پیراستہ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام پر تمام راستے مسدود ہو گئے سوائے مدین کے۔ ان کا وہ حال تھا جو خلیل علیہ السلام کا تھا کہ اُنہوں نے بھی اپنے سے تمام راستے مسدود دیکھے تو کہا انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض۔ اس سے معلوم ہوا کہ جواں مرد وہ نہیں جو سواری پر سوار ہو کر کھلی سڑک کا سفر کر کے مقصد کو حاصل کرے بلکہ مرد وہ ہے جو اندھیری رات میں رہبر کے بغیر یار کی گلی تک پہنچ جائے۔ چنانچہ یہی حال اکثر انبیاء علیہم السّلام اور اولیاء کرام کا رہا۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شب تاریک و گردابے چنیں ہائل
کجا دانند حال ما سبکبارانِ ساحلہا

ترجمہ: اندھیری رات اور گرداب بھی سخت ہے اور پھر میرے جیسے کیسے ساحل تک پہنچ سکتے ہیں۔

شرح شعر حافظ قدس سرہٗ از صاحب روح البیان

شبِ تاریک سے جلال الذات مراد ہے کہ رات سے عالم ذات جلالتہ الغالب کی ظلمت کی طرف اشارہ ہے اور بیم موج سے صفات قہر و جلال کا خوف مراد ہے۔ گرد ابے چنیں ہائل سے امتحانات مراد ہیں جو ہلاک و تباہ کرنے ہیں دریا کی موج کی طرح ہیں۔ اس معنی پر یہ مصرعہ بتدی سالک کے لیے ہے یا ارباب احوال کے متوسط درجہ کے خطرات راد ہیں اس لیے کہ یہ حضرات عشق کے دریا میں جب قدم رکھتے ہیں تو ان کو بہت بڑی خطرناک بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ساحل پر جب تک نہیں پہنچتے وہ ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا رہتے ہیں اور "سبکساران ساحلہا" سے وہ لوگ مراد ہیں جو امانت کبریٰ کو نہیں اُٹھا سکتے اور امانت کبریٰ سے عشق مراد ہے۔ جب وہ بار امانت نہیں اُٹھاتے تو بشریت کے جنگل میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ ان سے عام عبادت گزار اور خشک زاہد مراد ہیں دراصل یہ بشریت و حجاب میں گرفتار لوگ ہیں انھیں عشاق (اولیاء) اور ان کے درجات و کمالات اور مشاہدات و کمالات کی خبر نہیں (جیسے وہابی اور اُس کے جملہ ہم نوا فرقے مودودی وغیرہ کا حال ہے اسی لیے ان کی طعن و تشنیع کا سلسلہ اکابر اولیاء پر جاری رہتا ہے) اس لیے کہ ظاہر و باطن میں بہت بڑا فرق ہے۔ یوں سمجھئے کہ ظاہر مکان کا دروازہ ہے اور علوم باطن و اسرار مخفیہ بمنزلہٗ گھر کے اندر کے حصے ہیں یا یوں کہو کہ جیسے بتدی اور منزل مقصود تک پہنچنے والے کے درمیان فرق ہے ایسے ہی ظاہر بین اور باطن کے واقف و عارف کا فرق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عشق اور اس کے جملہ حالات اور الفاظ و مقامات سے گزر کر حقائق و معانی تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: ولما ورد۔ الورود بمعنی اتیان الماء اس کی ضد اور نقیض صدور ہے یعنی کسی شے کی طرف رجوع کرنا۔

المفردات میں ہے الورود بمعنی پانی کا ارادہ کرنا پھر اس کا غیر پانی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پہنچے یعنی تشریف لائے۔ ماء مدین۔ مدین کے کنوئیں پر اور یہ کنواں مدین کے کنارے پر شہر سے تین میل دُور تھا یا اس سے کچھ کم اس سے شہر کے لوگ خود بھی پانی کے کنارے پر جانوروں کو بھی پلاتے تھے۔

عجوبہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب اس کنوئیں تک پہنچے تو سبز پتے کھانے کی وجہ سے آپ کے پیٹ مبارک سے سبز پتوں کے آثار محسوس ہوتے تھے وجد علیہ آپ نے پایا کنوئیں کے کنارہ یعنی کنوئیں کے پانی نکالنے کے اُوپر والے حصے پر امۃ من الناس لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ یسقون پلاتے تھے اپنے جانوروں کو۔ ووجد منھم اور پایا اُن کے ہاں دوسری جگہ میں۔ امرأتین دو عورتیں بی بی صفوریا اور بی بی لیا وہ دونوں یثرون یعنی شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں تھیں۔

(کذافی کتاب التعریف للسہیلی)

تذودان - الذود بمعنی روکنا اور ہٹانا۔ دفع کرنا یعنی وہ دونوں اپنی بکریوں کو کنوئیں پر جانے سے روکتی تھیں۔

ربط: کاشفی نے لکھا کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام ذاتی طور پر شفیق ہوتے ہیں اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے آگے بڑھ کر شفقت کرتے ہوئے فرمایا ماخطبکما الخطب بمعنی وہ امر عظیم جس میں تخاطب بکثرت ہو یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بچیوں سے فرمایا تمہارا کیا معاملہ ہے کہ تم اپنی بکریوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتیں دوسروں کی طرح اپنی بکریوں کو پانی کے لیے کیوں نہیں چھوڑتیں۔

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجنبی عورتوں سے کیوں گفتگو کی حالانکہ اجنبی عورت سے گفتگو کی عام آدمی کو بھی اجازت نہیں اور وہ تو نبی علیہ السلام تھے۔

جواب: انہیں چونکہ اپنی عصمت پر پورا بھروسہ تھا اور عام آدمیوں کی طرح فتنہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو معصوم سمجھتے تھے اسی لیے گفتگو کر لی۔

نکتہ اور ردّ وہابیہ

یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام کسی عورت سے گواہوں کے بغیر نکاح کر لیں تو اُن کے لیے جائز ہے کیونکہ گواہ اس لیے ہوتے ہیں کہ ناکح کے نکاح سے انکار کا خطرہ ہوتا ہے اور ان سے انکار ناممکن۔ یا گواہ اس لیے ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ زن و شوہر کے نکاح سے انکار نہ کریں۔ اور اُمت کے ہر افراد اپنے نبی علیہ السلام سے بدگمانی نہیں کر سکتے اور نہ ہی اُن کے کسی فعل پر انکار کر سکتے ہیں (اس سے انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کا پتہ چلا لیکن وہابیہ تو اپنے ہر فعل و عمل کو انبیاء علیہم السلام جیسا کہہ کر ان کو ہر بات میں اپنی مثل بنانے کی کوشش کرتے ہیں)۔

قالتا لا نسقی حتی یصدر الرعاء الاصدار بمعنی باز رکھنا الرعاء بالکسر راع کی جمع ہے جیسے قیام قائم کی جمع ہے۔ الرعی اصل میں جانور کی نگرانی کو کہا جاتا ہے۔ اس کی ایسی غذا حاصل کر کے جو اس کی زندگی کی محافظ ہو یا اس کے دشمن کو اسے دور رکھ کر اور الرعی بالکسر وہ شے جو غذا بن سکے چارہ وغیرہ اور المرعی بمعنی چراگاہ۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنی یا کسی دوسرے کی نگرانی کرے۔ اسے بھی راعی کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے "تم سب کے سب اپنی رعایا کے بارے میں سوال کیے جاؤ گے"

بعض نے کہا ہے کہ الرعاء وہ لوگ جو جانوروں کو چرائیں یعنی چرواہے اور الرعاۃ وہ جو لوگوں کی نگرانی کریں یعنی حکام وغیرہ۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو اُس وقت پانی پلائیں گی جب دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر یہاں سے ہٹا لے جائیں گے کیونکہ ہمیں ان سے پہلے پانی پلانے کی طاقت نہیں اور وہ چونکہ غیر محرم ہیں اس لیے ہمارا ان کے ساتھ مل کر جانوروں کو پانی پلانا بھی ناجائز ہے ہاں جب وہ بالکل فارغ ہو کر اپنے جانوروں کو یہاں سے ہٹا لیں گے پھر ہم اُن کے جانوروں کا بچا ہوا پانی اپنے جانوروں کو پلائیں گی۔

فائدہ: یہاں سقی۔ ذود اور اصدار کا مفعول محذوف ہے اس لیے کہ یہاں پر اُنہی افعال کا اظہار ضروری ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی انہی افعال کی وجہ سے شفقت فرمائی کہ وہ بیبیاں تو جانوروں کو دُور رکھے ہوئی ہیں اور عاجزی سے دور کھڑی ہیں اور اپنی عفت وعصمت سے کنوئیں پر نہیں جاتیں دوسرے اُن کے حال کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر رحم کرتے ہیں کہ وہ بیچاری اپنے جانوروں کو پانی سے روکے ہوئی ہیں اور پانی کی جگہ پر اُن کے جانور نہیں پہنچ رہے۔ وابونا اور ہمارے والد گرامی یعنی شعیب علیہ السلام شیخ بوڑھے۔ کبیر۔ کبیر السن یا کبیر القدر والشرف ہیں اسی لیے وہ یہاں تشریف نہیں لا سکتے اسی لیے ہمیں بکریوں کے چرانے اور پانی پلانے کے لیے بھیجتے ہیں ہم بنا بر ضرورت بکریاں چراتی اور یہاں پانی پلانے کے لئے آتی ہیں۔

سبق: اس میں اہل زمانہ عبرت حاصل کریں کہ ایک نبی زمانہ کی بکریاں تھیں اور انکی عوام نے پرواہ یعنے تعظیم و تکریم نہ کی۔۔۔ اس لیے کہ ہم عصر لوگ جوہر نبوت و ولایت کو نہیں پہچانتے۔ ایسے ہی ہمارے دور کے جہال کی حالت ہے کہ وہ شریعت کے جوہر سے بے خبر ہیں اور یہ طریقہ ہر دور میں رہا کہ اہل اللہ بہت تھوڑے اور ان کی قدر و منزلت سمجھنے والے بھی قلیل ہوتے ہیں۔ فسقی لھما حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر رحم کھایا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلایا۔

نبی علیہ السلام کی قوت اور ہمارے نبی علیہ السّلام کی ظاہری قوّت

مروی ہے کہ کنوئیں پر بہت بڑا بھاری پتھر ڈال دیتے تھے جسے سات یا دس یا چالیس آدمی مل کر ہٹاتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السّلام نے اکیلے ہی ہٹا کر رکھ دیا باوجودیکہ آپ بھوکے اور سفر کر کے تھکے ہوئے اور پاؤں میں چھالے تھے اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر نبی علیہ السّلام کو چالیس مردوں کی طاقت و قوت دی جاتی

ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس پیغمبروں کے برابر طاقت دی گئی تھی۔ یہ بھی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان بیبیوں کے لیے ان لوگوں کو ہٹا کر کنوئیں سے پانی کھینچنے کا ارادہ فرمایا تو ان لوگوں نے بھاری پتھر کنوئیں پر ڈال دیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام پانی نہ لے سکیں لیکن آپ نے اسے فوراً ہٹا لیا۔ کلام کے سیاق سباق کا یہی تقاضا ہے۔ **ثم**۔ فراغت کے بعد **تولی** اپنی پیٹھ اس طرف پھیر دی جو کنوئیں کے قریب تھی یعنی کنوئیں سے منہ پھیر کر چلے **الی الظل** سایہ کی طرف **الظل** سے وہ جگہ مراد ہے جہاں دھوپ نہ ہو اور وہاں پر ایک درخت تھا۔ دھوپ سے بچنے کے لیے آپ اس کے نیچے چلے گئے اور چونکہ آپ کو بھوک تھی اسی لیے **فقال** کہا **رب انی لما انزلت الی**۔ اے میرے پروردگار تو نے جو کچھ بھی میرے لیے اُتارا **من خیر** سے خیر قلیل ہو کثیر۔ اسے بعض علماء نے طعام پر محمول کیا ہے۔ **فقیر** محتاج اور سائل ہوں۔ اسی معنیٰ الکلام سے متعدی ہونا دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ سالک جب عالم روحانیت میں پہنچے تو اسے چاہیئے کہ معارف کے حصول پر قانع نہ رہے بلکہ وہ بلا واسطہ فیض الٰہی کی طلب کرتا رہے۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تربیت حق میں بچے تھے تو بچوں کی طرح اپنی حد سے آگے نہ بڑھے بلکہ کہا **رب انی لما انزلت** الخ اور جب وہ جوان ہوئے تو بچوں کے طعام پر اکتفا نہ کیا۔ **ادنی انظر الیك** الخ کہا

خلاصہ یہ کہ ابتداء میں آپ نے طعام وغیرہ کی طلب کی لیکن انتہا میں رفع حجاب اور مشاہدہ رب الارباب کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عبودیت سے ربوبیت کو دیکھا تو نہایت خضوع وخشوع اور محتاجی و عاجزی سے گفتگو کی اس لیے کہ آپ کے سر خفی پر انوار ربوبیت کی بارش ہو گئی۔ بنا بریں اسی طرح سوال کیا جیسے بندہ اپنے مولیٰ سے کچھ مانگتا ہے۔ آپ کا یہ سوال **من حیث السوال** اور **من حیث الطلب** تھا۔

فائدہ: حضرت سہل سے پوچھا گیا کہ فقیر صادق کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ جو کسی سے سوال نہ کرے اور جو کچھ ملے اسے رد نہ کرے اور جو مل جائے اسے بند کر کے نہ رکھے۔

حکایت: فارس نے فرمایا کہ میں نے ایک فقیر پر بھوک کے آثار دیکھے میں نے پوچھا کہ آپ کسی سے کچھ مانگتے کیوں نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں کسی سے کچھ مانگوں اور وہ نہ دیں تو فلاح نہ پا سکیں گے۔

ربط: چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بھوکا رہ کر بھی لوگوں سے کچھ نہ مانگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں نے آپ کی بھوک کو محسوس کر کے والد گرامی کے پاس پہنچیں حالانکہ ابھی لوگ اپنے جانور واپس نہیں لا سکے اور نہ ہی بیبیوں نے اپنی بکریاں ساتھ لیں۔ شعیب علیہ السلام ان کی جلدی سے سمجھ گئے کہ کوئی نیا معاملہ ہے۔ اسی لیے فرمایا بیٹیو! کیوں جلدی آ گئی ہو۔ انھوں نے کہا کہ آج ہم نے ایک نیک انسان دیکھا ہے جس نے ہمارے حال پر رحم کر کے ہماری بکریوں کو پانی پلایا لیکن فراغت کے بعد درخت کے سایہ تلے گیا تو کہا رب انی لما انزلت الخ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ نیک انسان بھوکا معلوم ہوتا ہے لہٰذا تم میں سے ایک جا کر اسے میرے ہاں لے آئے **فجاءته احداهما** والد گرامی کے ہاں پہنچنے کے بعد ان میں ایک موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آئی۔ علماء فرماتے ہیں اس سے بڑی صاحبزادی یعنی بی بی صفورا مراد ہے۔

سوال: (وہابیہ) شعیب علیہ السلام کو کیسے جائز تھا کہ اپنی لڑکی کو ایک اجنبی کے ہاں بھیج دیا۔

جواب (۱) آپ کے ہاں کوئی ایسا مرد نہیں تھا جو آپ کے معاملات کو سمیٹ سکے۔

جواب (۲) قرینۂ حال سے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی صلاحیت و اہلیت اور عفت اور پاکدامنی محسوس ہو گئی تھی۔

جواب (۳) نورِ وحی سے آپ کو علم ہوا۔

اسی تیسرے جواب کے مطابق ہم انبیاء علیہم السلام کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ انھیں اللہ سے علم غیب عطا ہوتا ہے جسے وہابیہ شرک سے تعبیر کرتے ہیں[1]۔

تمشی یہ جاءته کے فاعل سے حال ہے یعنی درآنحالیکہ وہ بی بی صفورا چلتی تھی۔ **علی استحیاء** شرمیلی ہو کر جیسے باکرہ لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے۔ **الاستحیاء** بمعنی شرم و حیا کرنا۔

فائدہ: حضرت ابو بکر بن طاہرؒ نے فرمایا کہ کامل ایمان اور شرافت جوہر اور مکرم ترین نسب ہونے کی وجہ سے حیاء و شرم کے طریقہ سے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آئیں۔

حدیث شریف

حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

فائدہ: اعرابی نے کہا انسان ہمیشہ باعزت رہتا ہے جب تک اس میں حیاء و شرم ہو اور ٹہنی اس وقت تک بارونق رہتی ہے جب تک اس میں پتے ہوں **قالت**۔ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے کہا بی بی صاحبہ نے **ان ابی یدعوك لیجزیك** میرے والد گرامی آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ کو

[1] اضافہ از اویسی

بدلہ دیں۔ اجرما ستقیتلنا۔ آپ کی وہ مزدوری جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلایا۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبول کر لیا لیکن کسی طمع و لالچ کی بناء پر نہیں بلکہ شعیب علیہ السلام کے ہاں تقرب اور آپ کی زیارت کے ارادہ پر تشریف لے گئے اور پہاڑی علاقہ کی وجہ سے گھبرائے ہوئے بھی تھے اسی لیے کہیں آبادی میں ٹھہرنا چاہتے تھے جونہی آپ کو شعیب علیہ السلام کا پیغام پہنچا تو آپ نے فوراً مان لیا اور چل پڑے چونکہ آپ راستہ سے ناواقف تھے اس لیے بی بی صفورا آگے چل پڑیں اور آپ اُن کے پیچھے ہو لیے لیکن چونکہ ہوا کے جھونکوں سے بی بی صفورا کی پنڈلی سے کبھی کپڑا کھل جاتا تھا اسی لیے آپ نے بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ آپ میرے پیچھے ہو کر مجھے راستہ بتاتی چلو۔ چنانچہ بی بی صفورا موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے چل پڑیں اور راستہ بتاتی رہیں یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام کے ہاں پہنچ گئے۔ بی بی صفورا نے آگے ہو کر والدِ گرامی کو موسیٰ علیہ السلام کو لانے کی خبر سنائی۔ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی اُس وقت شعیب علیہ السلام سخت بوڑھے ہو چکے تھے اور آنکھوں کی بینائی بھی بڑھاپے سے متاثر تھی۔ موسیٰ نے السلام علیکم کہا شعیب علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور گلے لگا کر اپنے سامنے بٹھا کر طعام پیش کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے تو آپ کی بچیوں کی فی سبیل اللہ امداد کی تھی۔ آپ مجھے کھانا کھلا رہے ہیں۔ چونکہ میں خاندانِ نبوت یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہوں اسی لیے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ اس کا معاوضہ نہ ہو جائے جو میں نے آپ کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ شعیب علیہ السلام نے فرمایا نہیں عزیز یہ تو ہماری عادت ہے کہ جو بھی ہمارے ہاں آتا ہے ہم اُسے کھانا کھلاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی تسلی دلانے سے کھانا کھایا۔

مسئلہ: جو بھی کسی کے ساتھ احسان کرے اگر اسے کوئی شے ہدیہ کے طور پر دی جائے تو اُسے لینا حرام نہیں۔

فلما جاءہ جب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں آئے وقص علیہ القصص اور بیان کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا وہ ماجرا جو آپ پر گزرا القصص مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے علل بمعنی معلول آتا ہے۔ قال شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا لا تخف نجوت من القوم الظالمین آپ نے ظالم قوم یعنی فرعون اور اُس کی قوم سے نجات پائی اس لیے کہ اس کا یہاں ہمارے ہاں کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ہم اس کے زیرِ حکم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ قلب پر ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں اسے نفس کے ہر وقت خطرات لاحق ہوتے ہیں بلکہ اس کے صفات کے ظلم سے قلب

کو سخت گھبراہٹ ہوتی ہے۔ جب قلب بذریعہ سرخفی مقام روح تک پہنچ جاتی ہے تو پھر وہ نجات پا جاتی ہے پھر اسے نفس کے ظلمات کا خطرہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی صفات کے ظلم کا ڈر اس لیے کہ جب تک مجاہد دارالحرب میں ہوتا ہے اسے ہر وقت دشمن کا خوف رہتا ہے جونہی اسلام کی حدود میں داخل ہوتا تو اس سے ہر طرح کے خطرات ٹل جاتے ہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جسے کوئی خوف اور خطرہ لاحق ہوتا ہے تو اُسے **لا تخف** سے تسلی دیتے ہیں اور جو نڈر اور بے باک ہو جائے اسے خف (ڈر) بولتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لا تخافوا ہست نزل خائفاں
ہست در خور از برائے خائف آں
ہر کہ ترسد مر اورا ایمن کنند
مر دل ترسندہ را ساکن کنند
آنکہ خوفش گوئی مترس
درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ: لا تخافوا (نہ خوف کرو) خائفین کی مہمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کے لائق یہی ہے۔
جو کوئی ڈرتا ہے اسے تسلی دلاتے ہیں۔ خوف زدہ دل کو سکون و اطمینان سے نوازتے ہیں۔
جسے خوف ہو اُسے کہتے ہیں مت ڈر۔ اسے کیا سبق پڑھاتے ہو درس کا محتاج نہیں۔

ملفوظ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ: محبوب کبریا عاشق مصطفےٰ سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسے رہو کہ گویا تم نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا ہے یعنی ہر وقت خوف زدہ اور مغموم رہو۔

فائدہ: حضرت شعیب بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں جب حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا ہوں ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا وہ کسی موذی درندوں کے جنگل میں رہتے ہیں یعنی خوف اور ڈر سے گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں اور جب حضرت عبدالعزیز بن ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا ہوں گویا وہ قیامت کے دریچے کو جھانک کر دیکھ رہے ہیں۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاں نعمت ظاہری سے پرورش پائی لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی اور سفر اور غیر علاقہ کی مشقتیں اُٹھائیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں شعیب علیہ السلام کے ہاں ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا[1]۔

[1] اگلے صفحہ پر

سافر تجد عوضا عمن تفارقه
وانصب فان اكتساب المجد فی النصب
فالاسد لولا فراق الخیس ما افترست
والسهم لولا فراق القوس لم یصب

ترجمہ (۱) سفر کرو اس میں وطن کی جدائی کا بہترین عوض پاؤ گے۔ دکھ اُٹھاؤ اس لیے بزرگی دکھ درد اُٹھانے میں ہے۔
(۲) شیر کو جنگل چھوڑ کر باہر جانا نہ ہو تو کب حملہ کرتا ایسے ہی تیر جب تک کمان کو نہ چھوڑے گا شکار خاک کرے گا۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا ؎

بلاد اللہ واسعة فضاء ورزق اللہ فی الدنیا فسیح
فقل للقاعدین علی ھوان اذا ضاقت بکم ارض فسیحوا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے شہروں کی وسیع فضا ہے اور اللہ تعالیٰ کا رزق دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔
گھر میں بیٹھنے والوں کو فرماد دکھ ذلت وخواری اُٹھالو۔ جب تمھیں علاقہ کے لوگ تنگ کریں تو ہجرت کرو۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی اگرچہ حب الوطن من الایمان (وطن کی محبت ایمان کی علامت ہے) اگرچہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن سختی سے مرنا اچھی صرف اس خیال سے کہ میں یہاں پیدا ہوا تھا۔ (درست نہیں۔)

فائدہ: دیکھیے کہ موسیٰ علیہ السلام اگرچہ مصر میں پیدا ہوئے لیکن جب آپ پر مصر میں تکلیف وپریشانی کا حملہ ہوا تو مدین کی طرف ہجرت کر گئے تو وہاں ظاہری باطنی نعمت سے مالا مال ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ولی کامل نہ زمانی ہے نہ مکانی بلکہ وہ وہاں چل پڑتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے اور پھر وہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا اگرچہ اسے ترک وطن کو چھوڑنا پڑے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے تو مسافری بھی اسی کا وطن ہے اور ہر تنگی اس کے لیے وسعت ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کجا باشد شہ مارا بساط ہست صحرا اگر بود سم الخیاط

۱؎ کسی نے فرمایا: اگر آجائے کوئی شعیب میسر تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے۔

ہر کجا یوسف رخی باشد چو ماہ　　جنت است آن اگرچہ باشد قعر چاہ

ترجمہ: جہاں محبوب کا قیام ہو وہ وسیع علاقہ متصور ہوتا ہے اگرچہ وہ جگہ سوئی کے ناکہ کے برابر ہو۔
جہاں محبوب یوسف چاند کے چہرے والا ہو وہ اگرچہ اندھا کنواں ہو تب بھی عاشق کے لیے جنت ہے۔

تفسیر عالمانہ: قالت احدٰھما۔ کہاں ان کی ایک نے۔ مفسرین نے فرمایا اس سے شعیب علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی یعنی بی بی صفورا تے اپنے والد گرامی سے عرض کی یاد رہے کہ اسی بی بی صفورا کے عقد نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

یا ابت اباجی۔ استاجرہ اسے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں خادم رکھ لیں تاکہ بکریاں بھی چرائیں اور آپ کے دیگر گھریلو معاملات بھی سمیٹیں ان خیر من استاجرت القوی الامین یہ لام عہدی نہیں بلکہ جنسی ہے اس معنی پر موسیٰ علیہ السلام بھی اس میں داخل ہوں گے۔ القوی بمعنی طاقت ور الامین بمعنی استوار مضبوط۔
اس میں اشارہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام صاحب قوت اور امین ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور امانت کی دلیل

مروی ہے کہ جب صاحبزادی نے شعیب علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں خادم رکھنے کی استدعا کی تو آپ نے صاحبزادی سے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ طاقتور اور امین ہے۔ صاحبزادی نے عرض کی کہ جب کنوئیں کو چرواہوں نے بھاری پتھر سے بند کر دیا تو اس نوجوان اکیلے نے پتھر کو ہٹا دیا اور بہت بڑے ڈول کو پانی سے بھر کر بھرتی سے بکریوں کو تھوڑی دیر میں سیر کر دیا اور جب میں آپ کے حکم سے اسے بلانے کے لیے لے گئی تو پھر میری طرف آنکھ بھی نہ اٹھائی اور تقویٰ و تورع کا یہ عالم تھا کہ جونہی میں اسے آپ تک لے آئی۔ مجھے دیکھا تک نہیں بلکہ جب میں آگے چلی تو مجھے پیچھے چلنے کا فرمایا کہ کہیں میرا جسم کا کوئی حصہ دیکھا نہ جا سکے۔

فائدہ: صرف ان دو عادتوں کا ذکر اس لیے خصوصی طور پر ہوا کہ اُس وقت صرف دو خصلتوں کی ضرورت تھی:۔

(۱) قوت و طاقت تو اس لیے کہ کنوئیں سے پانی لینا سخت دشوار امر تھا۔
(۲) امانت اس لیے کہ آنکھ کو بچانا اور نفس کو محفوظ رکھنا بھی معمولی معاملہ نہیں۔

اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے سامنے بھی اپنی یہی دو صفات ظاہر فرمائیں کما قال انی حفیظ علیم اس لیے کہ حفظ و علم یہ دونوں صفتیں اس وقت بادشاہ کو ضروری تھیں۔

(١) حفظ تو اس کے لیے کہ خزانہ شاہی کی نگرانی معمولی بات نہیں تھی۔
(٢) اس خزانہ کے آمد و خرچ کی معرفت بھی مشکل امر تھا۔

حکایت : حضرت شریح صرف ان تین آیات کی تفسیر بیان فرماتے تھے :۔

(١) الذی بیدہ عقدۃ النکاح فرمایا کہ یہاں الذی بیدہ الخ سے شوہر مراد ہے۔

(٢) و اٰتینٰہ الحکمۃ و فصل الخطاب ۔ فرمایا حکمۃ سے فقہ و علم اور فصل الخطاب سے بینہ اور ایمان مراد ہے۔

(٣) ان خیر من استأجرت القوی الامین اس کی وہی تفسیر بتائی جو ہم نے پہلے لکھی ہے یعنی رفع الحجر و غض البصرؑ (قال) حضرت شعیب علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت کا علم ہوا تو فرمایا انی اُرید بیشک میں چاہتا ہوں۔ ان انکحک میں آپ کا عقد نکاح کردوں۔ احدی ابنتی ھاتین اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ۔ اس سے بی بی صفورا رضی اللہ عنہا مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ اذ قال لاھلہ امکثوا الخ میں ہے۔ علی ان تاجرنی ۔ یہ انکحک کے مفعول سے حال ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے کہ کہا جاتا ہے۔ اَجَرْتُہٗ ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا مزدور ہو جائے جیسے کہا جاتا ہے۔ ابوتہ ۔ یہ اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی شے کا باپ ہو تو وہ اس کے لیے یہ لفظ کہے۔ (کشاف) اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ ہمارے مزدور رہیں گے۔ ثمانی حجج آٹھ سال تک۔ یہ ظرف حجۃ (بالکسر) بمعنی السنۃ (سال کی جمع ہے)

فائدہ : یہ شرط شعیب علیہ السلام نے اپنے لیے لگائی ورنہ حق مہر کا مطالبہ ہوتا تو فرماتے ان تاجرھا اسی لیے اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ حق مہر میں آٹھ سال کی مزدوری کی شرط کیسی ۔ یا اس کا یہ جواب ہوگا کہ ان کی شریعت میں حق مہر میں شوہر سے مزدوری کی شرط جائز تھی اور عورت کے متولی کو ایسی شرط لگانا جائز تھا اور ہماری شریعت میں بھی ابتدائے اسلام میں جائز تھا کہ شوہر سے مدت معلومہ تک حق مہر کے عوض بکریاں چرانے کی شرط لگائی جائے۔

فائدہ : عین المعانی میں ہے کہ پہلی میں متولی کو جائز تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کے حق مہر میں ان کو شوہروں سے مدت معلومہ تک مزدوری کرائیں لیکن ہمارے اسلام میں یہ حکم و اٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ سے منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ : ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حق مہر کے عوض سے منافع حاصل کرنا ممنوع ہے اور

عہ کنوئیں سے پتھر ہٹانا اور غیر محرم سے آنکھ چرانا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ: مہر میں مال متقوم ضروری ہے یہی ہماری شریعت کا حکم ہے کما قال اللہ تعالیٰ: **ان تبتغوا باموالکم** اور یہ بھی ضروری ہے کہ مہر عورت کو دیا جائے نہ کہ اس کے متولی کو کما قال۔ **واٰتوا النساء صدقٰتهن**۔ (اور یہ کہ عورتوں کو ان کے مہر دو)۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی عورت سے نکاح کیا کہ مہر کے عوض اپنی عورت کو میں تعلیم قرآن دوں گا، یا اپنی عورت کی ایک سال تک خدمت کرے گا تو نکاح ہو جائے گا لیکن شوہر کو مہر مثلی ادا کرنی ہوگی اسی لیے تعلیم القرآن اور خدمت مال متقوم نہیں۔ ہاں اگر شوہر غلام ہو تو خدمت ایک سال تک کی شرط جائز ہے اس لیے خدمت غلام کے حق میں بمنزلہ مال متقوم ہے لیکن آزاد کے لیے خدمت مال متقوم نہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت میں **ثمانی حجج** کو مہر پر محمول کیا جائے یا شرط پر یہ شعیب علیہ السلام کی شریعت کا مسئلہ ہے۔ ہماری شریعت سے اسے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ مہر کا عوض باپ کا حق نہیں بلکہ عورت کا حق ہے ایسے ہی شرط لگانا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بھی تحصیل منافع میں داخل ہے اسی لیے ناجائز ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں رکھنے کے لیے ایک شرط لگائی جس پر دونوں متفق ہو گئے اسے عقد نکاح سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے یہاں یہ بحث بے سود ہے کہ ایسی شرط یا مہر میں خدمت جائز ہے یا نہ اور وہ شعیب علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھی اور ہماری شریعت میں ناجائز وغیرہ وغیرہ۔

فان اتممت عشراً۔ پس اگر آپ خدمت دعمل کے دس سال مکمل کریں گے **فمن عندك** تو یہ اتمام آپ کی طرف سے احسان و مروت ہوگی۔ میری طرف سے آپ پر ضروری نہ ہوگا۔ **وما ارید ان اشق علیك** اور میں نہیں چاہتا کہ میں آپ کو مشقت میں ڈالوں یعنی میں ایسا ارادہ نہیں رکھتا کہ آپ پر دس سال کی خدمت لے کر آپ کو دکھ اور تکلیف کا نشانہ بناؤں اور اندریں اثنا آپ کو آسان سے آسان کام بتاؤں گا ایسا کام میری طرف سے آپ کے ذمہ نہ ہوگا جس سے آپ کو تکلیف ہو۔

حل لغات: **المشقة** شق سے ہے ہر وہ شے کہ جس سے آپ کو خیال ہو کہ اس کی برداشت مشکل ہوگی پھر اس کے متعلق رائے مضمحل ہو کہ نامعلوم کیا بنتا ہے۔

علم غیب نبی: بعض عرفاء نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے نورِ نبوت سے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ سال میں درجۂ کمال کو پہنچ جائیں گے بعد ازاں انہیں کسی تربیت کی ضرورت نہیں رہے گی اور چونکہ ان کا مکمل ترین درجہ پہنچنا دس سال سے منسلک تھا۔ اس لیے انہیں دس سال کا بھی

فرمادیا۔ یہ بھی نورِ نبوت سے دیکھا اور ساتھ ہی انھیں نورِ نبوت سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام دس سال تک مقام ارادہ تک پہنچیں گے۔ اس کے بعد ان کا مقام استقلال و استقامت شروع ہو جائے گا اس کے بعد استقلال و استقامت مقام ارادہ کا حاصل نہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا انی ادید الخ (یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو علم غیب عطا ہوتا ہے جسے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نورِ نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اور ہم علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں لیکن مارکہ[2] اسے مشرک کہتے ہیں ناظرین خود ہی سوچیں کہ یہ شرک کا فتویٰ کہاں کی بلا ہے[1])

صاحب روح البیان کی صوفیانہ تقریر

صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس تاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک تیس سال تھی کیونکہ آپ مدین سے دس سال گزار کر جب مصر کو روانہ ہوئے تو راستہ میں آپ کو نبوت کا پیغام بذریعہ وحی پہنچا اور پہلے تحقیق کی جا چکی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور یہی طریقہ کار ہر زمانہ میں اولیاء اللہ کا ہے کہ ان حضرات کو سلوک کی اٹھنیں یا چالیس سال کی عمر میں درجۂ فنا و بقا ملتا ہے اور یہیں پر دنیا کے رزق (نفسانی) کو ختم کر کے عالم ملکوت کی غذا حاصل کرتے ہیں (اسے اچھی طرح سمجھ لو) ورنہ وہابی ہو جاؤ گے) اویسی

ستجدنی انشاء اللہ من الصالحین آپ مجھے معاملہ سنجی اور خیر خواہی اور وفاداری میں صلاحیت و اہلیت کا مالک پائیں گے اور انشاء اللہ کہنا محض تبرک کے طور پر ہے علاوہ ازیں اپنے اُمور اللہ تعالیٰ کی توفیق پر چھوڑ دیئے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ امور مذکورہ بالا میں جد و جہد چھوڑ کر صرف اسی پر بھروسہ کریں گے۔

فائدہ: حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی محبت میں روتے ہوئے آنکھیں دے بیٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھیں لوٹا دیں اور فرمایا کہ اے شعیب کیوں روتے ہو بہشت کے شوق سے یا دوزخ کے خوف سے عرض کی اے اللہ تو ہی خوب جانتا ہے کہ مجھے نہ بہشت کی لالچ ہے نہ دوزخ کا خوف لیکن چونکہ میں تیرے ساتھ محبت کا اعتقاد رکھتا ہوں لیکن تیری لاپرواہی کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ نا معلوم تو میرے ساتھ کیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں وحی بھیجی کہ اے شعیب اگر تم واقعی میری محبت رکھتے ہو تو اس سے تمھیں بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ اسی تیری محبت سے ہی، میں نے موسیٰ علیہ السلام یعنی اپنے کلیم کو تیری خدمت میں

---

[1] اضافہ اویسی [2] یعنی وہابی

بھیجا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے بھاگنا اس طرف اشارہ ہے کہ طالبِ حق پر لازم ہے کہ مقام نفس امارہ سے کوچ کر کے عالم قلب کی طرف سفر کرے اور فرعون جیسے بڑے دوست سے بھاگ کر شعیب علیہ السلام جیسے حبیبِ خدا کے ساتھ تعلق پیدا کرے اور اپنے پیر و مرشد کی صدق و ثبات کے ساتھ خدمت کرے۔

مروی ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم نے سترہ سال لکڑیاں سر پر اٹھا کر نفس کی سرکوبی کی اور علی ان تاجرنی ثمانی حجج میں صوفیاء کرام کے طریقہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کا مریدین سے خدمت لینا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شبان وادی ایمن گہی رسد بمراد
کہ چند سال بجان خدمت شعیب کند

ترجمہ: مرید اُس وقت مراد کو پہنچتا ہے جب کہ وہ چند سال اپنے مرشد کی خدمت کرے۔

تفسیر عالمانہ: قال۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ذٰلك جیسے آپ فرما رہے ہیں اور شرطیں لگا رہے ہیں وہ مجھے منظور نہیں اور میں ان پر قائم اور ثابت قدم ہوں بینی و بینك میرے اور آپ کے درمیان ہے یعنی میں اپنی شرط سے باہر نہ جاؤں گا اور نہ آپ اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کریں گے ایما الاجلین قضیت ایّ شرطیہ ہے اور قضیت کی وجہ سے منصوب ہے اور زائدہ اور ایّ کے ابہام کی تاکید کرتا ہے اور اَجَلٌ شے کی مدت کو کہا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے شعیب علیہ السلام آپ مدت کو بڑھائیں یا گھٹائیں میں آپ کی خدمت میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

شرط کا جواب۔ فلا عدوان علیّ ہے تو مجھ پر تعدی اور تجاوز نہ ہوگا یعنی نہ دس سے زائد مدت ہوگی اور نہ آٹھ سے کم واللہ علی ما نقول جتنا شرائط ہم بیان کر رہے ہیں اللہ پر اللہ تعالیٰ وکیل شاہد اور حفیظ ہے ہم کسی ایک شرط کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اس معاہدہ کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے اور دس سال تک بکریاں چراتے رہے۔

(کذا فی فتح الرحمٰن)

فائدہ: مروی ہے کہ جب عقد نکاح کی رسم مکمل ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام سے شعیب علیہ السلام

نے فرمایا کہ میرے گھر میں داخل ہو کر ایک عصا اُٹھا لیجئے اس لیے کہ شعیب علیہ السّلام کے ہاں انبیاء علیہم السلام کے عصا مبارک تھے۔ حضرت موسیٰ علیہم السلام نے وہی عصا اُٹھایا جو آدم علیہ السّلام بہشت سے اُٹھا کر لائے تھے انبیاء علیہم السّلام کو وراثۃً ملتا رہا یہاں تک کہ شعیب علیہ السّلام کو وراثت میں ملا چونکہ وہ کپڑوں سے لپیٹا ہوا تھا حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے نہ اُٹھایا اسی خوف سے کہ شاید کہ وہ اس کے لائق نہ ہوں لیکن جونہی آپ کوئی عصا اُٹھاتے تو آپ کے ہاتھ میں وہی عصا آجاتا یہاں تک کہ سات بار ایسے ہی ہوا اسی سے شعیب علیہ السّلام کو معلوم ہُوا کہ یہ عصا موسیٰ علیہ السلام کے لائق ہے۔

معجزہ موسیٰ علیہ السّلام

مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے کے لیے گھر سے باہر نکلے تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ عزیزم جب آپ چوک میں پہنچیں تو دائیں جانب کے راستہ پر ہرگز نہ جانا اگرچہ وہاں گھاس بہت ہے لیکن وہاں ایک اژدہا ہے جس سے مجھے آپ کی جان اور بکریوں کا خطرہ ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام جب چوک پر پہنچے تو بکریاں بھاگ کر دائیں جانب کو چلی گئیں موسیٰ علیہ السّلام نے روکنے کی کوشش کی لیکن نہ روک سکے آپ بھی اُن کے پیچھے ہوئے لیکن وہاں تو بکریوں کے لیے بہترین گھاس تھا۔ موسیٰ علیہ السلام ایک جگہ سو گئے تو اژدہا نکل آیا۔ عصا نے اس کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اسے مار دیا اور خون آلود ہو کر واپس موسیٰ علیہ السلام کے کنارے پر گیا موسیٰ علیہ السلام اُٹھے دیکھا کہ عصا خون آلود ہے اور اژدھا مرا پڑا ہے اس سے خوش ہو کر شعیب علیہ السّلام کے ہاں واپس لوٹے اور تمام ماجرا سُنایا۔ اس سے شعیب علیہ السلام کو مزید یقین ہُوا کہ واقعی موسیٰ علیہ السّلام اور عصا کی شان ارفع و اعلیٰ ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام کا دوسرا معجزہ

حضرت شعیب علیہ السّلام نے فرمایا اس سال جتنا بکریوں کے بچے دررع و درعار پیدا ہوں گے وہ سب آپ کے۔

فائدہ: درعا و درعا ہر وہ بکری اور بکرا جس کے سینے سفید اور ران سیاہ ہو (کذا فی القاموس) اسی معاہدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں حکم فرمایا کہ اپنا عصا اس میں ماریں جہاں سے بکریاں پانی پیتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السّلام نے ایسے ہی کیا تو وہاں سے بکریوں نے پانی پیا۔ اسی سال تمام بکریوں نے اسی طرح بچے جنے جیسے شعیب علیہ السّلام نے شرط لگائی تھی اس سے شعیب علیہ السّلام نے سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ
نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْۤ اٰتِيْكُمْ
مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ○ فَلَمَّاۤ
اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ
مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَاَنْ
اَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۤنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ
لَمْ يُعَقِّبْ ۖ يٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ○
اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۤءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۤءٍ وَّاضْمُمْ
اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ
اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ○ وَاَخِيْ
هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْۤ
اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ○ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ
وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَاۤ ۚ اَنْتُمَا
وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ○ فَلَمَّا جَاۤءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا
بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا
بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ
جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ

لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي ۚ فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ○ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ○ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ○ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ○ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ ○ ع

ترجمہ

پھر جب موسیٰ نے اپنی میعاد پوری کر دی اور اپنی بی بی کو لے کر چلا طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی۔ اپنی گھر والی سے کہا تم ٹھہرو مجھے طور کی طرف سے ایک آگ نظر پڑی ہے شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمھارے لیے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں کہ تم تاپو۔ پھر جب آگ کے پاس حاضر ہوا ندا کی گئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے مقام میں پیڑ سے کہ اے موسیٰ بیشک میں ہوں اللہ رب سارے جہان کا اور یہ کہ ڈال دے اپنا عصا۔ پھر جب موسیٰ نے اسے دیکھا لہراتا ہوا گویا سانپ ہے پیٹھ پھیر کر چلا اور مڑ کر نہ دیکھا اے موسیٰ سامنے آ اور ڈر نہیں بیشک تجھے امان ہے۔ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال نکلے گا سفید چمکتا بے عیب اور اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لے خوف دور کرنے کو تو یہ دو حجتیں ہیں تیرے رب کی۔ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بے شک وہ بے حکم لوگ ہیں۔ عرض کی اے میرے رب میں نے ان میں ایک جان مار ڈالی ہے۔ تو ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں اور میرا بھائی ہارون اس کی زبان مجھ سے زیادہ صاف ہے تو اسے میری مدد کے لیے رسول بنا کر میری تصدیق کرے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرمایا قریب ہے کہ ہم تیرے بازو کو تیرے بازو سے قوت دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے تو وہ تم دونوں کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے سبب

تم دونوں اور جو تمھاری پیروی کریں گے غالب آؤ گے۔ پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں لایا بولے یہ تو نہیں مگر بناوٹ کا جادو۔ اور ہم نے اپنے اگلے باپ داداؤں میں ایسا نہ سنا اور موسیٰ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لایا اور جس کے لیے آخرت کا گھر ہوگا۔ بیشک ظالم مراد کو نہیں پہنچتے۔ اور فرعون بولا اے درباریو میں تمھارے لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا تو اے ہامان میرے لیے گارا پکا کر ایک محل بنا کہ شاید میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں اور بیشک میرے گمان میں تو وہ جھوٹا ہے اور اس نے اور اس نے لشکریوں نے زمین میں بے جا بڑائی چاہی اور سمجھے کہ انھیں ہماری طرف پھرنا نہیں۔ تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑا اور دریا میں پھینک دیا تو دیکھو کیسا انجام ہوا ستمگاروں کا اور انھیں ہم نے دوزخیوں کا پیشوا بنایا کہ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ ہوگی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگائی اور قیامت کے دن ان کا بُرا ہے۔

(بقیہ مضمون سابق)

جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیں۔

مسئلہ: ہماری شریعت میں اس طرح کی شرط غیر واجب ہے لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام وعدہ کے پکے ہوتے ہیں اسی لیے ایفاءِ عہد فرمایا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت — کے تواند صید دولت زو گریخت

پس پیمبر گفت بہر ایں طریق — با وفا تر از عمل بنی رفیق

گر بود نیکو ابد یارت شود — ور بود بدور لحد یارت شود

ترجمہ: جس نے وفا کا گھونٹ زمین پر گرایا پھر اس سے دولت کا شکار کب بھاگ سکتا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ وفا سے بہتر اور کوئی عمل نہیں۔

اگر نیکی ہے تو وہ ہمیشہ تیرا ساتھی ہوگا اگر وہ بُرا ہے تب بھی وہ تجھے قبر میں نہ چھوڑے گا۔

تفسیر عالمانہ: فلما قضی موسی الاجل۔ فاء فصیحیہ ہے یعنی عقد مکمل ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری کو خوب نبھایا بالآخر شرط کے مطابق صحیح اُترے اور میعاد مقررہ پوری ہوئی۔

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس سال کے بعد کی تکمیل کی یعنی دس سال شعیب علیہ السلام کی بکریاں

چراہیں۔ پھر آپ کو وطن کی محبت نے ستایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی جوانی لوٹ آئی: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب وطن جانے کی تیاری کی تو شعیب علیہ السلام رو پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا آپ وطن جا رہے ہیں لیکن میرا حال یہ ہے کہ کمزوری حد سے بڑھ گئی ہے اور بڑھاپا سر چڑھ گیا ہے (بہتر تھا آپ نہ جاتے) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے گھر سے آئے طویل عرصہ ہو گیا ہے۔ میری ماں میری بہن بھائی ہارون بڑے سخت غمگین ہوں گے اور میری ایک بہن فرعون کے قبضہ میں تھی اس لیے بھی مجھے ہر وقت پریشانی رہتی ہے۔ شعیب علیہ السلام اُٹھے اور کھڑے کھڑے دُعا مانگی۔ آپ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

یا رب بحرمة ابراهيم الخليل و اسماعيل الصفی و اسحاق الذبيح و يعقوب الكظيم و يوسف الصديق ۔ اے اللہ ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب و یوسف علیہم السلام کے طفیل میری قوت اور میری بصارت (بینائی) واپس لوٹا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام (آمین) کہتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کی قوت لوٹا دی اور آپ کی بینائی بھی بحال ہو گئی۔ اس کے بعد اپنی صاحبزادی صفورا موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وسار** اور موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر مدین سے مصر کو روانہ ہوئے۔ **السیر** بمعنی زمین پر چلنا تھا۔ **باھلہ**۔ اپنی اہلیہ یعنی بی بی صفورا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اُس وقت ایک بچہ بھی پیدا ہو چکا تھا جو کہ وہ روانگی کے وقت ساتھ تھا کذا فی کشف الاسرار اسی لیے کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ لے چلے موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو۔ اس موقع پر بار تعدیہ کی ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ: حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب محبت و عشق کی معیاد پوری ہوئی اور قربت اور نزدیکی کے ایام قریب ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انوار کے آثار ظاہر ہوئے تو اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے گئے تاکہ ہر دو صنعت باری تعالیٰ کے معائنہ و مشاہدہ میں مشترک ہوں۔

ربط: کشف الاسرار میں ہے کہ ظہر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ جب رات ہوئی تو جنگل میں پہنچے رات اندھیری تھی۔ ایک وادی کے کنارے خیمہ لگایا اور اہلیہ کو اس میں بٹھایا لیکن جونہی رات ہوئی تو موسلا دھار بارش و باراں سے تربتر ہو گئیں یعنی وہی بکریاں جو شعیب علیہ السلام نے ساتھ

---

[1] یہی الفاظ قدیم سے اہل حق استعمال کرتے چلے آئے ہیں لیکن وہابیہ کی بدبختی کہ وہ اس طرح کے الفاظ دعا میں کہنے کو ناجائز کہتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کے دائرہ میں شامل کرتے ہیں۔

بھیجی تھیں اور انہوں نے بھی انھیں ساتھ لے لیا اور اُس وقت بی بی صفورہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں۔ بی بی صاحبہ کو درد زہ شروع ہوا۔ دیا سلائی جلائی لیکن پانی پڑنے کی وجہ سے دیا سلائی سے آگ ہاتھ نہ لگی۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت غم لاحق ہوا۔ اُسی وقت انس من جانب الطور نارا۔ طور کی جہت کے متقبل موسیٰ علیہ السلام نے آگ محسوس کی۔ الطور ایک مخصوص پہاڑ کا نام ہے اور النار وہ شعلہ جو آگ سے محسوس ہوتا ہے اور حرارت خالصہ کو بھی نار کہا جاتا ہے اور جہنم کو بھی نار کہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی نار دیکھی جو انوار پر دلالت کرتی تھی اس لیے کہ اُنھوں نے نور کو نار کے رنگ میں دیکھا وہ اس لیے کہ ان کا مقصد ہی نار تھا تو ان کے گمان کے مطابق ہی نار کے رنگ میں نور نظر آیا اور یہ قاعدہ ہے کہ انسان اپنے تخیلات کو اشیاء معہودہ مانوسہ میں دیکھتا ہے اور آگ بھی انسان کی مانوسہ اشیاء میں داخل ہے بالخصوص سردیوں میں اس کے ساتھ بہت زیادہ انس ہوتا ہے اور وہ موسم بھی سرمائی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے نار کے لباس میں موسیٰ علیہ السلام کے تقاضا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نار کے لباس میں نور کے ساتھ تجلی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہے جیسے جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں محبوب انسان یعنی حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں حاضر ہوتے تھے اور اکثر اُن کی حاضری اسی صورت میں ہوتی تھی۔

تفسیر عالمانہ: قال۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لاھلہ امکثوا۔ المکث انتظار کے ساتھ کسی جگہ ٹھہرنا یعنی اپنے اہل کو فرمایا یہاں پر ٹھہرو انی انست نارالعلی میں نے آگ کو محسوس کیا ہے شاید کہ اٰتیکم میں لاؤں تمہارے لیے منھا آگ سے بخبر آگ کے قریب بیٹھنے والے لوگوں سے میں مصر کی طرف راستہ کی کوئی خبر لاؤں وہ اس لیے کہ رات اندھیری اور جنگل کی وجہ سے راستہ بھول گئے تھے او جذوۃ جذوہ سخت لکڑی کو کہا جاتا ہے اس پر چنگاری ہو یا نہ۔ اسی لیے من النار کی قید لگائی ہے۔ اور المفردات میں ہے کہ وہ لکڑی جو آگ جلانے کے بعد بچ جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک پر ظاہر کی تجرید باطن کی تفرید اور تجرید ظاہری یہ ہے کہ انسان اپنے اہل وعیال اور دنیا سے بالکل فارغ ہو جائے جتنا قدر تعلقات سے دور ہو جس پر مالک کے کچھ درہم بچ جائیں اور باطن کی تفرید یہ ہے۔ کہ یہ انسان کونین کے تعلقات سے دُور ہو جائے جتنا قدر تعلقات سے دُور ہو گا اتنا قدر توحید کے شواہد کا مشاہدہ کرے گا۔ سب سے پہلا مشاہدہ شعلۂ نار سے محسوس ہو گا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو ہوا ایسے ہی ستارہ کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوا۔ لوامع اور طوالع وسواطع اور شموس واقمار کا سالک کو مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

یہاں کہ مطلع الوہیت سے نور ربوبیت کے تجلیات متجلی ہوتے ہیں۔

حل لغات: لعلکم تصطلون۔ الاصطلاء بمعنی آگ سے گرم ہونا اور کشف الاسرار میں ہے کہ الاصطلاء التدفؤ بالصلاء بفتح الصاد وکسرہا بالفتح ہو تو الصلا کو بالقصر اگر بالکسر ہو تو بالمد پڑھا جائے بمعنی آگ سے گرمی حاصل کرنا۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ اوصافِ انسانیۃ برودۃ طبیعۃ سے جامد ہیں۔ یہ صرف نار محبۃ وعشق بلکہ جذبۃ الٰہیہ کی نار سے ہی گرم ہو کر پگھلتے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

بچشم اہل نظر کم بود ز پروانہ
دلے کہ سوختۂ آتش محبت نیست

ترجمہ: اہل نظر کی نگاہ میں وہ دل پروانہ سے بھی کم ہے جو عشق کی آگ سے نہیں جلی۔

خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل کو جنگل میں چھوڑا اور چل پڑے۔

تفسیر عالمانہ: فلما اتاھا پس جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے جسے دور سے محسوس کیا تھا۔ نودی من شاطئ الایمن۔ موسیٰ علیہ السلام کو ندا آئی اس جانب سے جو ان کے دائیں جانب تھی۔

اس معنی پر لفظ **الایمن** مجرور ہو گا اس لیے کہ وہ شاطی کی صفت ہو گی اور **الشاطی** بمعنی الجانب اور **الشط** بمعنی نہر کا کنارا اور **الوادی** وہ جگہ جس میں پانی رواں ہو اسی معنی پر دو پہاڑوں کے درمیانی مفرج (راہ) کو بھی وادی کہا جاتا ہے۔ **فی البقعۃ المبارکۃ** اس مبارک جگہ سے جو وادی کے متصل تھی۔ یا یہ **نودی** کا صلہ ہے اور **البقعۃ** زمین کا وہ ٹکڑا جس میں درخت نہ ہو۔ اور اس جگہ کو مبارک اس لیے کہا گیا کہ یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت یا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کی شرافت کا آغاز ہوا۔ اور تجلیات اولیاء کا حال بھی ایسے ہوتا ہے۔ (قدس اللہ اسرارھم)

من الشجرۃ یہ شاطئ سے بدل الاشتمال ہے اس لیے کہ وہ درخت اسی کنارہ پر تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے دور تک وہ درخت موجود رہا۔ (کذا فی کشف الاسرار)

فائدہ: وہ درخت یا عناب تھا یا کیکر یا بیری یا زیتون یا عوسج یعنی وہ درخت کہ جب بڑا ہوتا ہے تو اسے غرقد (بالضین) کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہود کا درخت ہے کہ وہ ہر گز نہیں بولے گا۔

شرح الحدیث: یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پہ تشریف لائیں گے اور یہودیوں کو قتل کریں گے تو جو یہودی بھی بھاگ کر کسی درخت کے نیچے چھپے گا تو وہی درخت بولے گا کہ اے مسلم یہ ہے یہودی اسے قتل کر دے سوائے عزقد کے اس لیے کہ یہ ان کا درخت ہے اس لیے یہ نہیں بولے گا۔ (کذا فی التعریف والاعلام للامام السہیلی)

ان مفسرہ ہے یعنی ان بمعنی ای ہے۔ **یاموسیٰ انی انا اللہ رب العٰلمین**۔ اے موسیٰ علیہ السلام میں اللہ رب العالمین ہوں یعنی میں ہوں جس نے تجھے ندا دی اور جس نے تیرا نام لے کر تجھے بلایا۔ میں اللہ تعالیٰ اور تمام مخلوق کا پالنے والا ہوں یہی وہ پہلا کلام ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نوازا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے کلام مخالفت کیوں؟ مثلاً طٰہٰ میں اور ہے اور قصص میں یہ اور نمل میں دیگر۔

جواب: چونکہ مقصود سب کا ایک ہے اسی لیے اختلاف الفاظ سے مقصد میں فرق نہیں پڑتا۔

فائدہ: کاشفی نے لکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب درخت میں دیکھا کہ اس سے ایک ایسی آگ نمودار ہو رہی ہے جس کا رنگ سفید ہے لیکن شوق دیدار الٰہی اسی ظاہری آگ سے پیدا ہوا اس سے گویا آپ کا ظاہری وجود جل گیا۔ ؎

ہست در من آتش روشن نمی دانم
ایں قدر دانم کہ ہم چوں شمع می کاہم دگر

ترجمہ: میرے اندر آگ روشن ہے جسے میں نہیں جانتا کہ شمع کی طرح پگھل رہا ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام (ان **یاموسیٰ**) کی ندا سے عشق الٰہی میں گم اور ذات حق میں فانی ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام (ان **یاموسیٰ** علیہ السلام) کی ندا سے عشق الٰہی سے جل گئے اور شوق حق سے گھل کر درخت کے سامنے کھڑے ہو گئے وہاں سے یہ آواز آتی تھی۔ **انی انا اللہ رب العٰلمین**

تفسیر عالمانہ: فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسی درخت کے نیچے صفات الٰہی میں گم اور ذات حق میں فانی ہو گئے اسی لیے سمع (کان) ہو گئے۔ جب ندائے الٰہی انہیں پہنچی تو قربت حق کی خلعت پہنی اور شربت الفت نوش فرمائی اس سے آپ وصال حق سے سرفراز ہوئے اور رحمتِ الٰہی کی خوشبو سونگھی ؎

اے عاشق دل سوختہ اندوہ مدار روزے بمراد عاشقاں گردد کار

ترجمہ: اے دل سوختہ عاشق غم نہ کھا۔ ایک دن تو بھی عاشقوں کی طرح مراد پائے گا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام درخت کے قریب پہنچے تو نار جل گئی اور نور آ گیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی خودی گم ہوئی۔ شجرہ ذات کی صفات سے آواز سنائی دی اور پہلی تجلی اور کلام حق سے عشق ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام پر غشی طاری ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو موسیٰ علیہ السلام کو انس کا پنکھا ہلایا اور کہا اے موسیٰ علیہ السلام آپ تھک گئے ہیں اب آرام کیجئے اور آپ فنائیت سے بقا پا گئے ہیں اور آپ کو مبارک ہو کہ آپ بہت بڑی اونچی شان سے نوازے گئے ہیں یعنی اب آپ کا مقدر چمکا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا ہے یہ آپ کا ابتدائی مقام تھا انتہائی مقام اس سے اور بلند تھا۔ اس کے بعد دوسری بار پھر بیہوش ہوئے اور غشی کھائی تو ملائکہ نے کہا اے حیض والی عورتوں کے بیٹے تیرے جیسے کس منہ سے دیدار کی آرزو کریں۔ کاش ملائکہ کو موسیٰ علیہ السلام کی شان معلوم ہوتی تو انھیں عار نہ دلاتے اس لیے کہ اگرچہ وہ ابتداءً مرید اور طالب تھے لیکن آخر میں مراد و مطلوب حق تھے اسی لیے کہ بعد کو انہیں اللہ تعالیٰ نے طلب فرما کر اپنے لیے چن لیا اسی لیے کہا گیا ہے کہ شجرۂ موسیٰ علیہ السلام اور شجرۂ آدم علیہ السلام میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے کہ آدم علیہ السلام نے شجرہ سے انھیں محنت اٹھانی پڑی اور آزمائش میں مبتلا ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام نے شجرہ سے نبوت و رسالت پائی لیکن یہ قول بھی حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے ورنہ ظاہر ہے کہ شجرۂ آدم علیہ السلام میں شجرۂ ربوبیت کی طرف اشارہ تھا اسی لیے تو فرمایا کہ **ولا تقربا ھذہ الشجرۃ**۔" کیونکہ آدم علیہ السلام صفاتِ حق سے متصف تو تھے ہی اسی لیے چاہا کہ وہ ان کی حقیقت سے دائمی زندگی بسر کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع کر کے فرمایا کہ یہ ایسی حقیقت ہے جو آپ کے لائق نہیں کیونکہ حقیقت ازلیہ و صفات محدثہ کا اتحاد ممتنع ہے۔ پھر ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجلیٔ ازلیہ کو شجرہ سے ظاہر فرمایا تو آدم علیہ السلام بیہوش ہوئے۔ اور بے صبری سے اسے اس کی تحصیل کے درپے ہوئے چنانچہ اس سے ربوبیت کے ایک جلوہ سے کچھ حاصل کر لیا اس کے بعد وہ حضرت حق میں نہ رہ سکے اور بہشت میں رہنے کے بجائے عشاق کے علاقہ میں بھیج دیئے گئے تا کہ ان مشتاقانِ غمزدہ کے ساتھ رہ کر جلوہ ہائے ربانی کی یاد میں آنسو بہائیں۔

خلاصہ یہ کہ آدم علیہ السلام کا شجرہ شجرۂ اسرار تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا شجرۂ انوار اور ظاہر ہے کہ شجرۂ انوار ابرار کو نصیب ہوتا ہے اور شجرۂ اسرار اخیار کو۔

ردّ وھابیہ: جب شجرہ سے تجلیات کا ظہور اور بے کیف اور بلا جہت شجرہ سے کلام حق کا صدور ہو سکتا ہے تو شجرہ انسانیہ سے اس کا ظہور و صدور تو بطریق اولیٰ ہے۔ اس لیے مشائخ نے

توحید کے تین مراتب بتائے ۔
۱۔ مرتبۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۔
۲۔ مرتبۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ۔
۳۔ مرتبۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا انا ۔
ایسے کلام کا متکلم درحقیقت اللہ تعالیٰ ہوتا ہے جس نے کلامِ ازلی سے جیسے چاہا کلام فرمایا ۔

سبق : اگر تم اہلیت وصلاحیت رکھتے ہو تو ایسے کلام کا ذوق حاصل کرو ورنہ کم ازکم اس پر ایمان تو لاؤ ۔ انکار کروگے تو بے ایمان ہو کر مروگے ۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ ابرار پر لاکھوں سلام ہوں اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اشیاء کی حقیقت کا مشاہدہ نصیب فرمائے اس لیے کہ کل کائنات صرف وہم وخیال ہے اور جو کچھ ہے وہ درحقیقت حق ہے اس لیے کہ موجود ہے تو وہی اور مشہود ہے تو وہی ۔
اے عزیز اسے پورے طور پر سمجھ اور میری اس تقریر کو غنیمت جان ۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے عاشق کی زبان میں فرمایا ؎

مرا باوجود تو ہستی نماند　　بیاد توام خود پرستی نماند
گرم جرم بینی مکن عیب من　　توئی سر بر آوردہ از جیب من

ترجمہ : تیرے سامنے میری ہستی ہے ہی نہیں ۔ میں تو صرف تیری یاد میں ہوں ۔ مجھے اپنی بھی خبر نہیں ۔
اگر میرا کوئی جرم و قصور ہے تو اسے مت دیکھئے کیونکہ مجھ سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ تو ہی ہے ۔
اور فرمایا ؎

سمندر نہ گرد آتش مگرد　　کہ مردانگی باید آنگہ نبرد

ل حضرت مولانا محمد یار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بجاتے تھے جو اِنِّی عبدہٗ کی بانسری ہر دم
وہ عرش حق پر اِنِّی انا اللہ بن کے نکلیں گے

اسی طرح کے اور عارفانہ کلام اور حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کا انا الحق اور حضرت بایزید قدس سرہ کا سبحانی ما اعظم شانی فرمانا اسی قاعدہ کے مطابق ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ: آتشی جو ہے نہیں ہوا اسی لیے آگ کے گرد نہ گھومئے اس کے لیے تو جوانمردی لازم ہے۔ اپنے پہلے جوانمردی پیدا کرو اور پھر بڑھا جا۔

سبق اس میں اشارہ ہے کہ چونکہ ہم مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نہیں اسی لیے تم ایسے جلوؤں کے حصول کی جدوجہد مت کرو۔ ہم انشاء اللہ نارِ عشق میں جلنے اور سرِ فنا کلی تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وان الق عصاك۔ اس کا عطف یا موسیٰ پر ہے اور ہر دونوں نودی کے مفسر ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا ہاتھ سے چھوڑ کر نیچے گرا دیجئے چنانچہ جب انھوں نے عصا نیچے ڈالا تو وہ اژدہا بن کر ادھر اُدھر چلنے لگا فلما راٰھا تھتز۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ سخت تیز دوڑتا جا رہا ہے۔

اہتزاز بمعنی تحریک شدید کانھا جان گویا وہ سرعۃ حرکۃ یا ہیئتہ وجثۃ میں اژدہا ہے اور وہ فرعون کے ہاں بہت بڑا اژدہا دکھائی دیا۔ الجان۔ ہر وہ سانپ جس کی آنکھیں سرمیلی اور بہت زیادہ چکر کاٹنے والا لیکن ایذا نہ دینے والا۔ ولّی مدبرا تو موسیٰ علیہ السلام پیچھے ہٹے درآنحالیکہ خوف زدہ تھے ولم یعقب اور نہ لوٹے، خلیل نے کہا عقب بمعنی رجع علیٰ عقبہ۔ عقب مؤخر القدم کو کہا جاتا ہے۔ ان کے مڑنے پر ندا آئی یا موسیٰ اقبل اے موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھئے ولا تخف اور اس سانپ سے خوف نہ کیجئے انك من الاٰمنین بے شک آپ تمام ڈراؤنے امور سے امن اور قرار میں ہیں اور رسل کرام کو میرے ہاں بالکل خوف و حزن ہے نہیں جیسا کہ سورۂ نمل میں گزرا۔

سوال: عصا کو زمین پر گرانے کا کیا فائدہ۔

جواب: تجربہ مطلوب تھا تاکہ فرعون کے ہاں پہنچ کر انھیں ایسا معجزہ دکھانے سے خوف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا تھا کہ فرعون کے ساتھ مناظرہ کے وقت عصا کو سانپ بنا کر دکھائیں گے۔ اگرچہ ان کے علاوہ اور معجزات بھی دکھائے جائیں گے۔ لیکن اسے مناظرہ کے ساتھ خصوصیت تھی۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ)

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ غیر اللہ کے جملہ سہارے منقطع کر دے اس لیے کہ جو بھی صرف اللہ تعالیٰ پر سہارا کرتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے اور جو غیر پر بھروسہ کرتا ہے وہ ہزاروں خوفوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دوسرے مقام پر فرمایا خذوھا ولا تخف یا موسیٰ۔ اے موسیٰ علیہ السلام عصا کو لیجئے لیکن عصا سے محبت نہ کرنا اور نہ ہی اسے اپنی پناہ سمجھ کر اس پر بھروسہ کرنا۔ اس لیے کہ دنیا کی محبت جملہ گناہوں کی اصل ہے۔

معجزہ محمدی و معجزۂ موسوی میں فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان دو معجزوں میں بہت بڑا فرق ہے

وہ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کو خطابِ الٰہی سے نوازے جانے کے بعد اژدہا کو دشمن پر مسلط کر دیا اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج قربِ خاص سے نوازے جانے اور اسرار و رموز سے مشرف ہونے کے بعد اُمت کو نماز جیسی دولت سے نوازا جو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی مناجات ہے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته سے نوازا۔ لیکن آپ نے اپنی اُمت کو بھی شامل فرمایا السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین۔

تفسیر عالمانہ: اسلك یدك فی جیبك اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دیجئے جیب یہ اُونی کپڑا ہوتا ہے جو بجائے قمیص کے پہنا جاتا ہے اور اس کی آستین صرف کہنیوں تک ہوتی ہیں۔

تخرج بیضاء ظاہر ہوگا آپ کا ہاتھ مبارک در آنحالیکہ چمکیلا اور روشن ہوگا اور سورج کی طرح اس کی شعاعیں ہوں گی۔ من غیر سوء بغیر عیب کے مثلاً برص کی بیماری کی وجہ سے یعنی اس کی سفیدی (روشنی) مکروہ اور نفرت دلانے والی برص کی سفیدی کی طرح نہ ہوگی۔ واضمم الیك جناحك انسان کے لیے لفظ جناح کا استعمال اس کے بازو کے لیے ہوتا ہے یہاں دونوں ہاتھ مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ اپنے دونوں ہاتھ جو کہ آپ نے خائف اور گھبراہٹ والے سانپ سے بچنے کے لیے پھیلائے ہوئے ہیں سمیٹ لیجئے اور خوف زدہ اپنے ہاتھ یوں سمیٹتا ہے کہ اس کا دایاں ہاتھ بائیں پر یا اس کے برعکس یا پھر وہ انہیں گریبان میں ڈال دیتا ہے۔

اس تقریر پر اسلك کا تکرار ہوا لیکن غرض ہر دونوں سے علیحدہ علیحدہ ہے اسی لیے فصاحت کے خلاف نہیں۔ مثلاً دوسرے سے دشمن کے سامنے اظہارِ جرأت مراد ہے اور یہی آپ کے معجزہ کے ظہور کا مبدا ہے یا یوں کہا جائے کہ اضمم سے عصا کے سانپ بننے کے وقت اضمم سے تجلد و ثبات مراد ہے۔ یہ پرندہ کے پر سے استعارہ کہا گیا ہے اس لیے کہ پرندے کی عادت ہے کہ جب وہ کسی شے سے ڈرتا ہے تو وہ اپنے پر پھیلاتا ہے جب خوف زائل ہو جاتا ہے اور وہ پورے طور پر مطمئن ہو کر قرار پاتا ہے تو وہ اپنے دونوں پر سمیٹ لیتا ہے اس معنیٰ پر یہ انك من الآمنین کی تتمہ ہوگی۔ اس تقریر سے تکرار کا سوال ختم ہو گیا۔

من الرهب۔ الرہب بمعنی تحزن و اضطراب کے ساتھ خوف زدہ ہونا اور من سببیہ ہے یعنی جب آپ کو کوئی خوف طاری ہو تو اپنے آپ کو قابو کر کے ثابت قدمی سے ایسا کرنا۔ فذانك یہ عصا اور ہاتھ کی طرف اشارہ ہے۔ برهانان دو روشن دلیلیں اور واضح معجزے ہیں۔

حل لغات: برھان بروزن فعلان یہ ابرہ الرجل سے ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص دلیل لائے یا برہ الرجل سے ہے یہ اُس وقت کہا جاتا ہے جب وہ سفید ہو جائے اس سے لفظ برھاءً و بَرْھَۃٌ ہے بمعنی سفید عورت۔ اس کی لفظ سلطان بمعنی سلطان ہے سے سلیط سے لیا گیا ہے بمعنی زیت (زیتون) اس لیے کہ اسے جلا کر روشنی حاصل کی جاتی ہے بعض نے اس کا وزن ٗفعلال ٗ ہے یہٗ بَرْھَنَ ٗ سے ہے۔ من ربك برھانان کی صفت ہے۔ یہ کائنا نان کے متعلق ہے یعنی وہ دو معجزے پہنچنے والے ہیں۔ تیرے رب تعالیٰ سے الی فرعون وملأہ ۔ فرعون اور اس کے لشکر کی طرف اور وہ دونوں معجزے ان کے ہاں پہنچے لیکن انھم کانوا قوما فاسقین۔ بیشک وہ حدود ظلم وعدوان سے خارج ہونے والے تھے اور وہ اس لائق تھے کہ ہم یہی دونوں معجزے دے کر ہم آپ کو ان کے ہاں رسول بنا کر بھیجیں۔

قال موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی انی قتلت نفسا ۔ بیشک میں ایک قبطی جو فرعون کے باورچی کو قتل کیا تھا فاخاف ان یقتلون مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے اس بدلہ میں قتل نہ کر دیں واخی ھارون ھواافصح منی لسانا اور میرا بھائی ہارون علیہ السلام گفتگو میں مجھ سے فصیح تر ہے۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کے بجائے زبان کا نام اس لیے لیا کہ آپ کی زبان مبارک میں لکنت بھی بوجہ اس انگارے کے تھا جو آپ نے بچپن میں منہ میں ڈالا تھا اسی لیے اچھے سلیقے سے گفتگو نہیں فرما سکتے تھے اسی لیے فرعون نے آپ کے حق میں کہا ولا یکاد یبین۔

تفسیر صوفیانہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ دراصل مقام فصاحت مقام صحو و تمکین کا دوسرا نام ہے اور یہ مرتبہ ایسا ہے کہ صاحب مقام اس مرتبہ میں حق و اسرار حق سے ایسے طریقے سے خبر دے کہ علمی لحاظ سے عوام کو ثقالت محسوس نہ ہو اور یہ مرتبہ بطریق اتم و اکمل سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا کما قال علیہ السلام " انا افصح العرب ، میں عرب کا فصیح ترین انسان ہوں اور فرمایا بعثت بجوامع الکلم ۔ جوامع کلم کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔

دراصل یہ قدرتِ کلامی کی کیفیت کا نام ہے اس سے وہ عارف متمکن موصوف ہوتا ہے جسے مشاہدۂ خالص اور مخاطبہ خواص کی دولت نصیب ہو۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام اُس وقت مقامِ سکر میں تھے اس لیے اپنے حال کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتے تھے جیسے وہ اس سے ماقبل گفتگو کرتے تھے اس لیے کہ اگر وہ اپنے اسی حال موجودہ کے مطابق گفتگو فرماتے تو آپ سے شطحیاتی کلام کا اظہار ہوتا اور ایسے کلام کے عوام حامل نہیں ہوتے بلکہ سنتے ہی فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے مقام صحو و تمکین

کا سوال کیا کما قال، و احلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی ۔ اس لیے کہ آپ کا کلام مواجہ خاص میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایسا دریا تھا جو صرف آپ کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی رسول بنا کر بھیجے ردءًا در آنحالیکہ وہ میرا معین و مددگار ہوگا ۔ دراصل ردئ کی طرح ہر اُس شے کو کہا جاتا ہے کہ جس سے کسی معاملہ میں مدد لی جائے لیکن یہاں پر دلیل (راہ دکھانے والے) کے معنی میں مستعمل ہوا ہے ۔ یصدقنی مرفوع اور ردءًا کی صفت ہے یعنی وہ ہارون علیہ السلام حق بیان کرنے اور حجت قائم کرنے اور دلائل واضح کرنے اور مخالف کے شبہات دُور کرنے اور اُس کے دلائل کے ابطال میں میری تصدیق کریں گے مثلاً کہے صدقت یا جماعت کہے ۔ صدقوہ چنانچہ ھو افصح منی لسانا اس لیے کہ ایسی باتیں کرنے پر فصیح غیر فصیح بھی کر سکتا ہے ۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

انی اخاف ان یکذبون مجھے خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں بایں طور کہ میری بات کا رد کریں یا میری دعوت قبول نہ کریں اور پھر میری زبان گفتگو کے وقت صحیح طور پر کام نہیں کرتی ۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ فرعون اور نمرود نفس والوں کو ہمیشہ حق بولنے والوں سے عناد اور تکذیب رہی اور ہارون عقل ہمیشہ ناطق بالحق کی تصدیق کرتا ہے ۔ قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنشد عضدک باخیک العضد کہنی اور مونڈھے کے درمیانی حصے کو کہا جاتا ہے بمعنی بازو یعنی میں آپ کو آپ کے بھائی کی وجہ سے تقویت بخشوں گا وہ اس لیے کہ بھائی بھائی کا ہاتھ پکڑتا ہے اسی محاورہ پر موسیٰ علیہ السلام کے بازو کی قوت کا سبب ہارون علیہ السلام کو بنایا گیا اور اُس وقت ہارون علیہ السلام مصر میں تھے ۔ ونجعل لکما سلطانا اور ہم تمہیں تسلط اور غلبہ بخشوں گا ۔ یہاں پر سلطان بمعنی تسلط و غلبہ ہے اور حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلطان بمعنی سبب و محبۃ ہے یعنی دشمنوں کے دلوں میں آپ کی ہیبت اور دوستوں کے دلوں میں محبت ڈال دوں گا ۔ اور حضرت ابن عطار نے فرمایا کہ اخلاق نبوت کے ساتھ سیاست خلافت مراد ہے ۔ فلا یصلون الیکما پس وہ تمہارے اُوپر استیلاء و غلبہ نہیں پاسکیں گے بآیٰتنا اس کا متعلق محذوف ہے چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس محذوف کے متعلق تصریح کی گئی ہے مثلاً فرمایا اذھبا بآیٰتنا یا یہ نجعل کے متعلق ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم دونوں آیات بمعنی معجزات کے ذریعے ان پر غلبہ بخشیں گے یا لا یصلون کے متعلق ہے یعنی آپ ان سے آیات و معجزات کی وجہ سے مامون مصئون رہیں گے اس لیے وہ آپ کو قتل نہ کر سکیں گے اور نہ کوئی اور تکلیف پہنچا سکیں گے ۔ (کذا فی فتح الرحمٰن)

انتما ومن اتبعکما الغالبون آپ کو اور آپ کے متبعین کو فرعون اور اس کی قوم پر غلبہ

اور تسلط ہو گیا اس لیے کہ ہمارے رایات، آیات عالی ہیں اور ہم ہمیشہ صرف اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور ہماری یہ مدد مسلسل پے در پے ہوتی ہے۔ (واللہ الغالب والمتعالی)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی یہ مناجات مکمل ہوئی تو انہیں اللہ تعالیٰ نے واپسی کا حکم فرمایا۔ پھر علماء کا اختلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام مدین سے سیدھے فرعون کے پاس چلے گئے یا پہلے اہل و عیال کے پاس گئے پھر فرعون کے ہاں تشریف لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اہل و عیال کو جنگل میں چھوڑ کر سیدھے فرعون کے ہاں چلے گئے اور آپ کے عیال میں شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی اور موسیٰ علیہ السلام کا ایک چھوٹا صاحبزادہ مدین و مصر کے درمیان ایک جنگل میں تین دن اکیلے رہے اور وہاں اُن کی بکریاں بھی تھیں جو شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو عنایت فرمائی تھیں۔ ان تین دنوں کے بعد ایک چرواہا اس جنگل سے گزرا تو اس نے شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کو پہچان لیا۔ دیکھا کہ بی بی اور و غمگین بیٹھی ہیں۔ انھیں وہ چرواہا مدین میں شعیب علیہ السلام کے سپرد کر گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مناجات سے فارغ ہوئے تو اسی رات اپنے اہل و عیال کے ہاں واپس تشریف لے گئے تو اہل و عیال نے پوچھا کیا آپ آگ نہیں لائے آپ نے فرمایا میں نے آگ کے بجائے نور کو حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت نصیب ہوئی اور کرامات و معجزات سے نوازا گیا ہوں۔ اس کے بعد اہل و عیال کو مصر میں لے آئے۔ جب مصر میں وارد ہوئے تو رات کا وقت تھا۔ اس اثناء میں آپ کی بہن اور بھائی موجود تھے لیکن آپ کے والد گرامی کا وصال ہو چکا تھا موسیٰ علیہ السلام نے ایک سرائے کے باہر نوافل پڑھنے شروع کر دیئے۔ ایک گھر میں دیکھا کہ وہ لوگ کھانا وغیرہ کھا رہے ہیں آپ نے آواز دی کہ گھر والو ہم بھی آپ کے مہمان ہیں ہماری مہمانی آپ کے ذمہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آواز سن کر ہارون علیہ السلام کو فرمایا کہ اس مسافر کو مہمانی دینی چاہیئے ممکن ہے میرے مسافر بچے (موسیٰ علیہ السلام) کو کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو اس کی بھی کوئی مہمان نوازی کر سکے) ہارون علیہ السلام والدہ کے حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو اندر سے گھر پر لے آئے اور طعام پیش کیا آپ کو کسی نے نہ پہچانا لیکن جونہی گفتگو شروع فرمائی تو والدہ نے پہچان لیا۔ اور اپنے پاس بلا کر گلے لگایا اور خوب روئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت سے نوازا ہے اور حکم فرمایا کہ ہم دونوں فرعون کو جا کر احکام الٰہی کی دعوت دیں۔ ہارون علیہ السلام نے بسر و چشم کہا مجھے کون سا انکار ہے ماں نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ دونوں کو شہید نہ کر دے اس لیے کہ وہ بڑا سرکش اور طاغی ہے۔ ہارون

علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو وہی ہماری حفاظت فرمائے گا اس میں ہمیں خوف کیوں؟
اس کے بعد دوسرے روز موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور فرعون کے شاہی محل کے باہر ایک بہت بڑا لشکر جمع تھا انھیں کہا کہ ہماری آمد کی اطلاع فرعون کو پہنچا دو چنانچہ فوراً فرعون کے ہاں پہنچ کر پیغام الٰہی سنا دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ فرعون نے انھیں ایک سال تک اپنے ہاں تک آنے کی اجازت نہ دی۔
یہ دوسری روایت اگر صحیح ہو تو اس میں بھی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بھلائی تھی کہ انھوں نے اندریں اثنا فرعون کے ساتھ گفتگو کرنے کی تجاویز سوچ لیں اور دیگر غیبی امداد سے نوازے گئے۔ اس طرح سے دونوں کو فرعون کے ہاں دعوت دینے کی سہولت ہوگئی۔ بہرحال پہلی یا دوسری روایت کے مطابق موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون کو دعوتِ حق پہنچا دی۔ کما قال اللہ۔ فلما جاءھم موسیٰ۔ جب ان کے ہاں موسیٰ علیہ السّلام تشریف لائے۔ درآنحالیکہ وہ متلبس تھے۔ بایاتنا۔ ہمارے آیات کے ساتھ اور ان آیات کا حال یہ تھا کہ بینٰت وہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی واضح دلیلیں تھیں اس سے وہ معجزات مراد ہے یعنی عصا موسیٰ علیہ السلام کے پاس موجود تھے جیسے عصا اور ید بیضا یا آئندہ حاصل ہوں گے یعنی عصا و ید بیضا کے علاوہ دیگر معجزات جیسے طوفان وغیرہ یعنی وہ نو معجزات جو مشہور ہیں ہم نے دونوں قسم کے معجزات اس لیے مراد لیے ہیں کہ لفظ مجیٔ میں وسعت ہے کہ اس میں موجود اور مستقبل ہر طرح کے زمانے شامل ہوتے ہیں۔ قالوا ماھذا۔ فرعون اور اس کی قوم نے کہا کہ نہیں ہے یہ جو آپ لائے ہیں۔ الا سحر مفتری مگر جادو من گھڑت اس سے قبل ہم نے آپ کے لائے ہوئے جیسے جادو نہیں دیکھے۔

صُوفیانہ تقریر

نفس کو عالم ملکوت کے اسفل حصّہ سے الٹا پیدا کیا گیا ہے اور قلب کو عالم ملکوت کے وسط سے متوجہ الی اللہ کرکے یہی وجہ ہے کہ قلب جسے دیکھتا ہے اسے نہیں جھٹلاتا بخلاف نفس کے کہ وہ جسے دیکھتا ہے اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ اسی لیے جو قلب امراض و علل سے باصحت و عافیت ہو تو وہ حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دُعا میں عرض کیا کرتے اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ اے اللہ ہمیں حق کے مشاہدہ سے نواز کر اس کی اتباع کی توفیق بخش اور باطل سے باخبر کرکے ہمیں اس سے بچا۔

فائدہ: اس دعا سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم قلب کے امراض و علل کی سلامتی اور نفس کی ہلاکت اور اس کی خواہشات کا قلع قمع اور نفسانی حملوں کی تباہی چاہتے تھے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وماسمعنا بھذا اور ہم نے ایسے جادو کے متعلق نہیں سنا۔ **فی اٰبائنا الاولین** اپنے آباؤ اجداد سے کہ ایسا جادو ان کے دور میں پایا گیا ہو۔ **وقال موسٰی** اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **ربی اعلم بمن جاء بالھدی من عندہ**۔ میرا رب تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے اس کا بندہ ہدایت لایا ہے۔

فائدہ: اس سے موسیٰ علیہ السلام کی اپنی ذات مراد ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور وہی جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر۔ **ومن تکون لہ عاقبۃ الدار** اور اسے معلوم ہے کہ دار دنیا کا انجام یعنی آخرت کس کے لیے اچھی ہے اور ہم نے آخرت اس لیے مراد لی ہے کہ دنیا اسی کی گزرگاہ ہے کہ یہاں کے منازل کے اختتام کے بعد آخرت کی سرحد شروع ہوتی ہے اور یہی دنیا و آخرت کی کھیتی ہے۔ اور مقصود بالذات اجر و ثواب ہے اور عذاب تو مجرموں کے بد اعمال اور اُن کی برائیوں کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی عاقبت مطلقہ سے عاقبت محمودہ مراد ہے نہ کہ عاقبت مذمومہ۔ **انہ** بیشک شان یہ ہے کہ **لا یفلح الظالمون** اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوں گے اس لیے کہ انھوں نے خود کو کفر و تکذیب سے تباہ و برباد کر ڈالا یعنی اپنے مطلوب کو ہرگز نہیں پاسکیں گے اور نہ ہی کسی خطرہ سے بچ سکیں گے اور منجملہ ان خطرات کے دنیوی عذاب بھی ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ مومن پر لازم ہے کہ وہ نجات کے لیے جدوجہد کرے۔ اگر اس کا غیر کفر کی وجہ سے تباہی پائے تو اسے کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔

وقال اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معارضہ کا ارادہ کرکے جادوگروں کو کہا **یاایھا الملا**۔ اے میرے ارکان دولت۔ **ما علمت لکم من الہ غیری** مجھے معلوم ہے کہ میرے سوا تمھارا اور کوئی معبود نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس دعویٰ اور **انا ربکم الاعلٰی** کے دعویٰ کے درمیان چالیس سال کا عرصہ گزرا یعنی اس کا پہلا دعویٰ یہ تھا کہ (موسیٰ علیہ السلام) کہتا ہے کہ زمین و آسمان کا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ **کما قال رب السموات والارض** اور مجھے معلوم ہے کہ زمین پر میرے سوا اور کوئی معبود نہیں اور (موسیٰ علیہ السلام) غلط کہتا ہے۔ اسی لیے **فاوقد لی** لایقاد بمعنی آگ جلانا۔ پس میرے حکم سے آگ جلایئے۔ **یاھامان** یہ فرعون کا وزیر تھا۔ **علی الطین** پانی اور مٹی کو ملایا جائے تو وہ طین (گارہ) ہوجاتا ہے۔ اس سے آپ کی اینٹ تیار کرنا مراد ہے۔ اب

مطلب یہ ہوا کہ اے ہامان کچی اینٹوں کو پکا یئے تاکہ جو تعمیر کروں وہ پختہ اور مضبوط ہو۔
پکی اینٹ کی ایجاد فرعون نے کی ہے اور چونکہ اس میں صنعت کی تعلیم کا اظہار مطلوب تھا اسی لیے اطبخ

فائدہ: نہیں کہا بلکہ فاوقد لی الخ فاجعل لی پھر اس سے میرے لیے بنا صرحًا بہت بڑا اونچا محل یعنی ایسا منارا کہ جس میں سیڑھیاں ہوں جس پر میں چڑھ اور اتر سکوں لعلی اطلع الیٰ الٰہ موسیٰ تاکہ میں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو جھانک کر دیکھوں اور اس سے واقف ہوسکوں کہ وہ کیسا ہے و انی لاظنہ اور بیشک میں اسے گمان کرتا ہوں کہ وہ من الکاذبین جھوٹے لوگوں سے ہے یعنی وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے جبکہ کہتا ہے کہ اس کا میرے سوا کوئی اور معبود ہے اور وہ اس کا رسول ہے۔ اس نے اپنی قوم کے سامنے بناوٹی باتیں کیں اس کا یہ دعویٰ ہر لحاظ سے تحقیقی نہیں ہے چنانچہ وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم سے معلوم ہوتا ہے۔

الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس میں شک نہیں کہ فرعون اپنے دعویٰ استحقاق الوہیت میں شکی تھا

فائدہ: کیونکہ اسے معلوم تھا کہ خود ہزاروں حاجات کا حاجت مند اور بے شمار بلیات میں مبتلا ہے لیکن چونکہ دعویٰ کر چکا تھا اس لیے سرکشی اور طغیان سے اپنے دعویٰ سے باز نہ آیا اور نہ وہ اپنے دل میں معترف تھا کہ وہ ہرگز الوہیت کا مستحق نہیں۔

کاشفی نے لکھا کہ فرعون کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور جسمانیت کے لحاظ سے آسمان پر مکان بنا

فائدہ: رکھا ہے اسی لیے وہاں تک پہنچنا ممکن ہے وہ بدبخت ذیل کے مضمون سے بے خبر تھا ؎

کہ مکاں آفریں مکان چہ کند
آسماں گر بر آسماں چہ کند

نہ مکاں رہ برد بروں نہ زمان
نہ بیان زو خبر دہد نہ عیاں

ترجمہ: مکان پیدا کرنے والے کو مکان کی کیا ضرورت۔ آسمان کا خالق آسمان کو کیا کرے گا۔
نہ مکان کو وہاں گنجائش نہ زمان کو۔ نہ بیان اس کی خبر دے سکتا ہے نہ عیاں۔

صاحب کشاف نے لکھا کہ ہامان نے پچاس ہزار مستری بلوائے اور بے شمار مزدور اکٹھے کیے تاکہ

فائدہ: اسی منارہ کی تیاری کے لیے اینٹیں بنائیں اور پکائیں پھر اس کے بعد اینٹیں اور گارہ اور سیمنٹ وغیرہ مینارہ پر لگائیں اس کے اس کام سے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو سخت تکلیف پہنچی کیونکہ بنی اسرائیل کو اس کام میں بہت زیادہ لگایا گیا۔

فائدہ: حضرت ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مینارہ کا شیشہ کہیں سے بہتر کیا گیا اور اس کے اوپر

ف اس سے یہ قاعدہ واضح ہوا کہ فعل کے استحسان کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ موجد کو۔ اس سے وہابیہ دیوبندیہ کو اپنے غلط اعتراض پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ چونکہ بہشت کذا یہ محفل میلاد شریف کا موجد فلاں بادشاہ تھا فلہذا ناجائز ہے۔ حالانکہ جب محفل میلاد ایک مقدس عمل ہے تو موجد کا بہانہ لے کر رد کرنے کی سعی نا ...

کے حصہ پر کوئی شخص کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اس خطرہ سے کہ کہیں نیچے نہ گر جائے اور اس کی لمبائی پانچ ہزار اور چوڑائی تین ہزار گز تھی اور اتنا مضبوط اور اونچا تھا کہ اس سے قبل نہ پہلے کسی نے بنایا اور نہ ہی اس وقت اس جیسی عمارت کسی نے دیکھی اور سُنی ہے۔

چناں بلند بنائے کہ عقل نتوانست
کمند فکر فگندن بگوشہ بامش

ترجمہ: وہ بنا اتنا بلند تھی کہ اس کی چھت پر کمند فکر نہیں پہنچ سکتا تھا۔

حکایت: حضرت بہلول نے ہارون الرشید کے شاہی محل کی دیوار پر لکھا کہ ارے ہارون تونے مٹی کو اُونچا کیا اور دین کو نیچا اور گچ کو بلند کیا اور نص کو نیچا۔ اگر تونے اپنے مال سے بنایا ہے تو تُونے اسراف کیا اور اللہ تعالیٰ مسرفین کو پسند نہیں فرماتا اگر تونے غیر کا مال لگایا تو تُونے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ ظالمین سے بھی محبت نہیں کرتا۔

فرعون نے آسمان کی طرف تیر پھینکا

زاد المسیر میں ہے کہ جب وہ مینار تیار ہو گیا تو فرعون اس کے اُوپر چڑھ گیا لیکن آسمان کو ویسا ہی اُونچا پایا جیسے زمین سے دیکھا کرتا تھا۔ پریشان ہوا لیکن پھر بھی تیر انداز کو کہا کہ تیر آسمان کی طرف پھینکے چنانچہ تیر انداز نے آسمان کی طرف تیر پھینکا تو وہ تیر خون آلود ہو کر واپس لوٹا اس سے فرعون خوش ہو گیا اور کہا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو قتل کر دیا۔ (معاذ اللہ)

اعجوبہ: اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فرعون کے مینارہ پر اپنا پَر ماریں چنانچہ جبریل علیہ السلام نے پر مارا تو مینارہ تین حصے ہو گیا۔ ایک حصہ قبطیوں پر گرا جس سے ہزارہا قبطی مر گئے۔ ایک حصہ دریا میں گرا۔ تیسرا حصہ فرعون کے ستریوں اور مزدوروں پر پڑا جنہیں ملیامیٹ کر گیا۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ جس نے بھی اس مینار کی تعمیر میں حصہ لیا باقی نہ رہا۔ تمام اسی مینار سے تباہ و برباد ہوئے صرف وہ جو فرعون کے دین پر تھا اور فرعون اس سے بھی متنبہ نہ ہوا بلکہ غرور اور سرکشی میں اور بڑھا۔

واستکبر ھو وجنودہ۔ فرعون اور اس کے لشکر نے تکبر کیا یعنی ایمان سے روگردانی کی **الاستکبار۔** باطل بڑائی کا اظہار کرنا اور اس کا اطلاق باطل پر آتا ہے بخلاف تکبیر کے کہ وہ عام ہے اور کبر یہ ہے کہ خیال فاسد سے اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھے **فی الارض** مصر اور اس کے گرد و نواح میں **بغیر حق۔** بغیر استحقاق کے **وظنوا انھم الینا لا یرجعون** اور ان کا گمان تھا کہ وہ قیامت میں ہمارے ہاں نہیں

لوٹائے جائیں گے اور ہمارا دستور ہے کہ ہم سے روگردانی کرتا ہے ہم بھی اس سے روگردانی کرتے ہیں چنانچہ فرعون اور اس کا لشکر روگرداں ہوا فاخذناه وجنوده تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ لیئے جب وہ کفر و کبر کے انتہا کو پہنچا تو ہم نے بھی ان کی گرفت کی فنبذناهم اور انہیں پھینک دیا۔

فائدہ: الراغب میں ہے کہ النبذ بمعنی شے کو بیکار سمجھ کر پھینک دینا فی الیم دریا میں اس سے بحر قلزم مراد ہے یعنی ان کا انجام برباد کیا کہ انھیں دریا میں ڈبو دیا۔ اس میں گرفت کرنے والے کے شان کی عظمت اور گرفت کردہ شدہ کا حال حقیر ہے بایں طور کہ باوجودیکہ بہت بڑی تعداد میں تھے لیکن انھیں گویا مٹی میں لے کر دریا میں ایسے پھینک دیا گیا جیسے کنکریوں کو مٹھی میں ڈال کر دریا میں پھینکا جاتا ہے۔

فانظر پس دیکھئے اے (محبوب) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قلب کی آنکھ سے کیف عاقبۃ الظالمین ظالمین کا کیسا انجام ہے اس سے اپنی قوم کو ڈرایئے وجعلناهم ائمۃ یدعون الی النار اور ہم نے انہیں مقتدا بنایا کہ وہ انھیں جہنم کی طرف بلاتے تھے یعنی آنکھ کفر و معاصی کے ارتکاب کرانے کا سردار بنایا تاکہ اس سبب سے وہ جہنم میں جائیں اور وہ دوسروں کو گناہ کرانے کے سردار بنائے گئے تاکہ انھیں اپنے گناہ اور دوسروں کے جرائم سے دوہرا عذاب ہو۔ ویوم القیمۃ لاینصرون اور قیامت میں ان سے کسی طرح سے بھی دفعیہ عذاب کی کسی قسم کی مدد نہیں دی جائے گی واتبعناهم فی هذه الدنیا لعنۃ اور ہم نے دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگائی یعنی انھیں اپنی رحمت سے دور کر دیا یا اس کا معنی یہ ہے کہ لعنت کرنے والوں (ملائکہ اور مومنین) کو ان پر لعنت کرنے پر لگا دیا کہ ان پر اس دنیا میں آگے پیچھے سب لعنیں بھیجیں ویوم القیمۃ من المقبوحین یوم القیمۃ المقبوحین کے متعلق ہے یہ اس وقت ہے جب المقبوحین کا الف لام تعریف کا ہو اور اسے لام موصولہ نہ بنایا جائے۔ المقبوحین معنی المطرودین المبعدین مثلاً کہا جاتا ہے قبح اللہ فلانا قبحا وقبوحا یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو ہر طرح کی خیر و برکت سے دور رکھا جائے۔ فہو مقبوح بمعنی خیر و برکت سے محروم۔ (کذا فی القاموس وغیرہ)

تاج المصادر میں ہے کہ القبح والقباحۃ والقبوحۃ بمعنی زشت شدن اسی معنی کو لے کر امام راغب نے المفردات میں لکھا ہے کہ المقبوحین بمعنی الموسومین یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کی حالت نہایت درجہ قبیح ہو جیسے سیاہ روئی۔ نیل چشمی اور اغلال و سلاسل سے کھینچ کر لے جانا وغیرہ وغیرہ۔

الوسیط میں ہے کہ المقبوحین بمعنی المقبحین ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ فرعون اور اس کے لشکری ذلیل و خوار لوگوں سے ہو گئے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ قبیح اس لیے ہوئے کہ ان کا معاملہ قبیح تھا جیسے ہم محسن کو اس کے معاملہ کی وجہ سے حسن او وجہ کہتے ہیں۔ صحیح ہے کہ احسان کی جزا احسان اور برائی کی سزا برائی ہوتی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ تکبر انہی قبائح سے ہے جو موجب لعنت اور محرومی از رحمت حق ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے بیان فرمایا کہ کبریائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے جو دونوں مجھ سے چھیننا چاہے تو میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ردا و ازار بتائی قمیص و شلوار کا نام اس لیے نہیں لیا کہ قمیص و شلوار انسان کو محیط نہیں۔ دوسرے قمیص و شلوار میں ترکیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے صفات لائق نہیں جو غیر محیط اور مرکب ہوں کیونکہ ایسے اوصاف جسمانیات سے متعلق ہیں۔

فائدہ: کبر اعجاب اور اعجاب جہل سے پیدا ہوتا ہے جو انسان کے محاسن کو نقصان پہنچاتا ہے اور جہل انسان کو انسانیت کے دائرہ سے باہر پھینکتا ہے اور کبر قبول حق کے امتناع کا موجب ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان قبائح کو راس القبائح کہا ہے۔ **کما قال۔ الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق۔**[۹]

مسئلہ: سب سے برا انسان وہ ہے جس میں کبر کے ساتھ بخل بھی ہو۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دو عادتیں مومن میں نہیں ہوتیں:

۱۔ بخل ۲۔ کبر

فائدہ: جو شخص حکومت۔ افسری۔ شاہی ملنے کے بعد تکبر کرتا ہے تو یہ اس کے ردی جوہر کی دلیل ہے۔

تکبر کے زائل کرنے کا علاج: جس نے اپنے لیے یقین کیا کہ وہ چند بیکار امور سے مرکب ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی ابتداء و انتہا اور اوسط کیا ہے تو اپنے اندر ہزار نقائص و عیوب پائے گا اس طرح سے اس کا کبر اس کے دل سے زائل ہو جائے گا اور جس کا تکبر دنیا و دولت سے ہو تو اسے سمجھنا چاہیئے کہ یہ عارضی شے چند روز کے بعد اس سے ختم ہو کر مٹ جائے گی۔

مسئلہ: آیت میں **بغیر الحق** کے لفظ میں اشارہ ہے کہ تکبر مذموم نہیں بلکہ بعض مواقع تکبر سے ثواب ملتا ہے مثلاً دشمن کے مقابلہ کے وقت تکبر کرنا بہت بڑا ثواب ہے اسی لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو دجانہ کو صف جنگ میں تکبر سے چلتا ہوا دیکھ کر فرمایا ایسی چال اللہ تعالیٰ کو مبغوض ہے لیکن اگر جنگ کے موقع پر ہو تو محبوب ہے۔

---

۹ آج تم زمین پر ناحق تکبر کی وجہ سے سخت عذاب دیئے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ

الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا

كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ

الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ

اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ

تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا

لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ

مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ

تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ

عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ

اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی بعد اس کے کہ اگلی سنگتیں ہلاک فرما دیں جس میں لوگوں کے دل کی آنکھیں کھولنے والی باتیں اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ نصیحت مانیں اور تم طور کی جانب مغرب میں نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا اور اُس وقت تم حاضر نہ تھے مگر ہوا یہ کہ ہم نے سنگتیں پیدا کیں کہ ان پر زمانہ دراز گزرا اور نہ تم اہل مدین میں مقیم تھے ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہوئے ہاں ہم رسول بنانے والے ہوئے اور نہ تم طور کے کنارے تھے جب ہم نے ندا فرمائی۔ ہاں تمھارے رب کی مہر ہے (کہ تمہیں غیب کے علم دیے) کہ تم ایسی قوم کو ڈر سناؤ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا یہ اُمید کرتے ہوئے کہ ان کو نصیحت ہو اور اگر نہ ہوتا کہ کبھی پہنچتی انہیں کوئی مصیبت اس کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ تو کہتے اے ہمارے رب تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے۔ پھر جب ان کے پاس حق آیا۔ ہماری طرف سے بولے انہیں کیوں نہ دیا گیا جو موسیٰ کو دیا گیا۔ کیا اس کے منکر نہ ہوئے تھے جو پہلے موسیٰ کو دیا گیا۔ بولے دو جادو گر ہیں ایک دوسرے کی پشتی پر اور بولے ہم ان دونوں کے منکر ہیں۔ تم فرماؤ تو اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت کی ہو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر وہ یہ تمھارا فرمانا قبول نہ کریں تو جان لو کہ بس وہ اپنی خواہشوں ہی کے پیچھے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اپنی خواہش کی پیروی کرے اللہ کی ہدایت سے جدا۔ بیشک اللہ ہدایت نہیں فرماتا ظالم لوگوں کو۔

مضمون سابقہ

مسئلہ: اغنیاء کے سامنے بھی تکبر (استغناء) جائز ہے اس لیے کہ یہ تکبر (استغنا) اپنی عزت ہے اور یہ مذموم نہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ۔ مومن کو لائق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل رکھے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ قبولِ حق تواضع والوں سے تواضع اور قدر دانوں کی قدر بڑھا کر اپنے آپ کو معزز بنائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام منزلہ کی پابندی کرے انشاءاللہ دنیا و آخرت سے کامیاب و کامران رہے گا۔ اور منجملہ ان لوگوں سے ہو جائے گا جن کے ظاہری و باطنی معاملات پر عوام و خواص کی زبان سے مدح سرائی ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے نعمتِ متواترہ کا سوال کرتے ہیں:

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بزرگان نکردند در خود نگاہے
خدا بینی از خویشتن مخواہ
بزرگی بناموس و گفتار نیست
بلندی بادعویٰ و پندار نیست
بریں آستان عجز و مسکینیت
بہ از طاعات و خویشتن بینیت
بلندیت باید تواضع گزیں
کہ آن بام را نیست سلم جز ایں

ترجمہ: بزرگوں نے اپنے آپ کو نہیں دیکھا جس نے اپنے آپ کو دیکھا اس سے خدا بینی مشکل ہے
ناموس وگفتار کا نام بزرگی نہیں دعویٰ اور گمان کا نام بلندی نہیں۔
لیکن عجز و مسکینی ضروری ہے اور اپنے آپ کو دیکھنے سے طاعتِ الٰہی بہتر ہے۔
تجھے بلندی کی ضرورت ہے تو تواضع کیجئے اس لیے کہ اس بلندی کی سیڑھی یہی ہے

ولقد اٰتینا موسی الکتٰب: بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات دی۔ من بعد اھلکنا القرون الاولیٰ۔ قرون قرن کی جمع ہے وہ لوگ جو زمانۂ واحد کو مقترن ہوں یعنی اس کے بعد کہ ہم نے دنیا میں کئی قوموں کو جیسے قوم نوح و ہود و صالح و لوط علیہم السلام کو ہلاک و تباہ کر دیا۔ یعنی جب انھیں تباہ کرنے کی حاجت محسوس ہوئی۔

فائدہ: الراغب نے لکھا ہے کہ الھلاک بمعنی موت اور اسے اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا سوائے چند مقامات کے۔
مثلاً: حتیٰ اذا ھلك ان امرءٌ ھلك اور فرمایا
وما یھلکنا الا الدھر اور فرمایا حتیٰ اذا ھلك قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا۔ بصائر للناس۔ یہ الکتاب سے حال ہے اگرچہ کتاب خود بصائر ہے۔ اسی طرح اس کا مابعد کا معاملہ ہے۔ البصائر والبصیرۃ کی جمع ہے۔ یہ دراصل قلب کے ایک نور کا نام ہے جس سے باطنی امور کو دیکھا جاتا ہے جیسے بصر آنکھ کا نور جس سے ظاہری اشیاء کو دیکھا جاتا ہے
اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کتاب بنی اسرائیل کے قلوب کا نور تھی کہ جس سے وہ حقائق اشیاء کو دیکھتے اور حق و باطل کی تمیز کرتے تھے جبکہ اس سے قبل ان کے قلوب الادراک دفہم سے بالکل اندھی تھیں۔ وھدی اور وہ شرائع واحکام دجنھیں راہِ حق سے تعبیر کیا جاتا ہے) کی طرف ہدایت دینے والی تھی۔

فائدہ: انسان العیون میں لکھا ہے کہ تورات پہلی آسمانی کتاب تھی جو احکام و شرائع پر مشتمل تھی بخلاف کتب سابقہ کے کہ وہ ایسی نہیں تھیں بلکہ انمیں صرف ایمان باللہ اور توحید کا بیان تھا اس لیے انھیں صحف کہا جاتا اور ان پر لفظ کتاب کا اطلاق مجازاً تھا ورحمۃ اور وہ کتاب رحمت تھی یعنی ہر اس شخص کے لیے رحمت ہوتی جو اس پر عمل کرتا لعلھم یتذکرون تاکہ وہ ایسے حال پہ ہو جائیں کہ ان سے مواعظ سے نصیحت حاصل کرنے کی امید کی جا سکے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات کے نزول کے بعد کسی قوم کو آسمانی عذاب سے تباہ و برباد نہ کیا گیا سوائے اس قوم کے جو خنزیر اور بندر ہو گئے۔ اس کا استدلال آیت مذکورہ سے ہے۔ وماکنت اور اے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نہیں تھے بجانب الغربی غربی جانب سے یعنی اس پہاڑ یا مکان غربی میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کا میقات مقرب تھا اور وہاں پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے یہاں موصوف محذوف اور صفت اپنے موصوف کے قائم مقام ہے یا الجانب الغربی مسجد الجامع کی طرح اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے قبیل سے ہے ہر دونوں اعتبار سے اس سے کوہ طور مراد ہے اذ قضینا الی موسی الامر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا اور انہیں وحی کے ذریعے نبوت کے اعلان کا حکم فرمایا اور تورات عطا فرمائی وما کنت من الشاھدین۔ آپ ان مشاہدہ کرنے والوں سے نہیں[1] جو اس وقت وحی میں موجود تھے یعنی ان ستر آدمیوں کے جنہیں میقات موسیٰ ہیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانے کے لیے بنی اسرائیل نے منتخب کر کے بھیجا تھا یہاں تک کہ آپ ان کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے حالات میقات کا مشاہدہ فرماتے اور تورات کی کتابت کے وقت کو آنکھوں سے ملاحظہ فرما کر لوگوں کو بتاتے۔ نیز یہاں یہ ثابت کرنا مطلوب ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ غیوب و احوال ماضی کی خبر دیئے ہیں وہ وحی الٰہی کے ذریعے سے

---

[1] یہ دیوبندیوں اور وہابیوں کے ایک سوال کا پہلا جواب ہے۔ سوال یہ ہے اہلسنت وجماعت حضور علیہ الصلوٰۃ کو اولین و آخرین کے ذرہ ذرہ کے حالات پر حاضر و ناظر ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے صریح نفی کیوں فرمائی صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں پر الشاھدین سے مراد مخصوص چند افراد مراد ہیں اور ان کی ایک خاص کیفیت کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نفی کی گئی ہے تو یہ ہمارے مدعا کے خلاف نہیں کیونکہ معانی اور مناظرہ وغیرہما کا قاعدہ ہے کہ خصوص کی نفی سے عموم کی نفی نہیں ہوتی۔

[2] یہ وہابیہ دیوبندیہ کے سوال مذکور کا دوسرا جواب ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

ہے جو آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ اس کے بعد استدراک کے طور پر فرمایا ولکنا انشاء نا قرونا لیکن ہم نے آپ کے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے درمیان میں بہت بڑے گروہ در گروہ پیدا فرمائے۔ فتطاول علیہم العمر۔ تطاول بمعنی طال ہے بمعنی دراز ہوئی۔

حل لغات: العمر بالفتح وبالضم وبضمتین بمعنی الحیاۃ۔ امام راغب نے فرمایا کہ بدن کی حیات کے ذریعے عمارت کی مدت کو عمر کہا جاتا ہے۔

اب یہ معنیٰ ہوا کہ ان پر طویل زندگیاں اور عرصے دراز اور بڑے برس گزر گئے اور پھر شرائع و احکام بدلتے رہے اس تغیر و تبدل سے ان کے اصلی حالات و اخبار او جھل ہو گئے اسی لیے اب ضرورت تھی انھیں کسی ایسی نئی شریعت سے نوازا جائے جو ان کے حالات کو آراستہ و پیراستہ کرے اسی لیے ہم نے آپ کو وحی سے نوازا۔ یہاں پر مستدرک کے موجب کی وجہ مستدرک کو حذف کر دیا گیا ہے وما کنت ثاویا یہ نفی اس احتمال کے لیے ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ آپ نے یہ قصہ اس سے سنا ہو گا جو واقعہ کے وقت موجود تھا۔ الثواء بمعنی الاقامۃ والاستقرار یعنی آپ موسیٰ و شعیب علیہما السلام کی طرح اہل مدین میں مقیم نہیں تھے۔ درآنحالیکہ آپ تتلو علیہم آپ ان سے قصہ پڑھتے ہیں جیسے شاگرد استاد سے پڑھتا ہے یہ ثاویا کی ضمیر مستکن سے حال ہے یا کنت کی خبر ثانی ہے ایاتنا ہماری آیات جو قصہ بیان کرتی ہیں۔ ولکنا کنا مرسلین اور لیکن ہم آپ کو رسول بنا کر بھیجتے اور آپ کے ہاں ان آیات اور اُن کی طرح دیگر وحی کرتے ہیں۔ وما کنت بجانب الطور اذ نادینا اور آپ اُس وقت نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام طور کے قریب ندا دی کہ انی انا اللہ رب العالمین اور انھیں نبوت کی خبر دی اور انھیں فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کا حکم فرمایا۔

نکتہ در شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس نکتے میں الرحمٰن کا اضافہ اس لیے نہیں کیا کہ کہیں محبوب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں مذمت

بقیہ حاشیہ: کی نبوت کے منکر تھے لیکن ان کی کتب توراۃ میں بار بار واضح کیا گیا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ان کی وحی ربانی ہے اور آیت کی نفی مذکور غیر وحی کے لیے ہے ورنہ وحی سے تو آپ نے حالات بتائے جن سے مخالفین کو بھی انکار نہیں اور یہی ہمارا مطلوب ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعوت نبوت کے اثبات میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے اس طرح گفتگو فرماتے جس طرح کہ وہ اہل تھے یہ آپ کے فضائل و کمالات اپنے مقام پر حق ہیں۔

کا پہلو نہ نکل سکے اسی لیے کہ آپ نو ازل تا ابد جانب ایمن میں ہیں۔ اس نکتہ کو شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر لوگ (مثلاً وہابی نجدی) غور سے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ ایسے الفاظ ان کے حق میں لکھے جائیں جس میں ان کی بے ادبی و گستاخی کا ابہام ہو (لیکن یہ لوگ جس طرح کی گستاخانہ و بے ادبانہ عبارات و کلمات حضور علیہ السلام کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو الایمان والحفیظ کہ جن پر یہود و نصاریٰ اور ہنود و دیگر دشمنانِ اسلام بھی جرأت نہ کر سکیں تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب التحقیق الکامل فی تمیز الحق والباطل وغیرہ دیکھئے) **ولکن رحمۃ من ربک** اور لیکن ہم نے آپ کو قرآن ناطق دے کر رسول بنا کر بھیجا کہ اس میں ہماری اس عظیم رحمت کا بیان ہے جس سے ہم لوگوں کو نوازتے ہیں۔ **لتنذر قوما** یہ فعل معلل بالرحمۃ کے ساتھ متعلق ہے تاکہ آپ قوم کو ڈر سنائیں۔ **ما اتاھم من نذیر من قبلک**۔ یہ جملہ قوماً کی صفت ہے۔ یعنی ان سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا اس لیے کہ وہ فترت کا دور تھا اس سے عیسیٰ علیہ السلام اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے۔ یہ پانچ سو پچپن سال کا عرصہ تھا یا اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ مراد ہے اس لیے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی دعوت صرف بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی **لعلھم یتذکرون**۔ شاید وہ آپ کی تبلیغ سے نصیحت حاصل کریں۔ قضاء الامر اور اہل مدین کے قیام اور ندا کی تغیر نوعی میں تنبیہ ہے کہ یہ ہر ایک مستقل برہان اور روشن دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر ایک واقعہ تفصیل سے بیان کرنا وحی ربانی سے ہے۔ اگر ان واقعات کو ترتیب سے ذکر کیا جاتا مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل مدین میں نفی پھر قضاء الامر کے وقت موجود ہونے کی نفی جیسا کہ واقعات کی ترتیب ہے تو اس سے یہ سمجھا جاتا کہ یہ تمام واقعات نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی صرف ایک دلیل ہے حالانکہ وہ علیحدہ علیحدہ مستقل دلیل نبوت مصطفےٰ میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (کذا فی الارشاد)

فائدہ: تذکر (نصیحت کرنا) اس ازلی عہد کی تجدید مطلوب ہے اور وہ کلمۂ شہادت سے ہوتی ہے اور کلمہ شہادت ہی دارین کی نجات کا موجب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کا بیان

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل آس (درخت) کے پتے پر لکھوا کر عرش معلیٰ پر رکھوا کر اعلان کرایا کہ **یا امۃ محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) **ان رحمتی سبقت غضبی اعطیتم قبل ان تسئلونی وغفرت لکم قبل ان تستغفرونی من لقینی منکم یشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدی ورسولی ادخلتہ الجنۃ وقد اخذ اللہ المیثاق من موسیٰ ان یؤمن بانی رسول اللہ فی غیبتی۔**

ترجمہ: اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سُن لو میرے غضب سے میری رحمت سبقت لے گئی ہے۔ میں نے تمھیں بے مانگے دے دیا اور میں نے تمھیں بخش دیا جو بھی میرے ہاں حاضر ہوا اور اُسے میری توحید اور میرے محبوب کی رسالت کا اقرار اور یقین ہے تو میں اسے بہشت میں داخل کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے میری رسالت کے متعلق غائبانہ عہد لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنّا: حدیث شریف میں ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے آواز آئی اے موسیٰ علیہ السلام۔ آواز کو سن کر موسیٰ علیہ السلام دائیں بائیں دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ ایسے ہی تین بار آواز آئی اور آپ نے ہر بار دائیں بائیں دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ اب تیسری بار گھبرائے۔ آواز میں اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا یا موسیٰ بن عمران انی انا اللہ لا الہ الا انا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی لبیك یہ کہہ کر سجدہ ریز ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام سر اُٹھا لیجئے اور یاد رکھئے کہ اگر آپ قیامت میں میرے عرش کے نیچے سکون حاصل کرنا چاہتے ہو تو یتیم کے ساتھ اتنا احسان کیجئے کہ اسے باپ کا خیال تک نہ آئے اور بیوہ عورت کے ساتھ احسان و مروت کیجئے تاکہ اسے شوہر یاد نہ آئے اور اے موسیٰ علیہ السلام دنیا والوں پر رحم کیجئے آخرت میں آپ پر رحم کیا جائے گا اور جیسے کرو گے ویسے بھرو گے اور یاد رکھو کہ قیامت میں میرے ہاں جو بھی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر آئے گا میں اسے جہنم میں داخل کروں گا وہ میرا خلیل ابراھیم ہو یا موسیٰ کلیم علیٰ نبینا و علیہما السلام۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے الہ العالمین تیرا محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یموسیٰ وعزتی وجلالی ماخلقت خلقا اکرم علی منہ کتبت اسمہ مع اسمی فی العرش قبل ان اخلق السمٰوٰت والارض والشمس والقمر بالفی سنۃ وعزتی وجلالی ان الجنۃ محرمۃ علی الناس حتی یدخلھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و امتہ (روح البیان ج ۶ ص ـــ)

ترجمہ: اے موسیٰ (علیہ السلام) مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے ان سے مکرم تر کوئی نہیں پیدا کیا۔ عرش پر ان کا نام میں نے اپنے نام کے ساتھ لکھا جبکہ دو ہزار سال سے پہلے ابھی میں نے آسمان و زمین اور سورج و چاند پیدا بھی نہیں کیے۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے بہشت لوگوں پر حرام کر دی ہے جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت اس میں داخل نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ ہر وقت میری حمد و ثنا کرتے رہیں گے اور ہر وقت چوکس رہیں گے اور اپنے اجسام کو پاک رکھیں گے اور دن کو روزے رکھیں گے اور رات کو بیدار رہیں گے۔ ان کی معمولی سے معمولی نیکی بھی قبول کروں گا اور کلمہ لا الہ الا اللہ الخ کی سچی گواہی پر انھیں بہشت میں داخل

کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الہ العالمین مجھے اسی اُمت کا نبی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام اسی اُمت کے نبی میرے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ عرض کی تو مجھے اسی نبی (پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اُمتی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہلے پیدا فرمایا اور اُن کی پیدائش میں سینکڑوں سال دیر ہے لیکن دار الجلال میں آپ کو ان کی ملاقات کراؤں گا۔

اُمّتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آوازیں موسیٰ علیہ السلام نے سنیں

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہوئے تو عرض کی یا اللہ میں نے تورات میں ایک اُمت کا ذکر پڑھا کہ وہ تمام اُمتوں سے بہترین اُمت ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے گی اور برائیوں سے روکے گی۔ انھیں صدقات کا کھانا روا ہوگا اور ان کی ہر نیکی قبول اور ہر دُعا مستجاب ہوگی۔ اے اللہ تعالیٰ مجھے اس اُمت کا نبی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ میرے محبوب احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی تو میری اُن کے ساتھ ملاقات کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اُس وقت پیدا ابھی نہیں ہوئی اور نہ ہی اُن کے ظہور کا اب وقت ہے اگر آپ چاہیں تو آپ کو اُس کی گفتگو سُنا دیں عرض کی یہی سہی۔ اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ آواز سن کر تمام ارواح نے اپنے آباء کی پشتوں سے لبیک پکاری۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کی آواز سُن لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ تمھاری لبیک پر میں ایک تحفہ عطا فرماتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں نے تمھاری دُعائیں قبول فرمالیں قبل اس کے کہ تم دعا مانگو اور میں نے تمھیں بخشش دیا قبل اس کے کہ تم مجھ سے بخشش مانگو اور میں نے تم پر رحم فرمایا قبل اس کے کہ تم مجھ سے رحم کی درخواست کرو۔

فائدہ: اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش بختی کا کیا کہنا کہ انھیں اعلیٰ اور بہتر مراتب و درجات عنایت ہوئے جن کی گواہی قرآن مجید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

ع حق لطف کردہ بما ہر چہ بہتر است

ترجمہ: حق تعالیٰ نے لطف و کرم سے ہمیں وہ درجات و مراتب بخشے جو ہمارے لیے بہتر تھے۔

تفسیر عالمانہ:

ولولا ان تصیبھم مصیبۃ: یہ ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور مصیبۃ بمعنی عقوبۃ ہے امام راغب نے فرمایا کہ دراصل مصیبۃ اس تکلیف کو کہا جاتا ہے جو تجھے پہنچے لیکن پھر مطلق سزا وغیرہ سے مخصوص ہو گئی۔ اب یہ معنی ہوا کہ اگر انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ **بما قدمت ایدیھم** بسبب اس کے کہ جو انہوں نے جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا۔

تقدیم کا اسناد ایدی (ہاتھوں) کی طرف اس لیے کہ عمل میں اعضاء سے یہی عضو قوی تر ہے اور

فائدہ: عموماً افعال میں اسی سے زیادہ تر مدد لی جاتی ہے۔ **فیقولوا** اس کا عطف تصیبھم پر ہے اور لولا امتناعیہ کے حیز میں داخل ہے اس لیے کہ نا ہجاب کا امتناع اسی پر ہے۔ **ربنا** ہمارے پروردگار۔ **لولا ارسلت الینا** تونے ہمارے ہاں کیوں نہ بھیجا یہ لولا تحضیضیہ ہے بمعنی ھلا **رسولا** کسی ایسے رسول کو جو تیری طرف معجزات کے ساتھ موید ہوتا **فنتبع ایاتك** تو ہم تیرے انہی آیات کی اتباع کرتے جو اسی رسول کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے۔ یہ لولا ثانیہ کا جواب ہے۔ **و نکون من المؤمنین** اور ہوتے ہم ان پر ایمان لانے والے اور پہلے لولا کا جواب محذوف ہے بوجہ دلالت حال کے۔

خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اگر وہ اپنے کردار پر عذاب کے نزول کے وقت عذر مذکور نہ کرتے تو آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے لیکن چونکہ ان کا قول مذکور محقق ہے جس سے وہ کسی قسم کا انکار نہیں کر سکتے۔ اسی لیے ہم نے آپ کو قطعی طور ان کا رسول بنایا تاکہ پھر قیامت میں کسی قسم کا عذر نہ کر سکیں اس لیے کہ ہم نے اپنی حجت قویہ قائم کر دی ہے۔ **فلما جاءھم** پھر اہل مکہ اور کفار عرب کے ہاں تشریف لایا۔ **الحق** اس سے قرآن مجید مراد ہے چونکہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی ہے۔ **کما قال: فلما جاء الحق و رسول مبین من عندنا۔** ہمارے امر و وحی سے (کذا فی کشف الاسرار)

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں پر حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔

انا الحق کی حقیقت: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انانیت کو فنا کر کے ہویت حق کی بقا سے مشرف ہو چکے تھے۔ اس مرتبہ پر فائز ہونے کی بنا پر اگر آپ انا الحق کہتے تو آپ کو روا تھا لیکن آپ کا انا الحق نہ کہنا آپ کی عالی ظرفی کی دلیل ہے لیکن آپ کے غلاموں (اولیاء اللہ) میں اگر کسی (منصور رحمۃ اللہ علیہ) نے کہہ دیا تو ان کو جائز تھا اس لیے کہ اولیاء کرام کے قلوب ایسے روشن و متجلی ہوتے ہیں۔ کہ ان کے قلوب قلب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آمنے سامنے ہو کر نبوت کی ولایت کے انوار سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب انور اس حقیقت کا سرچشمہ اور حق کے ظہور کا مظہر و مرکز ہے اس لیے اگر آپ کا فرمانبردار بحکم **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** آپ کی اتباع میں اسی حقیقت کو ظاہر کر دے تو کون سا حرج ہے۔ (کذا فی التاویلات نجمیہ)

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت حق کی تحقیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے یہ بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے سے پہلے آپ کو مقام عند ربہ سے مشرف فرمایا اور آپ کو استحقاق بخشا کہ آپ کا اسم گرامی بھی حق ہو حالانکہ حق اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ سے ہے وہم اہل سنت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی مقام فنار و بقا کی وجہ سے صفات الٰہیہ سے موصوف کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ رحیم ہے تو آپ بھی رحیم۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے تو آپ بھی کریم۔ اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب اور حاضر و ناظر اور نور تو ایسے ہی آپ بھی لیکن جتنا صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں گے وہ بحیثیت الوہیت کے اور نبی علیہ السلام کی وہی صفات بحیثیت نبوت کے ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور قرآن مجید میں بندوں کو سمیع و بصیر کہا ہے تو وہاں بھی یہی کہنا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے بحیثیت خالق ہونے کے اور بندوں کی یہ صفات بحیثیت مخلوق کے (فافھم ولا تکن من الوہابین)[1]

تفسیر عالمانہ: **قالوا**۔ بطور سرکشی مطالبہ کرتے ہوئے کہا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مقولہ قریش کا ہے جو انہوں نے یہود کے سمجھانے پر کہا **لولا**۔ کیوں نہیں۔ **اوتی** دیئے گئے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) **مثل ما اوتی موسیٰ**۔ مثل اس کے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا یعنی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یکبارگی نازل ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن مجید یکبارگی کیوں نازل نہ ہوا ان پر متفرق طور پہ کیوں نازل ہوا۔

فائدہ: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کفار اپنے کفر کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کو نہ دیکھ سکے ورنہ اس کے بجائے کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ کمالات کیوں نہ دیئے گئے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوئے۔ **اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل**۔ کیا انہوں نے میرے محبوب علیہ السلام کے ساتھ کفر کی طرح موسیٰ علیہ السلام کے کمالات عطا کردہ کا انکار نہیں کیا تھا۔

ربط: ان کے کفر و انکار کی کیفیت بتاتے ہوئے فرمایا **قالوا**۔ انہوں نے کہا کہ وہ دونوں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کے کمالات **سحران تظاھرا** جادوگر ہیں۔ جنھوں نے ایک دوسرے کی مدد کی ہے یعنی ایک دوسرے کی تصدیق کر کے آپس میں ایک دوسرے کے معین و مددگار ہیں۔

شان نزول: مروی ہے کہ کفار مکہ یعنی قریش نے یہودیوں کی عید کے دن یہودیوں کے لیڈروں کے ہاں وفد بھیج کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا کہ تمہاری

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۱۲

کتاب میں ان کے متعلق کیا لکھا ہے تو یہودیوں کے لیڈروں نے صاف کہہ دیا کہ ہماری کتاب تورات میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مدائح اور فضائل و کمالات اور آپ کے اوصافِ کریمہ وخصائل جمیلہ مذکور ہیں۔ جب قریش مکہ کا وفد واپس لوٹا اور یہودیوں کے لیڈروں کا بیان سنایا تو کافروں نے مذکورہ بالا بکواس کی و قالوا انا بکل اور کہا کہا کہ ہم ہر دونوں کتابوں (قرآن مجید اور تورات) کا فروں کو نہیں مانتے۔ بعض بزرگوں نے لکھا کہ یہاں پر قائلین سے ابناء جنس الکفار فی الرای والمذھب یعنی قبطی مراد ہیں اور من قبل سے قرآن اور سحران بمعنی ساحران اور ان سے موسیٰ و ہارون علیہما السلام مراد ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ قریش کے ابناء جنس یعنی قبطیوں نے قرآن مجید کے نزول سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے عطا کردہ کمالات کا انکار نہیں کیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں جادوگر ہیں اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کی معاونت اور تصدیق کی اور کہا کہ ہم ہر دونوں کے منکر ہیں۔

تردید از صاحب روح البیان: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا تقریر یعنی کفر کا اسناد ابنائے جنس کی طرف کرنا اگرچہ صحیح ہے اس لیے کفر کی جملہ ملتیں ایک ہیں۔ ایک ملت کا کسی حقیقت کا انکار جملہ ملتوں کے کفر کو متلزم ہے جیسے آباء کے افعال کا اسناد ابناء کی طرف کیا گیا ہے اس لیے کہ وہ ابناء اپنے آباء کے افعال قبیحہ سے راضی تھے لیکن اس تقریر میں یہ خرابی ہے کہ یہاں پر قبطیوں سے مراد لی جائے تو موسیٰ علیہ السلام کے عطا کردہ کمالات کو صرف خوارق مخصوصہ تک محدود ماننا پڑ گیا اور کتاب تورات کا عطیۂ کمال اس سے خارج ہوگا اس لیے کہ آپ کو تورات قبطیوں کی تباہی اور ہلاکت کے بعد ملا دوسری خرابی یہ ہے کہ قرآن مجید جو عطیۂ حق کا ذکر ہے اس کے بالمقابل موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے کمالات تو ہوں گے لیکن تورات کو اس وقت بالمقابل نہیں مانا جائے گا اور یہ بھی فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کمال علی الاطلاق عطیۂ تورات ہی ہے باقی عطیات اگرچہ کمالات میں داخل ہیں لیکن تورات کا عطیۂ خصوصیت حاصل ہے۔ ان وجوہ سے ضروری ہوا کہ تقریر پہلی ہی بہتر ہے اس لیے کہ نظم کلام اور اس کی فصاحت و بلاغت کا تقاضا یونہی ہے چنانچہ اگلا مضمون صراحۃً ہماری تقریر کا موید ہے۔ قُلْ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جو کفار آپ پر مذکورہ بالا الزام لگاتے ہیں آپ انہیں فرمائیے فاتوا تولاڈ بکتاب من عند اللہ ھو اھدٰی منھما اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی کتاب جو ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو یعنی وہ دونوں کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں جنہیں تم جادو کہتے ہو ان سے طریقۂ حق کے مطابق بہت زیادہ راہ دکھانے والی ہو۔ اتبعہ یہ امر کا جواب ہے یعنی مذکورہ بالا صفت کی کتاب لاؤ میں بھی اسی کی اتباع کروں گا

یعنی شرط یہی ہے کہ ایسی کتاب لائی جائے جو حجت کے لحاظ سے واضح تر اور دلائل کے اعتبار سے روشن تر ہو یہ اس لیے کہ ایسی کتاب لائی جائے جس کا دونوں (قرآن مجید اور تورات) سے زیادہ روشن اور واضح ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ایسا امر فرمایا ہے جو ان سے محال ہو اور یہ تبکیت و افحام کے طور پر ہے ان کنتم صدقین اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو جب کہتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں مختلف طرح کے جادو ہیں اور لفظ ان شرطیہ سے تہکم مطلوب ہے ورنہ کفار کے دعویٰ کا صدق تو ممتنع ہے فان لم یستجیبو لك پس اگر وہ آپ کے سوال کو پورا نہ دے سکیں نہ ہی مذکورہ بالا اوصاف سے کتاب لا سکیں اور یقین کیجئے کہ وہ ہرگز نہیں لا سکیں گے۔ یہ آیت و ان لم تفعلوا و لن تفعلوا کی طرح ہے اور اس کا مفعول بہ یعنی دعائك بہ محذوف ہے۔ اس لیے وہ قرینہ سے معلوم ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور قاعدہ سے بھی معلوم ہوا کہ فعل استجابۃ دعا کی طرف خود بخود متعدی ہوتا ہے۔ اگر داعی کی طرف متعدی ہو تو لام کے ساتھ اور پھر قاعدہ ہے کہ داعی کی طرف متعدی ہوگا تو دعا کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے بنائے قاعدہ ہذا یہاں بھی دعائك کو محذوف کیا گیا۔ فاعلم انما یتبعون اھوائھم تو جان لو کہ یقیناً وہ اپنی غلط خواہشات کی اتباع کرتے ہیں ان کے ہاں کوئی مضبوط اور پختہ سند نہیں کہ جس سے وہ اپنے دعویٰ کو صحیح کر سکیں۔ اگر اُن کے ہاں کوئی ایسی سند ہوتی تو لازماً پیش کرتے ومن اضل ممن اتبع ھواہ اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو خواہشاتِ نفسانی کا اتباع کرتا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی خواہشاتِ نفسانی کرنے والا بہت بڑا گمراہ ہے۔ سب تمام گمراہوں سے بڑھ کر گمراہ ہے بغیر ھدی من اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر۔ یہ بیان وحجت ہے اور اگر تقریر کو پختہ کرنے اور شناعت وضلالت کے اظہار کے لیے اتباع ہویٰ کو ہدایت الٰہی کے بغیر مقید کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ جو خواہش ہدایت الٰہی سے مقارن ہو تو اس کا گمراہ ہونا محال ہے اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کبھی نفسانی خواہش حق کے موافق ہوتی ہے اسی لیے اتباع ہوائے نفس کو بغیر ہدی من اللہ سے مقید فرمایا ہے اس معنی پر بغیر ھدی من اللہ محلاً حال ہے ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالمین یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والوں کو اپنے دین کا راستہ نہیں دکھاتا اس لیے کہ وہ ہوائے نفس اور اعراض عن الآیات میں بہت زیادہ منہمک ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ:

آیت میں چند لطائف دو طریق پر ہیں:

۱۔ صرف پڑھنا۔ پڑھانا۔ سماع مطالعہ۔

۲۔ ریاضت مجاہدہ۔ تزکیہ یہی راستہ حضرت احدیت تک بہت جلد پہنچانے والا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ من تقرب الیّ شبراً جو میرے ہاں انجذاب روحانی سے بالشت بھی قریب ہوتا ہے

تقربت الیہ ذراعًا تو میں فیض و فتح و الہام و کشف سے اسکے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں۔
اس سے ثابت ہوا کہ کتابوں کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے اور مطالعہ سے جو گتھی نہیں سلجھتی وہ سلوک راہِ حق سے منٹوں میں حل ہو جاتی ہے اسی لیے ہم (اہلسنت) اولیاء اللہ سے اس راہ کی تلاش کرتے ہیں کیونکہ ان حضرات کو وراثتہً حق سے یہ راستہ حاصل ہوتا ہے اور مخلوق و خالق کی راہ دکھانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

فیضی کہ جامی از دو سہ پیمانہ کہ یافت
مشکل کہ شیخ شہر بیابد بصد چلہ

ترجمہ: وہ فیض جو شیخ کی نگاہ کرم سے نصیب ہو وہ سینکڑوں چلوں سے بھی بصد مشکل ہوتا ہے۔

(۲) اگر کسی مرشد حاذق اور طالب صادق کو شیخ کامل کی صحبت نصیب ہو جائے اور وہ اس کی اقتداء میں ہدایات پاتا ہے بشرطیکہ وہ واقعی شیخ کامل اور واصل باللہ ہو تو مرید پر لازم ہے کہ وہ ایسے کامل شیخ کی خدمت کے لیے ہر وقت مستعد رہے کیونکہ وہی اسے اللہ تعالیٰ سے ملا سکتا ہے تو مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے شیخ کامل کی اتباع کرے اور اس کی ارادت کے دامن کو مضبوط پکڑے یہاں تک کہ تکمیل کو پہنچے۔ اگر اثنائے سلوک اسے اور کامل شیخ میسر ہو جو اس پہلے شیخ سے مکمل ترین ہے تو پھر اس کی خدمت میں جان نچھاور کرے۔ اسی طرح اگر اس دوسرے سے بھی اور کامل تر شیخ کی صحبت نصیب ہو تو اسی کے ساتھ ہو جائے ایسے ہی کامل سے کامل تر کی خدمت بدلتا جائے یہاں تک کہ منزل مقصود کو پہنچ جائے یعنی وصول الی اللہ بالاتصال بلا انفصال جو انسان کا حقیقی مطلوب ہے (لیکن دور حاضرہ میں پہلے تو شیخ کامل کا ملنا مشکل ہے پھر اگر کسی خوش بخت کو کوئی بزرگ میسر آجائے تو خواہ مخواہ توہم کا شکار ہو کر کسی دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کرنے کی کوشش نہ کرے جب تک شیخ خود حکم نہ فرمائے ورنہ "دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا" والا معاملہ ہو جائے گا۔[۱]

(۳) فریب خوردہ عقلیات کے گرفتار و فلاسفہ کا خیال ہے کہ نفس کا جہاد عقل سے بھی کیا جا سکتا ہے ہدایت الٰہی اور توفیق ایزدی یعنی اتباع انبیاء علیہم السلام کی ضرورت نہیں یہ ان کی خام خیالی بلکہ حماقت و سفاہت ہے اس لیے کہ عقل کو رہبر ماننا اور انبیاء علیہم السلام کی اتباع کو عبث سمجھنا دراصل خواہشاتِ نفسانی کا شکار بننا ہے اور ایسے لوگ نفسانی خواہشات کے پنجے سے کبھی نجات نہیں پا سکتے بلکہ ایسے لوگوں کی عبادت ان کے منہ پر ماری جاتی ہے جو صرف عقل کے زور سے عبادت الٰہی بجا لاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی اتباع کو کچھ نہیں سمجھتے (ہمارے دور میں ماڈرن مسلمان اور نئی تہذیب کے دلدادگان کچھ اس قسم کی ذہنیت رکھتے ہیں اور کچی طبیعت کے مولوی اور ماڈرن ملاں ان کی ایسی غلط ذہنیت کی نہ صرف تائید بلکہ دین کی حقیقی تلقین کی تردید کرتے ہیں[۲]۔

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ، [۲] ایضاً

یاد رکھئے کہ ایسے اذہان دراصل ہوائے نفس کے شکار ہیں اور ان کی عبادت بجائے عبادت میں لکھے جانے کے جہنم کی آگ میں لے جانے والی ہے کیونکہ عبادت کو ہدایت الٰہی کی تائید نصیب نہیں۔

فائدہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کو کون نہیں مانتا لیکن پھر بھی انہیں حکم ہوا کہ آپ بھی انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کریں۔ کما قال اللہ تعالیٰ فبھداھم اقتدہ۔ اس سے خام خیال مذہب کا جواب بھی ہوگیا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی الانبیاء ہیں تو پھر وہ اُن کی اتباع کے لیے مامور کیوں۔

اُوپر بتایا گیا ہے کہ عقل والوں کو سمجھانا تھا کہ اتباع انبیاء ضروری ہے اور قرآن کا قاعدہ ہے کہ اہم معاملہ میں خطاب محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے لیکن مقصود عوام ہوتے ہیں۔ کما قال: یا ایھا النبی اتق اللہ اور فرمایا وثیابك فطھر وغیرہ وغیرہ۔[1]

پیری اور مریدی کا راز: بعثت انبیاء علیہم السلام کا ایک راز یہی ہے اور اسی لیے مرید کو شیخ کامل کی اتباع ضروری ہے۔ کیونکہ شیخ کامل کو ہدایت الٰہی نصیب ہوتی ہے وہ اسی کی برکت سے مرید کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔

(۴) ظالمین وہ ہیں جو متابعت ہوائے نفس میں متابعت انبیاء علیہم السلام کو ضائع کر دیتا ہے اور ہدایت ایسے محل سے تلاش کی جہاں گمراہی ہی گمراہی تھی یعنی عقل بلا تائید ایزدی گمراہی کا سرچشمہ ہے۔

فائدہ: انسان ہوائے نفس کے اعتبار سے تین قسم ہے:

(۱) انسان پر خواہش نفسانی کا ایسا غلبہ ہو کہ انسان خواہش نفسانی کے سامنے گھٹنے ٹیک دے کما قال اللہ تعالیٰ افرأیت من اتخذ الٰہہ ھواہ۔ کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی ۱۲۔

(۲) اس کا خواہش نفسانی کے ساتھ ہر وقت مقابلہ رہے کسی وقت ہوائے نفس پر غالب ہو جائے اور کسی وقت مغلوب ایسے لوگ بھی قابل مدح ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جاھدوا اھوائکم کما تجاھدون اعدائکم۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی کا مقابلہ کرو جیسے دشمنوں سے مقابلہ کیا کرتے ہو۔

(۳) ہوائے نفس پر ہر وقت غلبہ حاصل ہو اور یہ مقام صرف انبیاء علیہم السلام یا اُونچے درجے کے اولیاء کرام کو حاصل ہے۔ انہی حضرات کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ اور ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ بخشا ہے اسی لیے وہ میرے حکم پر چلتا ہے۔

یاد رہے کہ انسان شیطان پر اس کی خواہش نفسانی کے مطابق حملہ کرتا ہے۔

---

[1] اضافہ اویسی غفرلہٗ

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا

اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ

يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا

عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي

الْجٰهِلِيْنَ ○ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى

مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا

يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ

مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ

الْوٰرِثِيْنَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ

اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى

اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ

الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ع

ترجمہ

اور بیشک ہم نے ان کے لیے بات مسلسل اُتاری کہ وہ دھیان کریں جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی
وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب اُن پر یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بیشک

یہی حق ہے ہمارے رب کے پاس سے ہم اس سے پہلے ہی گردن رکھ چکے تھے۔ ان کو ان کا اجر دو بالا دیا جائے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہ بھلائی سے بُرائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل پس تم پر سلام۔ ہم جاہلوں کے غرضی نہیں۔ بیشک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو۔ ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔ اور کہتے ہیں اگر ہم تمھارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو لوگ ہمارے ملک سے ہیں اچک لے جائیں گے۔ کیا ہم نے انھیں جگہ نہ دی امان والی حرم میں جس کی طرف ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس کی روزی لیکن ان میں اکثر کو علم نہیں۔ اور کتنے شہر ہم نے ہلاک کر دیئے جو اپنے عیش پر اِترا گئے تھے تو یہ ہیں ان کے مکان کہ ان کے بعد ان میں سکونت نہ ہوئی مگر کم۔ اور ہمیں وارث ہیں۔ اور تمھارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جبکہ ان کے ساکن ستمگار ہوں۔ اور جو کچھ چیز تمھیں دی گئی ہے وہ دنیوی زندگی کا برتاؤ اور اس کا سنگار ہے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا۔ تو کیا تمھیں عقل نہیں۔

بقیہ سابقہ مضمون:

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اہلِ ہدیٰ میں شمولیت کی جد و جہد کرے اور اہلِ ہویٰ سے کوسوں دُور بھاگے جب اسے دو مختلف امر درپیش ہوں اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں بہتر اور صواب تر کون سا امر ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے جو اس کے نفس پر شاق ہو اس پر عمل نہ کرے جو اس کی نفسانی خواہش کے مطابق ہو اس لیے کہ نفس کی خواہش کے خلاف عمل کرنا بھی جہاد ہے ویسے نفس کے ہر ناگوار امر میں خیر و برکت ہے ہاں جسے عقل سلیم اور فکر فہیم حاصل ہو وہ اس کے موافق عمل کرے تو بھی روا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

ہوا و ہوس را نماند ستیز
چو بیند سر پنجۂ عقل تیز

ترجمہ: ہوا و ہوس کو جنگ کی تاب نہیں رہتی جب اس کے مقابلہ میں عقل سلیم نبرد آزما ہو۔

تفسیر عالمانہ: ولقد وصلنا لھم القول ۔ التوصیل الوصل کا مبالغہ ہے بمعنی دو چیزوں کے درمیانی حائل کو ہٹانا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے قریش کو پے در پے اور بہت زیادہ باتیں پہنچائیں یعنی قرآن پاک کی آیات در آیات اور سورۃ در سورۃ پے در پے نازل فرمائیں جیسا کہ ہماری حکمت کا تقاضا تھا تاکہ ہر وقت ان کے سامنے پند ونصیحت کا دروازہ کھلا رہے اور اُن کے دلوں پر قرآنی آیات کے اثرات وارد ہوتے رہیں۔ لعلھم یتذکرون تاکہ نصیحت حاصل کرکے ایمان لائیں اور طاعت گزار ہوں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے ان پر مسلسل مواعظ وزواجر اُتارے اور سابقہ اُمم کے گروہوں کے حالات سنائے کہ فلاں گروہ فلاں غلط کاری سے فلاں وقت تباہ ہوا وغیرہ مثلاً ہم نے کہا کہ قوم نوح فلاں عمل سے غرق ہوئی اور قوم ہود برباد ہوئی تو فلاں کردار سے اور قوم صالح فلاں غلطی سے تاکہ وہ نصیحت پذیر ہوکر ڈر جائیں کہ کہیں ان پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل نہ ہو جیسے سابقہ امم پر نازل ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قول ظاہرہ پے در پے سننے سے باطن پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ یعنی ہم نے انھیں قرآن مجید کی تفہیم کی نعمت بخشی تاکہ عہد میثاق کو یاد کریں جبکہ بلیٰ کہہ کر دولتِ ایمان سے نوازے گئے اور توحید کا اقرار کرلیا تھا اور ظاہر ہے کہ دولت ایمان سماعِ قرآن سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ: الذین اٰتینٰھم الکتٰب : یہ مبتدا ہے اور اس سے اہل کتاب ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں۔ من قبلہ نزول قرآن سے پہلے جنھیں ہم نے کتاب عطا فرمائی۔ ھم بہ یومنون وہ قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ یہ جملہ مبتدا مذکور کی خبر ہے۔

ربط: اب وہ مضمون فرمایا جو ان کے ایمان بالقرآن کا موجب بنا۔ کما قال : واذا یتلیٰ علیھم اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ قالوا اٰمنا بہ تو کہتے ہیں کہ واقعی قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ انہ الحق من ربنا ۔ بیشک وہ حق ہے اس کی حقیقت کو ہم پہلے سے ہی جانتے تھے کہ اسے ہمارے پروردگار نے اتارنا ہے اور ہمیں پختہ یقین تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے نازل ہونا ہے۔ انا کنا من قبلہ ۔ بیشک ہم نزول قرآن سے پہلے سے ہی مسلمین مانتے تھے واضح کیا گیا ہے کہ ایمان کوئی نیا مسئلہ نہیں کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑا ہو بلکہ یہ مسئلہ تو قدیم الایام جملہ اقوام کا متفق ہے۔ اس لیے کہ ان کی جملہ کتب متقدمہ میں مذکور رہے اور یہ لوگ نزول قرآن سے قبل بھی دین اسلام کے قائل تھے اولٰئک یؤتون اجرھم وہی لوگ جن کے صفات اُوپر مذکور ہوئے وہ ہیں جنہیں آخرت میں اجر و ثواب عطا ہوگا۔ مرتین دوبار ایک بوجہ تورات پر دوسرا بوجہ قرآن پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ لفظ مرۃ کی تحقیق سورہ طٰہٰ میں تحت آیت ولقد مننا علیك مرۃ اخریٰ۔ بما صبروا ۔ ان کے صبر اور دو ایمانوں پر ثابت قدمی اور دو شریعتوں پر عمل کرنے کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ انھیں دوہرا اجر وثواب اس لیے نصیب ہوا کہ انھوں نے خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت اور اوامر و نواہی شرع کی موافقت کی۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین ایسے شخص ہیں جنہیں دوہرا ثواب نصیب ہوتا ہے ایک وہ کہ جس کی لونڈی ہو اور وہ اسے اچھی طرح تعلیم دے اور اسے آداب سکھلائے۔ پھر اس سے نکاح کرے۔

دوسرا وہ شخص جو اپنے آقا کی خدمت کرے اور حقوقِ الٰہی بھی صحیح طور پر بجالائے۔

تیسرا وہ شخص جو کتاب اول (تورات یا انجیل یا زبور) پر بھی ایمان لائے اور قرآن مجید پر بھی۔ (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر عالمانہ: ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ اور وہ لوگ طاعت و عبادت سے بُرائی کو اور قول حسن سے بُرے قول کی دفع کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ ادا کر کے اعمالِ سیئہ کی ظلمات دفع کرتے ہیں اور اعمالِ سیئہ سے شرع کی مخالفت مراد ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بُرائی کے ارتکاب کے بعد فوراً نیکی کرو۔ نیکی کی برکت سے بُرائیاں معاف ہوجائیں گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الحسنات یذھبن السیئات اور یہ حکم عوام اہلِ ایمان کے لیے ہے اور خواص کے لیے حکم یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کی نیکی کے ساتھ قلوب سے حب دنیا اور اس کی شہوات و خواہشات کی زنگ دور کریں۔ اور اخص الخواص کے لیے یہ ہے کہ لا الہ کی نفی سے تعلق قلب کے ساتھ وجود موجودات کے شرک کی بُرائی کو ختم کریں بلکہ بصیرۃ کی آنکھ کو الا اللہ سے اثباتِ وجود کے ساتھ ماسوی اللہ کے دیکھنے والی آنکھ کو بند کردے۔ بس یہی تصور راسخ ہو کہ کان اللہ ولم یکن معہ شئی۔ اللہ کی ذات کے سوا کوئی شے ہے ہی نہیں۔

تفسیر عالمانہ: ومما رزقنھم ینفقون۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ وجودِ مجازی کو وجودِ حقیقی کی طلب میں خرچ کرنا ضروری ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

تفسیر عالمانہ: واذا سمعوا اللغو۔ اور جب وہ لغویات والوں سے لغویات سنتے ہیں حد سے گری ہوئی بات یعنی بیہودہ کلام کو لغو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اعرضوا عنہ تو وہ لغویات سے منہ پھیرتے ہیں۔

شانِ نزول: اہل کتاب کو کفار و مشرکین گالیاں دیتے تھے کہ تم نے بھی آباؤ اجداد کا قدیمی دین ترک کر دیا ہے حالانکہ تمہیں تو آباؤ اجداد کے دین کو محفوظ رکھنے کے لیے نبی علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنا ضروری تھا۔

وقالوا ۔ اور وہ بکواسیوں کو کہتے ہیں لنا اعمالنا ہمارے لیے ہمارے عمل حوصلہ اور درگزر و غیرہا ولکم اعمالکم اور تمہارے لیے تمہارے عمل یعنی نکمی باتیں اور سفاہت و غیرہا ۔ ہر ایک اپنا کام کیسے جاتے ۔ سلام علیکم یہ سلام معروف نہیں جیسے تحیہ اور کسی کو اپنی موافقت کی وجہ سے دعا کے طور کہا جاتا ہے بلکہ ان سے اظہار برأت اور ان سے دور ہونے کے طور پر کہا گیا ہے یعنی ہم نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا کہ جو چاہو کرو لا نبتغی الجاھلین الابتغاء بمعنی طلب اور جہل شے کو اس کی حقیقت کے برعکس سمجھنا یعنی ناسمجھوں کی صحبت نہیں چاہتے اور نہ ہی ہم اُن کے ساتھ میل جول کا ارادہ رکھتے ہیں بلکہ ہمیں ان سے گفتگو کرنے سے بھی نفرت ہے اور اُن کے اخلاق و عادات کو اپنانا تو ہمارے مقاصد سے خارج ہے اس لیے کہ شریروں کی صحبتِ دنیا میں بدنامی ہے بلکہ آخرت کی بدانجامی کا سبب ہے

شعر

از بداں بگریز با نیکاں نشین

یار بد زہرے بود بے انگبیں

ترجمہ : بُروں سے دور بھاگو اور نیک لوگوں کے پاس بیٹھو ۔ یار بد کو زہر قاتل سمجھو ۔

مسئلہ : اگرچہ آیت مذکورہ آیت سیف سے منسوخ ہے لیکن مکارم اخلاق کی ترغیب و تحریض کا حکم باقی ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین خصلتیں جس میں نہیں اُس کے علم کا کوئی اعتبار نہیں ۔

۱ ۔ حوصلہ کہ جس سے جاہل کے جہل کو دفع کرے ۔

۲ ۔ اتقاء کہ جس سے معاصی و جرائم سے بچے ۔

۳ ۔ حسنِ اخلاق کہ جس سے عوام میں زندگی بسر کرے ۔

حکایت : حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جالینوس نے ایک بیوقوف کو دیکھا کہ وہ ایک دانش مند کے دست بگریباں ہے اور اسے منہ پھاڑ پھاڑ کر گالی دے رہا ہے ۔ جالینوس نے کہا کہ اگر یہ دانشمند ہوتا تو سرے سے ایسے بیوقوف کے ساتھ بات نہ کرتا اور نہ نوبت یہاں تک پہنچتی ۔ ؎

۱ ۔ دو عاقل لا نباشد کیں و پیکار | نہ دانائے ستیزد با سبکسار

۲ ۔ اگر نادان ابوحشت سخت گوید | خرد مندش برحمت دل بجوید

۳ ۔ دو صاحب دل نگہ دارند موئے | ہمیں دوں سر کشی و آزرم جوئے

۴ ۔ اگر بر ہر دو جانب جاہلانند | اگر زنجیر باشد بگسلانند

۵ ۔ یکے را زشت خوی داد دشنام | تحمل کرد و گفت ای نیک فرجام

۶ ۔ بتر زانم کہ خواہی گفتن آنی | کہ دانم عیب من چوں من ندانی

ترجمہ : (۱) دو سمجھداروں کے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا اور نہ دانا بیوقوف سے جھگڑتا ہے ۔

(۲) اگر کوئی نادانی بیوقوفی سے بُرا کہتا ہے سمجھدار آدمی اس کی نرمی سے دلجوئی کرتا ہے۔
(۳) دو صاحب دل اپنے بال بچا لیتے ہیں کہ ایک طرف سرکش ہو تو دوسرا صلح جو ہو۔
(۴) اگر ہر دونوں طرف سے جاہل ہیں۔ زنجیر ہوگا تب بھی توڑ دیں گے۔
(۵) کسی نالائق نے کسی کو گالی دی تو اس نے صبر کر کے کہا اے نیک بخت
(۶) بہتر برائی وہ ہے جو میں بتاؤں کیونکہ میں خود اپنی برائیوں کو خوب جانتا ہوں۔

حکایت: ایک شخص مستی سے سر راہ سو رہا تھا اور اتنا بے اختیار کہ اسے اپنی بھی خبر نہ تھی۔ ایک عابد کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے اسے ترچھی نگاہ سے دیکھا۔ اس مست نوجوان نے سر اُٹھا کر قرآنی آیت پڑھی و اذا مروا باللغو مروا کراما۔ اور جب وہ بیہودہ امر سے گزرتے ہیں تو کریم ہو کر گزرتے ہیں۔

اذا رأیت اثیما — کن ساترا و حلیما
یا من یقبح لغوی — لم لا تمر کریما

ترجمہ: جب تم کسی گنہ گار کو دیکھو تو اس کی عیب پوشی اور حوصلہ کرو۔ اے فلاں جو تو نے میری غلطیوں کو قبیح سمجھتا ہے کیوں کریم ہو کر نہیں گزرتے۔

متاب اے پارسا روئے از گنہ گار — بنجشایندگی در وے نظر کن
اگر من ناجواں مردم بکردار — تو بر من چوں جواں مرداں گزر کن

ترجمہ: اے نیک انسان گنہگار سے روگردان نہ ہو بلکہ اسے عفو و مغفرت سے دیکھئے۔ اگر میں اپنی غلط کاری سے نالائق ہوں تو تم مجھے اپنی لیاقت و اہلیت کے مطابق دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ: اہل حقیقت کے نزدیک لغو وہ قول و فعل ہے جو انسان کو عبادت و ذکر الٰہی سے روکے اور ہر وہ کلام جس میں حال و واقعہ کا خطاب اور اس میں ماسوی اللہ کی طلب ہو۔ اسے بھی محققین صوفیہ لغو سے تعبیر کرتے ہیں۔ و اذا سمعوا اللغو۔ اور جب یہ حضرات ایسی لغو کو سنتے ہیں۔ اعرضوا عنہ تو اس سے روگردانی کرتے ہوئے قالوا کہتے ہیں لنا اعمالنا ہمارے لیے ہمارے عمل وہ یہ کہ وجود حقیقی کے حصول کے لیے وجود مجازی کو فنا کرنا۔ و لکم اعمالکم اور اور تمہارے لیے تمہارے وہ عمل یہ تم وجود مجازی کی خواہشات کو پورا کرنے اور شہوات کو حاصل کرنے اور وجود حقیقی کی طلب سے روگردانی اور اس کے منافع سے انتفاع کی سعادت سے محرومی ہو۔ سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین۔ یہاں پر جاہلین سے غافل عن اللہ اور وہ لوگ مراد ہیں جو محجوب عن اللہ اور ماسوی اللہ کے طالب ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو ماسوی اللہ کا طالب ہے وہ حقیقت سے بے خبر ہے ورنہ اگر وہ حقیقت کے محاسن کا عارف ہوتا وہ صرف حقیقت کا طالب ہوتا اسے غیر حقیقت سے کسی قسم کا واسطہ

نہ ہوتا۔

سبق۔ سالکین راہِ ہدیٰ پر لازم ہے کہ جہال کی صحبت سے دُور بھاگے کیونکہ آپس میں کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں بلکہ ان کے معاشرہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ سالک جاہل کی صحبت میں قید خانہ میں رہنے سے بھی زیادہ تنگی محسوس کرے گا۔ علاوہ ازیں سالک ابھی راہ طے کر رہا ہے تو وہ خود بھی ابھی اتنا ضعیف ہے کہ وہ جاہلوں کی صحبت کے بُرے اثرات کا حامل نہیں بلکہ اسے ایسی صحبت سے اپنے حال کے تغیر کا خطرہ ہے بلکہ اس پر جاہلوں کی صحبت اثرات اپنی لپیٹ میں لے لیں گے پھر وہ بجائے منزل مقصود تک پہنچنے کے اُلٹے پاؤں گمراہی کے گڑھے میں گر جائے گا اور وہ نہ صرف مجرم و خطا کار ہوگا بلکہ دائرۂ اسلام سے بھی نکل جائے گا۔ ہم ترقی کے بعد تنزل کی خرابیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور ہم اس سے ثبات و توفیق اور طریق التحقیق کی موت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: **انک** - اے محبوب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم بیشک ہم آپ **لا تھدی** ایسی ہدایت پر مامور نہیں جو ضروری اور لازماً منزل مقصود تک پہنچا دے۔ **من احببت** لوگوں میں سے جنہیں آپ چاہیں اور آپ کو ذاتی طور پر قدرت نہیں کہ آپ کسی کو اسلام میں داخل فرمائیں۔ اگرچہ اپنی تمام طاقت صرف کریں اور حد درجہ کی جدوجہد کریں **ولکن اللہ یھدی من یشاء**۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے اسلام میں داخل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہدایت دیتا ہے **وھو اعلم بالمھتدین** اور وہ انہیں خوب جانتا ہے کہ جو ہدایت ازلی کی استعداد سے سرشار ہے ؎

ہدایت ہر کہ اداداز ہدایت بدو ہمراہ باشد تا نہایت

ترجمہ: جسے ازل سے ہدایت سے نوازا وہی ابداً ہدایت یافتہ ہیں۔

فائدہ: جمہور کا مذہب ہے کہ آیت میں **من احببت** سے ابو طالب بن عبد المطلب یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (آئندہ دیکھیں ص ۱۸۱)

حاشیہ اویسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ الجواب منہ الھم اینر والصواب

علماء مشائخ اہلسنت کے عقائد میں حبیب ربّ غفار سرکار ابد قرار علیہ السلام والتسلیم کو امور تکوینیہ ہوں یا تشریعیہ کا باذنہ تعالیٰ اختیار حاصل ہے جن کے دلائل باصرہ بے حد و حساب ہیں یہاں چند آیات مبارکہ اور احادیث نبویہ مقدسہ اور تصریحات علماء و مشائخ

---

[۱] اس آیت کے متعلق فقیر اویسی غفرلہٗ سے محمدی شریف ضلع جھنگ کے مولانا صاحبزادہ محمد امین سیالوی نے سوال لکھ کر تفصیلی جواب کا حکم فرمایا۔ چنانچہ فقیر نے ایسے ہی انہی کے سوال کے متعلق لکھا جسے موصوف نے احسن ترتیب سے شائع فرمایا چونکہ وہ مضمون اس آیت کے متعلق ہے۔

اہلسنت کا رد تو آپ تحریر کرتا ہوں سردست مخالفین کی پیش کردہ آیت کا جواب ملاحظہ ہو۔

(۱) مسلمات سے ہے کہ قرآنِ عظیم کی آیات میں تضاد و تناقض ممتنع ہے۔ بلکہ ہر آیت جملہ دوسری آیات بینات کی مؤید و مصدق ہے چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے متشابہا کا ترجمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے فَلَا تَنَاقُضَ لِبَعْضِہٖ بَعْضًا فِی الْحُسْنِ وَالصِّدْقِ (اتقان ص۱۵ جلد۱ مصر)

اس بنا پر حق حقیقت یہ ہے کہ قرآنی آیات میں ایک دوسرے کے ساتھ نہ تضاد ہے نہ تناقض، جس آیت کو مخالفین پیش کرتے ہیں اس کے بالمقابل قرآن پاک میں سورۃ شوریٰ شریف میں ہے ، اِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔
اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ۔ میرے حبیب پاک بیشک آپ ہی صراط مستقیم کی ہدایت فرماتے ہیں۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جہاں مخالف پہلی آیت پیش کرتے ہیں انہیں یہ دوسری آیت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ تو اپنے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی کل دانائے سبل ارشاد فرما رہے ہیں، منکرینِ کا اظہارِ خیال بصورت دیگر ہے کیونکہ اس کا عقیدہ نئے نبی کے امکان سے وابستہ ہے، بایں وجہ ہماری پیش کردہ آیات و تصریحات اور مشائخ اہلسنت کے عقائد و ارشادات کے انکار میں مسلمانوں کو تاریکی میں رکھنے کے لئے بالعموم ارشاد ربانی کی غلط ترجمانی کرتے ہوئے مخالف کہتا ہے اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ (الخ) کہ حضور منزل ہدایت تک پہنچانے سے قاصر ہیں (معاذ اللہ) پیش کردہ آیت میں عموم ہے حضرات فن تفسیر کا قاعدہ ہے کہ خصوص کی نفی سے عموم کی نفی نہیں ہوتی (تفسیر اتقان) ملاحظہ ہو۔

نمبر۳ - اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ (الخ) مخالف کا یہ اعتراض صورۃ قصص کی ایک آیت ہے جو کہ صورۃ شوریٰ سے پہلے اُتری ہے چنانچہ علامہ سیوطی اپنی تفسیر اتقان کے صفحہ ۲۵ جلد اول میں صورتوں کی ترتیب کے فوائد مرتب کرتے ہوئے رقم طراز ہیں (پچھلی آیات) کہ پچھلے ارشادات پہلے فرمودات کیلئے یا تو ناسخ ہے یا ان کے اجمال کی تفصیل یا پھر ذاتی و عطائی کا فرق واضح مطلوب ہے۔ تاہم ایسے ہی اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ ارشاد ربانی میں ذاتی تصرفات کی نفی ہے اور اِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطِ الْمُسْتَقِیْم۔ میں عطائی ہدایت کا اثبات موجود ہے اور یہ طریقہ قرآن کریم میں عام ہے ان تمام قوانین کی تفصیل فقیر نے اپنی تفسیر احسن البیان میں عرض کر دی ہے۔

نمبر۴ : اہلسنت کے نزدیک ہدایت بمعنی خلق الهدایت ہے۔

شرح عقائد: چنانچہ علم عقائد کی مشہور و معروف درسی کتاب میں تصریح موجود ہے کہ مخالفین کی پیش کردہ آیت میں تخلیق ہدایت کی نفی ہے نا کہ ہدایت کی یہ ہمارے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ہم حضورؐ کو خالق ہدایت تو قرار نہیں دیتے اور جہاں غیر اللہ کی طرف منسوب ہو تو وہاں ہدایت مجاز بمعنی راہ نمودن ہوتا ہے (راستہ دکھانا)

نمبر ۵: ہم نے بارہا مخالفین کی مخالفت کا لبادہ چاک کیا مگر عدم اختیار سرکار ابد قرار کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے چنانچہ مواقف و شرح مواقف کتب میں مذکور ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب اور مشائخ اہلسنت کہتے ہیں کہ ہدایت بمعنی ارائۃ الطریق کے ہیں یہ محاورہ ہے کہ ہدایت کے معنی دمطلوب کے متعلق متون، شروح، اصول، منطق و علم کلام میں بہت لمبی چوڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ اس کے متعلق تمام سوالات و جوابات کو فنون مذکورہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

نمبر ۶: آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (الآیۃ) میں منفی اور مثبت آیت اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ میں مثبت پہلو اور اصول کا مسلم قاعدہ ہے کہ اثبات و نفی کے تعارض میں اثبات کو ترجیح دی جاتی ہے۔

نمبر ۷: شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی آیات کو آیات متشابہات میں داخل فرمایا ہے۔

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہوا کہ آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ میں خلق ہدایت ذاتی اور بالاستقلال کی نفی ہے نا کہ معاذ اللہ سرے سے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ہدایت دے ہی نہیں سکتے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ارسال رسل سے کیا فائدہ؟ اور اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کی صریح اور نص قطعی الدلالت سے انکار لازم آتا ہے اور یہ فی الواقع کفر ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ

برائے برادری (چچاؤں) اعزہ و اقربا کو راہ راست پر گامزن کرنے کی جد و جہد کرنے یا ان سے میل ملاپ محبت کرنا از خود سرکار نہیں تھا۔ بلکہ من حیث الوجوہ ارشادات ربانیہ پر عمل کرنا مطلوب تھا۔

اگر آپ ایسا نہ فرماتے تو ارشادات باری تعالیٰ کے خلاف ہوتا جو کہ منصب نبوت کے خلاف اور عہد رسالت کے شایان شان نہ تھا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ حکم الٰہی بجا نہ لاتے فقیر کی اس گذارش سے ثابت ہوا کہ معترض کا اعتراض نبوت پر نہیں بلکہ الوہیت پر ہے۔

کیونکہ مولیٰ تعالیٰ جل مجدہٗ نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ
اس عمومی حکم کے تحت آپ نے اپنے تمام اعزہ واقرباء کو تبلیغ فرمائی اور حق یہ ہے کہ منعم حقیقی کا
حق ادا فرمایا۔ اور برادری کیلئے خصوصی طور پر یوں ارشاد ہوا۔ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ
حَنِيْفًا۔ اس حکم کے مطابق آپ کو سیدنا حضور ابراہیم علیہ السلام کے طور طریق کو اپنانا فرض ہو گیا آپ
اسی اقتدار میں اپنی برادری سے وہی طریقہ استعمال فرماتے جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آذر کیلئے کیا۔
کہ انہوں نے چچا کیلئے دعا فرمائی کیونکہ وہ بھی برائے دعا مامور من اللہ تھے کہ چچا سے بچپن میں جو وعدہ فرما چکے تھے
ارشاد ربانی: سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۔ سورت مریم
کما قال۔ الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک وما املک لک من اللہ من شیء (الخ)
(ممتحنہ) اس بنا پر روح حیات، جان کائنات برائے چچا و برادری دعا کی اور ان کی ہدایت کیلئے سرگرم
کوشش کرتے رہے مامور من اللہ تھے اب اس منزہ عن کل عیب پر اعتراض کیا۔ اِنَّ کا معترض اس کا
معترض ہے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایمان لانے والوں کا جواب منفی ہی ہوگا۔

جبکہ ہیں تے ان کے لئے ہدایت تخلیق ہی نہیں فرمائی تو پھر اپنے پیارے محبوب و مطلوب
صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تبلیغ اور ان کی دعا اور ان کی ہدایت کیلئے جدوجہد کرنے کا حکم کیوں نازل
فرمایا۔ ما ھو جوابکم للہ تعالیٰ فھو جواب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم، پھر دیکھئے
مادہ ایجاد خلقت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اپنے دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اقتدار میں کتنا پختہ کار
ثابت ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خود بخود رک گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ وما کان
استغفار لابیہ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فلما تبین لہٗ اِنَّهٗ عَدُوٌّ
اللہ تبرأ منہ (سورہ توبہ) لیکن جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک اللہ تعالیٰ نے خود
نہیں روکا وہ بدستور سرگرم عمل رہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ۔ ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین
ولو کانوا اولی قربیٰ۔ من بعد ما تبین لھم انھم اصحٰب الجحیم۔ سورۃ توبہ
نیز خود فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اپنے چچے کے بارے میں جب تک مجھے ممانعت نہ فرمادی گئی
بدستور وعدہ پورا کرتا رہوں گا۔ تو جب حکم خداوندی نازل ہوا اور ممانعت فرمادی گئی تو اسکے بعد
کبھی اظہار تمنا نہیں ہوا ثابت ہوا۔ امور مذکورہ از خود نہیں تھا بلکہ مامور من اللہ ہونے کی حیثیت سے
تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد فقیر چند ایک وہ احادیث صحیحہ پیش کرتا ہے جن سے ثابت ہوگا کہ حضرت
جان دوعالم کے چاہنے پر ان حضرات کو دولت اسلام ایمان نصیب ہوتی۔
(مالک کونین) حضرات حضور سیدنا مولا نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان لانا مسلمان ہونا۔

مالکِ کونین کی تمنا تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا اسلام والے مصطفےٰ کا رہین منت ہے ورنہ راہِ راست پر نہ تھی۔ (بخاری وغیرہ)

سیدنا مولائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نوازی سے دولت اسلام نصیب ہوتی (شرح شفا لعلی القاری والخفاجی صفحہ ۳۵۲ ج سوم وغیرھا)

نجات دہندہ کائنات کی دعا شریف کے بارے میں اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے

؎ اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا　　بڑھی جب ناز سے دعائے محمد ﷺ

منظور ہیں ابرو کے اشارے سے دعائیں　　کیوں تیر کماندارِ نبوت کا خطا ہو

باغی سراقہ کو مصیبت میں مبتلا کر کے پھر اسی نگلنے والی زمین کو اگلنے کا حکم نافذ کرنا۔

کوئی قتل کو آتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اور بت دیکھ کر اندھے ہو جاتے ہیں۔ یہی ابوطالب دعائے نبوی سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔ سورج کو چمکار لیتے ہیں۔ تخت قبولیت پہ بیٹھے ہوئے اور تاجِ عنایت تقسیم کرتے ہوئے اقلیم چاند کو درہم برہم فرما دیتے ہیں جیسا کہ نظامِ کفر آپ نے روئے عالم سے بے نام ونشاں کر دیا۔ علی المرتضیٰ کی والدہ کو فردوسی بہاروں کا وارث بنا دیا۔ اعلیٰحضرت کا ارشاد گرامی ؎

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
ارے اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

خاتم النبیین کی شہادت گوہ نے دی، ہرنی نے کلمہ پڑھا، بھیڑیا ایمان لایا، اونٹ کی دادرسی فرمائی، قلیل طعام کو پوری قوم ——— کے لئے کافی کر دیا۔ ابوہریرہ کے توشہ دان کو چشمہ فراواں کر دیا جو ۲۶ صد راز ۱۲ سال جاری رہا شہادتِ عثمانی کے دن باغیوں نے دندناتے ہوئے لوٹا۔ کس قدر قبضہ ہے سرکار کا کون و مکان پر خونخوار شیر نے اور جنگل کے موذی وحشی جانور بھیڑیئے تک نے بلا خوف دلوں کی گہرائیوں سے آقائے کونین کے اختیارات کو تسلیم کیا۔ دیکھئے حضرات! موذی جانوروں سے انکارِ نبوت اور اقتدارِ رسالت کا انکار نہیں ہو سکا۔ مگر جو بلا دریغ خبیث باطن ظاہر کرتے ہوئے دلوں میں وسوسہ بن کر دوڑ جاتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل سے دین وایمان کوچ کر چکا ہے۔

اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ کی سربلندی کا شاید غیر شعوری کو علم ہی نہیں ورنہ مہر منیر کی روئے عالم کو درخشاں کرنے والی ردِ پہلی کرنوں سے کون واقف نہیں۔

تنہا ہی کارواں در کارواں ہے

امورِ تشریعی: ؎ جدھر دیکھا ہجوم رہبراں ہے کدھر ڈھونڈوں مرا رہزن کہاں ہے ۔
قارئین یا نمکین! بس یہ کسی خبطی کا خبط ہے، ماسوائے مخبوط الحواس کے
امورِ شریعیہ میں کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتے ،

اصل عالم کی تشریف آوری اور بعثتِ مقدسہ کی علت غائیہ بھی تشریعی امور کیلئے ہے کہ روشن و الی
نصریحات، ہزاروں احادیث مقدسہ میں موجود ہے نمونہ کے طور پر مشت از خروار ۔

(۱) ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے ششماہا بکرا برائے قربانی جائز قرار دیا، بخاری شریف
صہ ۸۳۴ ، ج دوم

(۲) حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک گواہی کو دو مردان حق آگاہ کی گواہی
کے قائم مقام فرمادیا ۔ ابوداؤد شریف صہ ۱۵۲ ج دوم
حالانکہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے ۔ واشهدوا ذوی عدل منکم اور
واستشهدوا شهيدين من رجالكم ۔

(۳) ایک اعرابی شخص کیلئے روزے کا کفارہ معاف فرمادیا بلکہ
اپنی فیاضانہ عطا اور کرم بخشی سے ایک ٹوکرہ کھجور حضور نے اسے مرحمت فرمائی ۔ بخاری وغیرھا
نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

(۴) مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ الکریم کو بحالتِ جنابت مسجد اقدس میں قیام پذیر رہنا مباح فرمایا
زرقانی صفحہ ۳۲۸ ج ـ ۵ حالانکہ بحالت جنابت مسجد میں از شریعت طاہرہ بالعموم
داخلہ ممنوع ہے ۔ بلکہ گناہ ہے ۔

(۵) ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرمالیا گیا کہ وہ دو نمازوں سے زائد نماز نہیں پڑھیگا ۔
جہاں قرآن پانچ نمازیں فرض قرار دیتا ہے اگر کوئی عمداً ایک نماز ترک کردے تو سخت مجرم
بارگاہ الٰہی قرار دیا گیا ہے ثابت ہوا جملہ فرائض فروع ؛ اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے ۔
زرقانی شریف صفحہ ۳۲۸ ج ۵

(۶) تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کے حضرت ابو رکانہ کو بیوی واپس پھیر دی ۔ زرقانی شریف ص ۳۲۸ ج ۵
حالانکہ قرآنی فیصلہ ہے ۔ ربانی ارشاد ہوتا ہے ۔ حتى تنكح زوجاً غيره

(۷) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورج نکلنے کے وقت روزہ کھولنے کی اجازت بخشی ۔
زرقانی شریف ۔ ج ـ ۲

چشم ایمانی کو انکار نہیں ہے اختیارات و تصرفاتِ نبوی میں مگر دبے لفظوں انکارِ نبوت

کرنے والے اپنی مثل بے اختیار دیکھتے ہیں۔ کیا کیجئے علاج اس مرض لا علاج کا۔

چشم بینا موجود ہو تو تشریعی اختیارات اس سے بڑھ کر اور کون سا ہو سکتا ہے۔ جہاں فیصلہ احکم الحاکمین موجود ہو (وانموا الصیام الی اللیل) بدنصیبی، روسیاہی کا علاج کلک رضا کے سوا نہ ہوسکا۔ جو پھر گمراہی سر اٹھانے لگی ؎ (تفسیر رخ بیرنگی)

سائل ہوں بتا مانگتا ہوں تجھ سے تجھی کو — معلوم ہے اقرار کی عادت تیری مجھ کو

اُمورِ تکوینیہ: محترم حضرات۔ جمہور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہادی عالم مرد کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مظہرِ اتم ہیں۔ جیسا کہ آپ سے ہزاروں مواقع پر اُمورِ تکوینیہ کا ظہور ہوا۔ ان کے شواہدات بھی احادیثِ صحیحہ میں موجود ہیں۔ وہی ھذا۔

(۱) حضرت عمار بن یاسرؓ کو آگ میں ڈالا گیا تو مختارِ دو عالم کا ان پر گزر ہوا تو آپ نے عمار کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ یا نار کونی بردًا و سلامًا علی عمار الخ کذا فی الخصائص الکبریٰ للسیوطی ج ۲ صـ ۱۸۔ آگ کی مجال نہ رہی وہیں دم توڑ گئی۔ حضرتِ عمار کو گویا گلکدۂ فردوس میں احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹھا دیا کیوں نہیں کائنات کو فردوسی نشیمن انہی کے دم قدم سے ملے گا۔

(۲) حکم بن ابی العاص ہادی کل صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا جب احمد مختار گفتگو فرماتے تو وہ اپنا چہرہ بگاڑتا کچھ چمکارتا۔ قادر کل کے نائب اکبرؐ نے ارشاد فرمایا کن کذالک فلم یزل یختلج حتی مات یعنی مرتے دم تک اس کا حسن وجمال آپ نے بے نام ونشان کردیا۔ جو گلزارِ حسن شعلے کی طرح سے بھڑکتا ہے وہ شعلے نہ رہے انگاروں میں شکل ہی آپ نے تبدیل فرمادی، بدصورت ہوگیا، خصائص کبریٰ شریف صـ ۷۹ ج ۲

؎ حکم نافذ ہے تیرا خامہ تیرا سیف تیری
دم میں جو چاہو کرو دور ہے شاہا تیرا

(۳) ہادی عالم رہبر کون ومکانؐ نے ایک دن خطبہ فرمایا۔ ایک منکرِ عظمتِ مصطفیٰؐ نے آپ کے خطاب لاجواب کی نقل اتارنی شروع کردی تو حبیب کبریاؐ نے عتاب باری کو للکارا اور فرمایا کذالک فکن (خصائص کبریٰ شریف) اسے لینے کے دینے پڑ گئے، بے ہوش وحواس زمین پر دھڑام گرا۔ یہاں تک کہ دو ماہ بعد اس کا منہ ویسے کا ویسا ٹیڑھا تھا جیسا بوقت نقل ہوا تھا۔

(۴) حکم بن العاص کو بوجہ استہزا رعشہ میں مبتلا کردیا گیا کیونکہ چلنے میں سرکار ابد کا رکونشانہ بنایا ہوا تھا جلال بایہ عتاب میں آگیا آقائے کونین نے غصہ میں فرمایا کن کذالک تو ایسا ہی مرگیا۔ انہیں بے اختیار جاننے والے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین صـ ۱۹ ج ۲)

(۵) احمد مختار راہنمائے کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ اسکے

والد نے عرض کی ہاں ہاں اُسے برص کا مرض ہے حالانکہ وہ اس موذی مرض میں مبتلا نہ تھی گویا اُس نے خاطر اقدس کو جلال میں آنے آفت الہٰی کو دعوت دے دی حضور نے خلاف ورزی کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا فلتکن کذلک (از جواہر البحار صـ۱۱ ج ۳)

بس تیری نحوست کا شکار ہو گئی اُسی مرض میں مبتلا ہو گئی۔

اعرابی کو فرمایا کن زیدا۔ پس وہ زید ہو گیا

حالانکہ وہ زید نہ تھا۔ (جواہر البحار شریف) مظہر کامل کی شانِ جلالت ملاحظہ ہو۔

ع۔ قدرت ہے آپ سے عیاں اُس لایزال کی

(۶) ایک سوار کو دور سے دیکھ کر فرمایا "کن یا اباذر" تو وہ ابوذر بن گیا۔

معدوم سوا نوعیت تبدیل فرما دیتے ہیں۔ (جواہر البحار ج ۱ صـ۲۶)

(۷) آپ نے ایک شخص کو فرمایا "کن اباخیثمہ" تو گویا وہ ابو خیثمہ ہی تھا۔ یہ اختیارات بعید و

حاب ہیں کارکنانِ قضا و قدر اشاروں کا انتظار کرتے ہیں۔

: یلوھا بینتن فی قلوبھم مرض ای من الجھل والسوء العقیدۃ وعداوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کثیرا کثیرا (تفسیر حمای ابو سعود)

حرف آخر:۔ آیت انک لا تھدی من احببت الخ میں نہ تو جناب ابو طالب وغیرہ کے ایمان کی نفی ہے اور نہ ہی حضور منبع نور علیہ السلام کی ہدایت نہ دینے کا اثبات موجود ہے چنانچہ امام فخر الدین والملۃ رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر کبیر میں اسی آیت کی تشریح فرمانے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کا ارشاد اقدس ہے کہ انک لتھدی الی صراط مستقیم (سورۃ شوریٰ پ ۲۵) اور فرمایا لکل قوم ھاد۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم اور فرمایا وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ ان آیات طیبہ میں نص ہے کہ پروردگار کے نیک بندے اور قرآن حکیم ——— ہادی ہیں اور کار ہدایت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ دشمنِ رسول کے منہ میں انگارے ہوں کس جرأت سے کہتے ہیں کہ نبی الانبیاء حبیب علیہ التحیۃ والثناء ہدایت نہیں دے سکتے، خاک بدہن سے پوچھتا ہوں کہیں کوئی اور در کوئی اور چوکھٹ کوئی اور دروازہ کہ جس کے لنگر سے کون و مکان سیراب ہوں

؎ فیض ہے یا شاہ تسنیم نرالا تیرا — کہ اک پیاسوں کے تخت بہتی ہے دریا تیرا

انہی کے لنگر سے دو عالم پلتے ہیں معطی وہ ہے قاسم یہ ہیں۔ کس زبان میں یہ یارا ہے کہ وہ کہے

کہ آپ ہدایت نہیں دے سکتے، ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے آیت متذکرہ بالا میں تعلق ہدایت کی نفی مراد ہے نہ یہ کہ ہدایت دینے میں آپ کو اختیار نہیں۔ پیشوائے اہلسنت حضرت نقی الدین سبکی قدس سرہٗ نے تفریح فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ انک لا تہدی ولیس علیک ھدایتہ شفاء السقام ص۱۸۶ کے تمران بڑے مفید ہیں۔

غلطی کا ازالہ:۔ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ الخ آیت کریمہ میں ہدایت نہ دے سکنے یے اختیار دکھانے کا معنیٰ کرنا قرآنی تحریف ہے وجہ یہ ہے کہ ہدایت کا معنیٰ ہدایت نہ دے سکنا یہ کسی لغت میں ہے نہ ہی کسی معتبر تفسیر میں، عداوت نبوی اور سکر لبعض رسالت میں یہ معنیٰ کرنا دین مصطفوی سے دشمنی کے مترادف ہے۔

علمی نکتہ:۔ آیت کریمہ میں بالفعل ہدایت کی نفی ہے تاکہ بالقوۃ کی، یاد رہے بالفعل کی نفی سے اصل کی نفی نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص بیٹھا ہے تو آپ اسے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ تم کھڑے نہیں رہنہیں کہہ سکتے کہ تم کھڑے ہو ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح خاموشی اختیار کیے ہوئے ہو تو آپ اسے یوں کہہ سکتے ہو کہ تم بول ہی نہیں سکتے؟ حالانکہ وہ کھڑا ہو سکتا ہے اور یہ گفتگو پر قادر ہے۔ اسی طرح کوئی شخص کھانے سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہوگا کہ اسے حاجت ہی نہیں ہے کہ وہ کھا ہی نہیں سکتا۔ (حالانکہ اس کی شکل و صورت دیکھ کر دیگ کا جگر دھڑکتا ہے)
فتویٰ مطلوب ہے کہ آپ تقریر کا اعلان کر چکے لیکن بروقت کسی مجبوری کی بنا پر مولانا معذرت پیش کر کے چلے جائیں تو کوئی بیوقوف دوبارہ منادی کرا سکتا ہے کہ حضرت مولانا علامہ فلاں صاحب سحر بیان تقریر نہیں فرما سکتے، اُمید واثق ہے کہ جواب نفی میں ہوگا۔
ایسی لاتعداد مثالوں سے سمجھا سکتے ہیں لیکن بد قسمت ضعیف الدماغ بد قسمتی کا شکار رہے۔

قرآنی آیات سے استدلال:۔ (۱) مولا کریم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔

(۲) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ وغیرہ صدہا آیات میں یہی کہا جائیگا کہ اللہ نے کافروں، ظالموں، منکروں، فاسقوں کے لئے ہدایت مقرر ہی نہیں فرمائی نہ یہ کہ یہی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت ہی نہیں دے سکتا تو یہاں بھی جواب منکر رسول کا گوشہ عدم میں پہنچ گیا۔ یہاں یہی جواب مناسب ہے جو دشمنان رسول کو ہمارے مشائخ دیا کرتے ہیں۔
علاوہ ازیں (سوائے اس کے) کوئی صورت ہی نہیں)

آخری اور علمی نکتہ،

شریعت اسلامیہ کا مسلمہ ضابطہ اور قاعدہ ہے اور کلیہ لازمہ ہے کہ ہدایت دینا ارادہ و مشیت

پر موقوف ہے (یہاں محبوبیت مطلقہ اور وقار و اقتدار مصطفےٰ کی نفی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا)

دیکھیے مقام رضا میں مولا تعالیٰ جل مجدہٗ مفسرین کیلئے ایمان و اسلام سے محبت و پسندیدگی و رضا تو ہے لیکن ارادہ مشیت نہیں کیونکہ یہ منزل ثانی ہے۔ کما قال۔ ولکن اللّٰہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ نیز ارشاد فرماتا ہے ان تکفروا فان اللّٰہ غنی عنکم ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر، پہلی آیت سے ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کو سب کے ایمان کیلئے محبت ہے لیکن اس محبت کے باوجود کافر کافر ہی رہے ہادی عالم، صاحب لولاک نبی پاک صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخالفین نقط ابو طالب وغیرہ کے ایمان نہ لانے سے حضور جان سرور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے بغض و عداوت میں یقیناً بجا رہے ہیں اگر کوئی خداوند قدوس کا مخالف یہی آیت پیش کردے کہ مولا تعالیٰ جل مجدہٗ کے عجز و عدم قدرت کا اعتراض کیجئے تو پھر سائل کو قائل کرنا ہمارے کے بس کا روگ نہیں۔ کہا جائیگا مگر وہی کہا جائے گا جو ہم نے عرض کیا کہ منزل محبت و مقام رضا پر ایمان و کفر کا دارومدار نہیں بلکہ ارادہ و مشیت پر موقوف ہے جیسا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ فلو شاء لھدٰکم اجمعین۔ نیز ارشاد ہوتا ہے ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ،

مذکورہ بالا آیت کریمہ انک لا تھدی سے رفیع شان کا ثبوت

ہمارے بیان کردہ دلائل سے نجات دہندہ کائنات صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی رفعت شان کا ثبوت دستیاب ہوا مولا کریم نے منکر اختیار نبوت کا اعتراض آیت کریمہ میں ہدایت کو مشیت سے اور محبوبیت و حبیبیت کے لا تھدی کو من احببت کی شکل میں بیان فرمایا اس میں کچھ رازداری تو مقصود ہے ورنہ عبارت کا تقاضا یوں تھا کہ آیت کے الفاظ یوں ہوتے انک لا تھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یحبہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ میرے محبوب و مقصود صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی مشیت میری مشیت میں گم ہے۔ یہی مقام فنا ہے اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمیٰ ہ محبوبیت کی منزل ارفع کا حسن و جمال ظہور پذیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اور ہم ان جانوں کو سمجھایا۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم ہ

فخر کائنات کا مقام فنا فی اللّٰہ پر فائز ہونا واشگاف الفاظ میں بیان ہوا۔ اللّٰہ تعالیٰ نے یکجہتی و یگانگت اور اتحاد فی المشیت والارادہ کو کتنے انوکھے اعزاز نکھرے ہوئے انداز میں بیان فرما کر غیریت فی المقصود کا وہم تک بھی گوشۂ عدم میں پہنچا دیا۔ لیکن یار لوگوں نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ الحق ان یرضوہ کو بھلا دیا۔ یوں ہی اللّٰہ تعالیٰ کی الوہیت کا یار لوگوں کے دل میں

خطرناک نفاق واضح ہورہا ہے کیونکہ پالنہار کائنات محبوب اعزاز و اختیار و افتخار کو منوانا چاہتا ہے لیکن چمگادڑ آفتاب کی ضیاء ریز کرنوں سے زخمی ناگن کی طرح پھڑکتا ہے۔

ہزاروں تیر لگتے ہیں مخالف کے کلیجے پر ۔۔۔ جو کہتا ہے کبھی کوئی مسلمان یا رسول اللہ

(۲) ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ

مسئلہ: معترض کا اعتراض آیت کریمہ سے گو۔ ابوطالب کے ایمان کے متعلق ہے تو یہاں کوئی علاقہ نہیں جبکہ خود علماء اہلسنت اس مختلف مسئلے میں متفق نہیں مثبت انداز میں جواب دینے والے مشائخ اور ان کے ایمان و اسلام کے قائلین آئمہ حضرت امام شعرانی مختصر تذکرہ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں حاشیہ نبراس پر خود دارطانی پھر اس پر مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ مزید تحقیق تفسیر اویسی میں ملاحظہ فرمائیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ امام الانبیاء وسید المرسلین وخاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

۲۳ محرم الحرام، شب الثلثاء بعد از صلوۃ المغرب متصلاً ۱۳۹۴ھ

الفقیر قادری ابوصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ بہاولپور

نوٹ: محمدی شریف سے یہی سوال حضرت علامہ کاظمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھیجا گیا ان کا جواب بھی اسی رسالہ کے ساتھ شائع ہوا، تبرکاً اسے بھی شامل تفسیر کیا جاتا ہے۔

نہایت اضطراب کی حالت میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ دینی خدمت کے رشتے سے یہ تکلیف آپ کے لئے بار خاطر نہ ہوگی۔

سوال: ہدایت دینی کسی رسول کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے۔ رسول کا کام تو صرف تبلیغ تھا۔ (صفحہ ۱۱۴ تحریک جامع محمدی)

بردے لفظوں نبوت کا انکار کرنے والے اس طرح وہ عظمت مصطفیٰ کو ہیچ اور سلطنت حبیب خدا سے روگردانی کرتے ہوئے اختیارات وتصرفات آقائے دوعالم میں غنڈہ جبینی سے عجز پیش کرتے ہیں آیت قرآنی دلیل راہ بتلاتے ہیں۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (الآیۃ) اور معتبر تفاسیر سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ اپنے چچا کے چراغ کو بھی رسول کبریا عذاب

دوزخ سے محفوظ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے لہٰذا آپ کو امور تکوینی اور تشریعی میں کوئی اختیار نہیں۔
کیا یہ جناب والا سے توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کا معتبر اور مختصر جواب جلد تحریر فرما کر اطمینان بخشیں گے۔

والسلام، محتاج کرم

ایس کے رازی (ایم۔اے) صدر انجمن ہذا۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۹۷۴ء

نوٹ:۔ عزیز نوازی سے جس طرح آپ نے مشرف فرمایا اس اعزاز کو شائع کئے بغیر آپ کا بیان سراپا عرفان ہی شائع کیا جاتا ہے (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

ج: اما بعد لفظ "ھدایت" جو کتاب وسنت میں وارد ہوا ہے اس کے شرعی حقیقی معانی معتزلہ کے نزدیک بیان طریق الصواب ہیں۔ اور مشائخ اہلسنت اس کے شرعی حقیقی معنی خلق الاھتداء مانتے ہیں ہر ایک فریق اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کتاب وسنت کی آیات پیش کرتا ہے مثلاً معتزلہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایت سے مراد بیان طریق الصواب ہے۔

مشائخ اہل سنت فرماتے ہیں کہ اگر لفظ ہدایت کا معنی صرف بیان طریق الصواب ہوں تو

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ

کے کیا معنی ہوں گے؟ رسول اللہ تو ہر ایک کیلئے بیان طریق الصواب فرماتے ہیں اسکی نفی کیونکر درست ہوگی؟ لہٰذا تسلیم کرنا ہوگا "ہدایت کے اصل معنی خلق الاھتداء ہیں" اور انہی معانی کی نفی آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي میں کی گئی ہے کیونکہ خلق الاھتداء منصب رسالت نہیں یہ شان خالقیت ہے، ہم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خالق نہیں مانتے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کی طرف ہدایت کی اسناد ہیں وہاں اسناد مجازی ہے اور جہاں ہدایت کے بعد ضلال کا ذکر موجود ہے وہاں لفظ "ہدایت" لغوی معنیٰ میں مستعمل ہے جیسے اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى یہاں ہدایت شرعی عید مراد ہیں۔ رہا یہ امر کہ ہدایت کے معنیٰ ارادۃ الطریق عند المعتزلہ اور ایصال الی المطلوب عند اھل سنت۔ کتب فن میں بیان کئے گئے ہیں تو یاد رکھیں حضرات قارئین باتمکین، یہ اختلاف ھی معنیٰ لغویہ کی طرف راجع ہے خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیکو ہدایت نہیں فرمائی اُس کا مطلب یہ ہے کہ خلق اھتداء حضور نے نہیں کیا کیونکہ یہ حضور کا منصب ہی نہیں بلکہ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے خلق الاھتداء فرمایا ہی نہیں یہ عدم ہدایت اگر کسی نقص

حاشیہ

کا موجب ہے تو معاذ اللہ ذاتِ باری کے لئے اثباتِ نقص لازم آئے گا۔

تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً

مسئلہ سمجھنے کیلئے بالتمثیل یوں کہیے کہ ٹکسال میں جو سکہ ڈھلا ہی نہیں۔ اگر وہ کسی دولتمند کے پاس نہ ہو تو اُسکی دولت مندی میں کمی نہیں آتی جن لوگوں کیلئے خلقِ اھتدا ہوا ہی نہیں انہیں ہدایت نصیب نہ ہونا آقائے کونین کے خزانہ و دولت میں ہرگز کمی کا موجب نہیں بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس تو یہ ہے۔ اللہ یعطی و انا قاسم۔ کفر پر مرنے والوں کیلئے ہدایت تو خزانۂ خداوندی میں تھی ہی نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کیلئے خلق اھتدا حکمت کے منافی تھا تو جو چیز اگر وہاں نہیں تو یہاں بھی نہ ہو تو کونسی خرابی لازم آتی ہے؟ بلکہ آیت کریمہ انک لا تهدی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ والتسلیم کو دشمنوں کے الزام سے محفوظ رکھنے کے لئے خلق اھتدا کی حضور سے نفی فرماتے ہوئے اپنی ذات مقدسہ کیلئے اسکا اختصاص ظاہر فرمایا۔ کیونکہ جن کے لئے خلقِ اھتدا ہوا ہی نہیں وہ اپنی محرومی کا الزام اللہ کے رسول پر نہ لگا سکیں گویا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی محرومی کا الزام نہ لگاؤ خلقِ اھتداء تو میرا کام ہے ان کا کام ہی نہیں پھر وہ مورد کیسے ہو سکتے ہیں اور اگر مجھ پر الزام لگاؤ تو تمہاری جہالت ہوگی کیونکہ میرا کام حکمت کے عین مطابق ہے، نادانو! میں ہر عیب سے پاک ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین ہ

سید احمد سعید کاظمی ١٦ مارچ ١٩٧٤ء

حاشیہ ختم



(بقیہ صہ ۱۶۶)

کے چچا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا والد مراد ہے اور یہ آیت اسی کے حق میں نازل ہوئی۔

ابوطالب کی سکرات الموت کا واقعہ: مروی ہے کہ جب ابوطالب پر نزع طاری ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی تمنا تھی کہ وہ کسی طرح ایمان لائے اسی لیے فرمایا اے چچا پڑھو لا الہ الا اللہ الخ تاکہ میں تمہارے لیے قیامت کے دن شاہد ہوں اس نے عرض کی بھتیجے اگر مجھے قریش کے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لاتا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا۔

شرح الحدیث: حدیث شریف میں ہے کہ ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی اکسرہ ان یقال خرع عند الموت۔ خرع بالخاء المعجمۃ والراء المہملۃ علم کی طرح بمعنی ضعف و جبن۔ یعنی اگر میں کلمۂ اسلام پڑھوں تو قریش عار دیں گے کہ وہ موت کے وقت کمزور پڑ گیا اور بزدل ہو گیا اور موت کی بزدلی کی عار سے ان لوگوں کو اچھی نہیں لگتی تھی۔ اور ابوطالب نے یہ بھی کہا لولا ان یکون علیك و علی بنی ابیك غضاضہ بعدی۔ غضاضہ بمعنی ذلۃ و منقصۃ یعنی اگر میرے مرنے کے بعد مجھے قریش کی طرف سے آپ اور آپ کے خاندان پر ذلت و نقص و عیب گوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں آپ کا کلمۂ اسلام پڑھ لیتا اور آپ کی آنکھیں بھی ٹھنڈی کرتا جبکہ میں آپ کو فراق سے غمگین اور حزن میں دیکھتا ہوں اور آپ نے میرے کلمہ پڑھانے کے لیے جد وجہد کی لیکن میں نہ مانا تو آپ ملول ہوئے لیکن آپ کو عرض کیے دیتا ہوں کہ میں اپنے مشائخ عبد المطلب و ہاشم و عبد مناف کے دین پر مروں گا۔
مسلم شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مذکورہ بالا کے مطابق روایت نقل کر کے لکھا کہ اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے ؎

وَ لَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ
مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا
لَوْلَا الْمَلَامَۃُ اَوْ حِذَارُ مَسَبَّۃٍ
لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِیْنًا

ترجمہ: میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین تمام جہانوں کے دینوں سے بہتر ہے۔ اگر ملامت گردن، کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا اس کے بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ جب ابو طالب نے کلمۂ توحید سے انکار کیا تو اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب تک تیری بخشش کی دعا سے روکا نہ جاؤں گا تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگتا ہوں گا۔ آپ کو ابو طالب کی دعا سے رکاوٹ پر آیت ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم۔ نبی علیہ السلام اور مومنین کے لئے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔

اسلام ابو طالب اور معجزہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم: بعض روایات میں آیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین اور آپ کے چچا کو زندہ کیا تو یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان ایمان لائے جیسا کہ سورۃ توبہ میں گزرا۔

لیکن چونکہ یہ روایت بلاسند اور غیر معتبر ہے۔ اسی لیے قابل اعتماد وہی احادیث صحیحہ ہیں جو کتب صحاح میں موجود ہیں جنھیں اعلیحضرت قدس سرہ نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے لیکن یاد رہے کہ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ ابو طالب کے ایمان و کفر کے مقابلے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ اور ان کو برا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے کہ اس سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی ایذا کا احتمال ہے[۵]۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہدایۃ دراصل ربوبیت کی طرف عبودیت کے دروازے کھلنے کا نام ہے اور یہ خصائص قدرت حق سبحانہ، سے ہے کیونکہ بندے کے دل کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ نفس وجد کی طرف ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ دوسرا دروازہ روح اور حضرت کی طرف ہے اور وہ ہمیشہ بند رہتا ہے اسے سوائے رب فتاح (کہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر شے کی کنجی ہے) کے اور کوئی نہیں کھولتا جیسا کہ اپنے حبیب علیہ السلام کو فرمایا انا فتحنا لك فتحا مبینا۔

۵۔ فقیر اسی کو ترجیح دیتا ہے۔ اعلیحضرت قدس سرہ سے پہلے مفتی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسنی المطالب اور مولوی برخوردار ملتانی محشی نبراس نے رسالہ ایمان ابو طالب پر لکھا اور ہمارے معاصرین میں سے صائم چشتی شاعر نے بھی کچھ لکھ مارا لیکن کہاں اعلیحضرت امام اہلسنت اور کہاں یہ غریب شاعر۔ بہرحال اس گفتگو میں خاموش رہتے۔

یستغفر لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر و یتم نعمته علیك و یهدیك صراطًا مستقیما۔ یہاں صراط مستقیم سے حضرت حق کی جانب کا راستہ مراد ہے جیسا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج قاب قوسین او ادنیٰ کے قرب کی طرف راستہ دکھایا اور جن لوگوں کے قلوب کے دروازے بند ہیں ان کے متعلق فرمایا ام علی قلوب اقفالها۔ کیا ان قلوب پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا قلب رب رحمٰن کے قدرت کی انگلیوں کے درمیان میں ہے وہ اسے جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے۔ چاہے تو اسے سیدھا رکھے چاہے تو ٹیڑھا کر دے۔

فائدہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجودیکہ رفیع الشان تھے اور آپ کو اپنے قلب انور کے متعلق کسی قسم کا ٹیڑھا پن کا خطرہ نہ تھا لیکن اکثر یوں دعا مانگتے تھے:

یا مقلب القلوب ثبت قلب عبدك علی دینك وطاعتك

"اے دلوں کے پھیرنے والے اپنے بندے کے دل کو اپنے دین اور اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ۔"

اس سے ثابت ہوا کہ ہدایت کا معنی ہے قلب کو باطل سے حق کی طرف پھیرنا اور باطل سے ماسوی اللہ اور حق سے حضرت ربوبیت مراد ہے۔ جب ہدایہ کا یہی معنیٰ ہے تو یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

فائدہ: عرائس البیان میں ہے کہ ہدایہ ارادہ ازلی سے مقرون ہے اس لیے ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ واضح ہوا کہ صاحب روح البیان کے نزدیک بھی ابوطالب کا خاتمہ کفر پر ہوا چنانچہ لکھا ہے کہ

ولو كانت ارادة نبینا علیه السلام فی حق ابی طالب مقرونة بارادته حقه من جهة القرابة الاولی لكان عهتدیا ولكن كان محبته و ارادته فی حقه من جهة القرابة الاتری انه اذ قال اللّٰهم اعز الاسلام بعمر كیف اجابه۔ روح البیان ج۶ ص۲۱۶

ترجمہ: اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مبارک ارادۂ ازل کے موافق ہو جاتا تو ابوطالب کو لازماً ہدایت نصیب ہوتی لیکن آپ کی محبت ابوطالب کے ساتھ بوجہ قرابت کے تھی۔ اگر دینی لحاظ سے محبت ہوتی تو کچھ ہو جاتا جیسے حضرت عمر کے لیے دعا مانگی۔ (اے اللہ عمر کے ذریعے اسلام کو عزت دے) تو دعا قبول ہو گئی۔ یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔

فائدہ: اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو گئی جنہوں نے گزشتہ روایات نقل کر کے ثابت کیا کہ روح البیان

میں بھی ابوطالب کا ایمان ثابت ہے حالانکہ وہ تو صرف روایت نقل کی ہے اس میں فیصلہ تو نہیں لکھا۔ (اضافہ اویسی)

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ انك لا تھدی من احببت یعنی جسے ہم چاہیں تحیر کے جنگلوں میں حیران رکھیں اور جسے ہم چاہیں ہم سلسلہ قہر میں گرفتار رکھیں اور ازل میں جن کے سروں پر ہم نے تاج سعادت رکھ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ وھؤلاء فی الجنة ولا ابالی اور یہ بہشتی ہیں مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں۔

سبق: اے عزیز اللہ تعالیٰ کی صفات سے لا ابالی جیسی اور کوئی صفت سخت نہیں اسی لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول کاش میں ایک کٹا ہوا درخت ہوتا۔ وہ بھی اسی خطرہ سے تھا دیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہر سالک راہ کے لیے مشعل راہ ہے تاکہ عبادت وطاعت میں سستی و غفلت نہ ہو۔ اور نہ ہی عبادت وطاعت میں غرور وتکبر پیدا ہو جیسا کہ ابلیس لعین کیسا ہی بہتر عبادتگذار اور فرمان بردار تھا لیکن چونکہ ازلی بدبخت تھا اس لیے اس کی بدقسمتی کی سیاہی کوئی نہ دھو سکا اور ازل سے ہی وہ قسمت کا مارا تھا۔ کما قال اللہ۔ وکان من الکافرین۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

ترجمہ: جس کی ازل سے سیاہ اوڑھنی تیار ہوئی اسے کوثر و زمزم کے پانی سے سفید نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گرت صورت حال بدیا نکوست
نگاریدۂ دست تقدیر اوست

ترجمہ: اگر تیری صورت بری ہے یا اچھی وہ تقدیر کے ہاتھ سے لکھی ہوئی۔

قضائے الٰہی جہاں چاہے کشتی کو لے جائے اگرچہ ملاح فریاد وزاری سے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

با اختیار حق نبود اختیار ما
با نور آفتاب چہ باشد شرار ما

ترجمہ: حق کے اختیار کے بالمقابل ہمارا اختیار کیسا۔ آفتاب کے نور کے سامنے ہماری چنگاری کی کیا وقعت۔

تفسیر عالمانہ: وقالوا ان نتبع الھدیٰ معک نتخطف من ارضنا. یہاں پر اتباع الھدیٰ سے اقتداء فی الدین اور سلوک الی طریق الرشاد ہے یعنی اُنہوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کے لائے ہوئے پیغام کو مانیں اور آپ کے دین کی اتباع کریں تو ہمیں خطرہ ہے کہ ہم اچک لیے جائیں۔ التخطف بمعنی الاختلاس بسرعۃ۔ اچک لے جانا۔

شانِ نزول: یہ آیت حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف کے حق میں نازل ہوئی۔ مروی ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ ہمیں یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں ؎

قول تو حق و سخن راستست
و آنچہ می فرمائی سبب دولت ماست

ترجمہ: آپ کا قول حق اور بات صحیح ہے اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ ہماری دولت کا سبب ہے۔

لیکن اگر ہم آپ کے دین کا اتباع کریں تو ہمیں ڈر ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں شہر بدر کر دیں گے کیونکہ اُنہوں نے ہمارے خلاف محاذ قائم کیا ہوا ہے اور وہ کثیر تعداد میں ہیں اور ہم نہایت قلیل ہیں اور ہمیں اُن کے مقابلہ کی بھی تاب نہیں۔ اس کے ردّ میں یہ آیت اُتری اور فرمایا اولم نمکن لھم حرما آمنا۔ کیا ہم نے انھیں امن والے حرم شریف میں جگہ نہیں دی یعنی کیا ہم نے اُن کی آپس میں جنگ اور خونریزی کے باوجود اُن کے رہنے کی جگہ کی دشمنوں سے حفاظت نہیں کی اور اُن کے رہنے کی جگہ کو ہم نے معظم و محترم بنایا ہے اور ایسی عزت و عظمت کہ عرب کے لوگ آپس میں جنگ اور خونریزی کرتے ہیں لیکن اُن کے رہنے کی جگہ محفوظ ہے اور وہ خود مامون [illegible] ہیں بلکہ نہ صرف انسان بلکہ حیوانات کو بھی یہاں امان نصیب ہے یہاں تک کہ پرندے انسانوں سے مانوس اور چرندے یہاں پر مطمئن بلکہ ہر بے قرار یہاں آکر قرار پاتا ہے۔ جب جملہ عرب اس کی حرمت کے قائل ہیں تو پھر کب یہاں قتل و غارت روا رکھیں گے۔ یجبیٰ الیہ اس حرم شریف کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں اور اُٹھا کر لائے جاتے ہیں اور اس میں جمع کیے جاتے ہیں۔ ثمرات کل شیٔ ہر شے کے ثمرات رنگا رنگ میوہ جات ہر جانب سے مثلاً مصر، شام، یمن، عراق سے اور تم مکہ معظمہ میں جاکر دیکھو تو ہر علاقہ کے پھل، فروٹ ترکاری، اجناسِ غلّہ وغیرہ ہر وقت آسانی سے ملتے ہیں یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کی روشن دلیل، چنانچہ انھوں نے مکہ معظمہ کی تعمیر کے بعد عرض کیا تھا "وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ" اور کاشفی نے لکھا کہ ہر قسم کے منافع اور ہر طرح کی نادر و غریب اشیاء مکہ معظمہ میں پہنچی ہیں۔ (فائدہ) یہاں پر کُلّ ثمرات کی کلیۃ سے کثرت مراد ہے اور جملہ حرماً کی دوسری صفت ہے اور آنے والے مضمون سے پیدا شدہ توہم کو دُور کرتی ہے وہ توہم یہ ہے کہ چونکہ مکہ معظمہ میں دوسرے شہروں سے اناج وغیرہ آتا ہے خدانخواستہ اگر اسی علاقہ سے اناج آنا بند ہو جائے یا سرے

وہاں پیدا ہی نہ ہو تو پھر مکّہ کے لوگ فاقہ کا شکار ہو جائیں گے اس کے ازالہ میں اللہ تعالیٰ نے اس جُملہ کا اضافہ فرمایا تاکہ کوئی متوہم وہم کا شکار نہ ہو جائے "رزقا من لدنا" یہ رزق ہے ہماری طرف سے اسی سے مخلوق کو کسی قسم کا واسطہ اور تعلّق نہیں۔ جب ہم نے انہیں بت پرستی کے باوجود بھی حرم شریف میں پُر امن اور رزق سے بہرور فرمایا تو پھر جب وہ توحید سے سرشار ہو کر ہمارے عبادت گزار بندے بن جائیں گے تو پھر ہم انہیں کس طرح بھلا ئیں گے۔ اور انہیں ہمارے دشمن کیسے اُچک لیجا سکتے ہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

حرم خاص الٰہست توحید ؛ جملہ را جائے پناہست توحید
باعث امن و امانست ایمان ؛ کان دل را شہ راہست توحید

ترجمہ: توحید اللہ تعالیٰ کی حریم خاص ہے اور جملہ عالم کی جاہ پناہ توحید ہے اور امن و امان کا باعث ایمان ہے اس لئے کہ دل کی شاہراہ توحید ہے رزقا کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے جو کہ یجبیٰ الیہ کے معنی کی تاکید کرتا ہے اس لئے کہ اس میں بھی یُرزقُ کا معنی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہماری طرف سے رزق عطا کئے جاتے ہیں (ف) حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے انہیں ایسی وادی سے روزی دی جہاں کھیتی کا نام و نشان تک نہیں اور پھر ان کی روزی ہم نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے انہیں کسی کا محتاج نہیں بنایا اور نہ ہم روزی دیگر منّت و احسان جتلاتے ہیں۔ "ولکن اکثرھم لا یعلمون" لیکن اکثر جاھل قسم کے اہل مکّہ نہ کچھ جانتے ہیں اور نہ کچھ سمجھتے ہیں بلکہ غور و فکر بھی نہیں کرتے تاکہ انہیں کچھ معلوم ہو سکے۔

قلب محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم عالم قدس کا کعبہ ہے | عرائس البیان میں لکھا ہے کہ اہل مکہ کا کعبہ در حقیقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب انور ہے اور یہی عالم قدس کا کعبہ اور عالم انس کا حرم ہے اسی کعبہ کی جانب اشجار ذات و صفات کے جملہ میوہ جات جمع ہوتے ہیں جو بھی اس حرم مکرم میں بشرط محبّت و موافقت داخل ہوتا ہے تو وہ کونین کی آفات سے محفوظ اور جملہ عالم میں سے اللہ تعالیٰ کا وہ منظور نظر ہوتا ہے ایسے ہی اس شخص کی شان بن جاتی ہے جو کسی ولی کامل کی قلب میں محبّت و عشق سے داخل ہوتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کلید گنج سعادت قبول اہل دلست ؛ مبارک کہ درین نکتہ شک و ریب کنند

ترجمہ: اہلِ دل کے ہاں مقبول ہونا سعادتمندی کی کنجی ہے خدا کرے اس نکتہ سے کسی کو شک و شبہ نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ | آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو ارضِ انانیت میں جذبات الوہیت کے اچک لے جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر وہ حمد قلب کی تابعداری کرے تو حرم ہُویت میں ہر قسم کی حقیقت روحانیہ و جسمانیہ کے ثمرات کو پالے گا۔ بلکہ اسے ہر خواہش پر ہزاروں لذات نصیب ہوں گی۔ لیکن

اسے رزق لدنی کے ذوق کے کمال کی کیا خبر ایسے بعض ظاہر بین اور خشک زاہد مولوی ایسی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں ، اور جسے اس کا ذوق نصیب ہو وہ اسکی حقیقت کو کیا جانے ۔ حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

زاہد نہ عجب گر کند از عشق تو پرہیز ؛ لیکن لذت بادہ چہ داند کہ نخوادست

ترجمہ : زاہد کو اگر تیرے عشق کی حقیقت معلوم نہیں تو اس سے دُور رہو اس لئے کہ ایسی شراب کی لذت کی اسے کیا خبر جس نے اسے چکھا ہی نہیں ۔

تفسیر عالمانہ (ربط) اب بیان فرمایا کہ امر برعکس ہوگیا کہ کفار مکہ لوگوں سے تو خوفزدہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ سے بے خوف کر دیا حالانکہ ان پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور لوگوں سے بے خوف خطر ، چنانچہ قرآن میں ہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں جو اپنی معاش پر اتراتی تھیں ۔ (حل لغات) اَلْبَطَر بمعنے نعمت میں سرکشی بعض نے کہا ہے کہ بطر اور اَشَر کا ایک معنے ہے یعنے وہ دہشت جو انسان کو نعمت کو غلط طریقہ سے حاصل کرنے اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے اسے بیجا صرف کرنے سے طاری ہوتی ہے تقریباً طَرَبٌ کا بھی یہی مفہوم ہے لیکن یہ بطر و اشر سے خفیف اور اکثر سُرور و فرحت کی وجہ سے عارضی ہوتی ہے اور معیشتہا کا منصوب ہونا نزع الخافض سے ہے کہ یہ دراصل فی معیشتہا تھا (کذا فی الوسیط) اب معنے یہ ہوا کہ بہت سے علاقے زمانۂ سابق میں گزرے جن کا اہلِ مکہ کی طرح حال تھا مگر وسعت عیش میں وہ ان سے بہت زیادہ تھے یہاں تک کہ نعم دینویہ کی فراوانی کی وجہ سے ناشکری کا شکار ہوئے تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا اور ان کے علاقوں کو ویران "فتلك" یہ وہی نہیں "مساكنهم" جن کے مکانات گرے پڑے ہیں یہ ان کے ظلم کی سزا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے نفسوں پر کیا اور تم ان کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو روزانہ اپنے تجارتی سفروں میں آتے جاتے وقت دیکھتے ہو "لم تسكن" نہ ٹھہرے من بعدهم" انکی تباہی و بربادی کے بعد " الا قليلا " مگر تھوڑی دیر اس لئے کہ یہاں پر صرف گمنے جانے والے مسافر خانہ کی طرح ہے کہ یہاں جو بھی آیا چند روز ٹھہر کر پھر چلتا بنا ۔ یا الا قليلاً کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان مکانات میں ایسی نحوست چھوڑی کہ ان کے بعد وہاں جو بھی مقیم ہوتا تو وہ طرح طرح کے مصائب و مشکلات کا شکار ہو کر چند روز کے اندر تباہ و برباد ہو جاتا یا وہاں سے بھاگ کر خالی مکان چھوڑ جاتا یا مر جاتا اس لئے کہ منحوس مکانات میں ٹھہرنے میں کوئی برکت نہیں ہوتی ۔ بعض نے کہا کہ وہ مکانات، تو اور دیگر منحوس جانوروں کے ٹھہرنے کا مرکز بن گئے تھے اسی لئے وہاں کی زمین کی تسبیح یوں پڑھتی تھی ۔ سبحان الحی الذی لا یموت" (اس ذات کی پاکی بیان کی جاتی ہے جو زندہ ہے اور اسے موت نہیں) ؎

پردہ داری می کند در طاق کسریٰ عنکبوت ؛ بُوم نوبت می زند در قلعۂ افراسیاب

ترجمہ : کسریٰ جیسے بادشاہوں کے شاہی محلوں کی مکڑی تانا تنتی ہے اُلّو افراسیاب قلعوں میں بسیرہ کرتا ہے وکنا نحن الوارثین ۔ اور ہم ہی سب کے وارث ہیں یعنے انکے انہی مکانات پر ہمارا قبضہ ہے اس لئے کہ ان کے تباہ و برباد ہو جانے کے بعد کوئی ایسا نہیں تھا جو وہاں ٹھہرتا یا کوئی اور تصرّف کرتا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسی ارشاد میں اپنی بقاء دائمی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس میں مخاطبین کو وعید ہے ۔ وما کان ربك مهلك القریٰ ۔ اور تمہارا رب نہیں ہلاک کرتا کسی علاقہ کو ـــــــــــــــ حتیٰ یبعث فی امها " یہاں تک بھیجتا ہے ان بستیوں کے اصل یعنے مرکز میں " یہاں اُم بمعنے اصل اور ان تمام بستیوں میں سے بڑی بستی جس میں پبلک بکثرت اور اس کے ملحقات بہت زیادہ ہوں جسے ہم نے مرکز سے تعبیر کیا ہے اور اسے مرکز یعنی اصل اور اعظم سے بھی اسی لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہاں کے لوگ سمجھدار پڑھے لکھے اور معزز سمجھے جاتے ہیں اور رسل کرام علیہم السلام ہمیشہ معزز لوگوں کے ہاں بھیجے جاتے ہیں اور معزز لوگوں کا عام بسیرہ شہر یا بڑے قصبوں میں ہوتا ہے ۔ رسولا یتلوعلیہم آیاتنا رسول علیہ السلام انہیں ہماری آیات ناطقہ پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں اسلام کی طرف ترغیب و ترہیب دے کر بلاتے ہیں رسل کرام علیہم السلام کو اسلئے بھیجا تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور بعد کو عذر نہ کریں کہ ہمارے ہاں تو کوئی رسول علیہ السلام نہیں آیا اے پروردگار تو ہمارے ہاں کوئی رسول بھیجتا تو ہم تیری آیات کی اتباع کرتے ۔

شان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار | التکملہ میں ہے کہ الاُم سے مکہ معظمہ اور الرسول سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور مکہ معظمہ با یمعنیٰ ام القریٰ ہے کہ تمام زمین کے بچھانے کا آغاز یہیں سے ہوا ۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے ارد گرد جتنے شہر اور قصبات واقع ہیں آپ کی برکت سے آخر زمانے تک ہم انہیں تباہ و برباد نہ کریں گے یہاں تک کہ میں رسول تشریف لائے اور وہ تشریف لانے والے ہمارے رسول علیہ السلام ہیں ـــــــــــ وَمَا كُنَّا مهلکی القریٰ کسی مرکزی شہر میں رسول علیہ السلام بھیجنے کے بعد انہیں دعوتِ حق دیتے اور راہ حق دکھاتے ہیں تو ہم کسی وقت بھی ان لوگوں کو تباہ و برباد نہیں کرتے الا واهلها ظالمون ۔ درآنحالیکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات سے کفر کریں ــــــ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشریف لانا موجب سنت الٰہیہ عدم صحت اہلاک کی غایتہ ہے ۔ ان کا تشریف لانا عدم وقوع اہلاک کے لیے نہیں ۔ اسی لیے سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے سے ضروری ہو جائے کہ وہاں کے لوگ تباہ و برباد ہوں ۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ ظلم ہلاکت و تباہی کا سبب ہے اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ ظلم قاطع الحیاۃ و

مانع النبات انگوریاں ہمیں اسی طرح ناشکری بھی ۔ بزرگوں نے فرمایا کہ نعمتیں کفو کو چاہتی ہیں جیسے خاندانی عورتوں کے نکاح میں کفو ضروری ہے اور سرکش کفو نہیں جیسے رذیل و خسیس کمینے لوگ خاندانی عورتوں کے کفو نہیں ہو سکتے ۔

فائدہ : تفسیر میں لفظ عقائل الحرام واقع ہے اور عقائل عقلیہ کی جمع ہے بمعنی اکرام اکرم ترین شے اور حرم الرجل سے اس کی اہلیہ مراد ہے ۔ اب معنی معززہ اور خاندانی عورت خسیس اور کمینے لوگوں کی کفو نہیں ہو سکتی بلکہ اگر ان کا نکاح ہو جائے تو عورت کا متولی نکاح فسخ کر سکتا ہے اسی لیے کہ دو خاندانوں کا برابر ہونا ضروری ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ سادات لڑکیوں کا نکاح عام اقوام میں جائز نہیں ۔ اسی قاعدہ پر ہم اہل سنت کہا کرتے ہیں کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید سے نہیں ہو سکتا لیکن ہاشمی ۔ قریشی خاندان کی سادات لڑکیوں سے نکاح ہو سکتا ہے اسی لیے کہ سید کوئی قوم نہیں بلکہ ایک لقب ہے ان کی اصل قوم بھی قریشی ہے ۔ مگر ہم وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ عجم میں انسان محفوظ ہو سکتا ہے ۔ مزید تحقیق فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ سیدزادی کی شادی کا مطالعہ کیجئے ۔ اگر دو خاندانوں میں مساوات نہ ہو تو عار و ننگ کا شکار ہو جائے گی اور اسلام عورت کو ذلیل و خوار کرنا نہیں چاہتا ۔ اسلام کا عورتوں پر ایک عظیم احسان ہے لیکن افسوس کہ دور حاضرہ کی عورت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کو بھول گئی ——— اور اپنے دشمن مغرب کی گندی ذہنیت کو اپنی فلاح سمجھ بیٹھی ۔

مسئلہ : اہل بطر و فخر و غرور سے بوجہ ناشکری کے کبھی نعمت چھین لی جاتی ہے ۔ اہل اہل شکر کی سعی ضائع نہیں ہوتی بلکہ ان کے حال کا حسن بڑھتا ہے ۔ رزق تو وسیع تر ہے ۔ وہ ہر جگہ ہر ایک کو فراخی سے نصیب ہوتا ہے ۔ وہ نہیں دیکھتا کہ بندہ شکر کرتا ہے یا ناشکری شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بدیں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ :۔ اس کی زمین کا دسترخوان عام بھیجا ہوا اس دسترخوان پر دوست دشمن برابر ہیں ۔

حکایت : حضرت شیخ عبد الواحد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے ایک جزیرہ میں ایک بت پرست کو دیکھ کر کہا کہ تم ایسے بت کی پرستش کر رہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان ۔ تجھے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیئے اس نے پوچھا اللہ کون ہے ہم نے کہا وہ ذات جس کا عرش آسمان پر ہے اور اس کی تعریفات زمین پر ہیں ۔ اس نے کہا تم نے کیسے سمجھا یا ہم نے کہا ہمارے ہاں اس کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا جب انہوں نے رسالت و نبوت کے حقوق پورے کیے تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں بلا لیا لیکن ہمارے ہاں اس کی کتاب چھوڑ گئے ہیں ۔ چنانچہ ہم نے نمونہ کے طور پر اس بت پرست کو قرآن مجید کی ایک سورت پڑھ کر سنائی ۔ وہ قرآن مجید سن کر بہت رویا بالآخر مسلمان ہو گیا ۔ ہم نے قرآن مجید کی چند سورتیں پڑھائیں جب رات ہوئی تو ہم نے عشاء

پڑھ کر بستر سے سیدھے کر لیے لیکن وہ ساری رات عبادت کرتا رہا۔ ہم اسے اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے چند دنوں بعد ہمارا وہاں سے گزر ہوا ہم نے چندہ کر کے اس کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں خرید لیں اور اس کے ہاں پیش کیں تو اُس نے کہا کہ میں ایک پتھر کو پوجتا تھا تو بھی اُس نے مجھے روزی دی۔ اب جبکہ میں اسی کا ہو گیا ہوں تو پھر کب چھوڑے گا اب مجھے اس کا عرفان بھی نصیب ہوا ہے اور عارف اس کا محبوب ہوتا ہے اور محبوب کو دشمن میں نہیں چھوڑا جاتا اور فقر وفاقہ بھی انسان کا ایک دشمن ہے۔ اس اعتبار سے نہ اب مجھے فقر وفاقہ کا خطرہ ہے اور نہ درد والم کا اندیشہ ہے ؎

محالست چو دوست دارد ترا
دست دشمن گزارد ترا

ترجمہ: محال ہے کہ جب وہ تمہیں دوست رکھتا ہے تو پھر تجھے دشمن کے ہاتھ میں کس طرح گرفتار کرے گا۔

سبق۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اس کی نعمتوں کی قدر کرے بلکہ انہیں شکر کی قید سے مقید رکھے شکر کے بجائے ناشکری کر کے نعمتوں کو ضائع نہ کرے۔ اس لیے کہ نعمتوں کی ناشکری صریحًا ظلم ہے اسی لیے تباہی و بربادی کا انسان شکار ہو جاتا ہے کہ نعمتوں کا شکرانہ ادا نہیں کرتا اور انسان کے قلب کی تباہی اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسے یاد نہیں رہتا کہ اس کریم نے اس پر کتنا عظیم احسانات فرمائے ہیں اور کبھی انسان کو اللہ تعالیٰ پیاس شدید میں مبتلا کر دیتا ہے ویسے ہم نے بہت سے لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو پہلے قلب کی تباہی کا شکار ہوئے پھر اُن کے ظاہری مکانات اور گھر تباہ و برباد ہوئے اور مرنے کے بعد سیدھے جہنم رسید ہوئے۔ ہاں انسان نسیان کا مارا ہوا ہے وہ کسی بات سے عبرت نہیں پکڑتا بلکہ زندگی غفلت میں ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے اور ہر لحظہ ہم اس کی یاد میں زندگی بسر کریں بلکہ ہماری زندگی کے جملہ ساعات کامل بیداری میں بسر ہوں۔ (آمین)

وَمَا مبتدا ہے متضمن بمعنی شرط ہے اس لیے کہ اس شرط پر **فاء** داخل ہے بخلاف دوسرے **مَا** کے کہ وہ متضمن معنی شرط کو نہیں۔ اُوْتِیْتُمْ اور ہر وہ شے جو تمہیں عطا ہوتی ہے۔ یہ خطاب کفار مکہ کو ہے۔ (کذا فی الوسیط)

من شیءٍ ۔ اسباب دنیا سے **فمتاع الحیوة الدنیا وزینتها** تو یہ دنیا اور اُس کی زینت کا ساز و سامان ہے۔ یعنی وہ ایک ایسی شے ہے جس سے دنیا میں چند دنوں میں رہ کر نفع اُٹھایا جائے اور سنگار کیا جائے اس کے بعد تمہیں اور دنیا میں تمام ساز و سامان کو فنا ہی فنا ہے۔

فائدہ: دنیا میں منافع کو متاع اس لیے کہا گیا ہے کہ ہر متاع کو فنا ہوتی ہے اور دنیا کا تمام ساز و سامان کو فنا

ہوگی اور اس کی مثال گھر میں سامان کی ہے کہ وہ کتنا ہی ان گنت کیوں نہ ہو تب بھی وہ فنا ہو جائے گا۔ وما یہ موصولہ ہے بمعنی عند اللہ اور وہ اجر و ثواب جو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہو خیر لکم وہی تمہارے لیے اس عالم میں بہتر ہیں اور دنیا کا سامان بڑا پُر رونق ہے۔ اس میں بے شمار غم اور حزن مخفی کر دیا ہے۔ یہ ساز و سامان انہی مخفی غم و حزن کی صورت میں ہیں۔ و ابقی اور اللہ تعالیٰ کا اجر و ثواب ہمیشہ رہنے والا ہے اس لیے کہ وہ ابدی ہے۔ افلا تعقلون تو کیا تم غور و فکر کر کے سمجھتے نہیں اس لیے کہ یہ امر واضح ہے بہتر امر کو ترک کر کے ادنیٰ کو لیتے ہو، اور کفر و معاصی کا ارتکاب سے اس سعادۃ پر شقاوۃ کو ترجیح دیتے ہو اور ایمان و طاعات سے تمہیں سعادت نصیب ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو فرمایا کہ تم سمجھتے نہیں کہ فانی کو باقی پر اور محبوب کو مرغوب پر ترجیح دے رہے ہو ؎

صف باشد لعل و زر دادن زجنگ
پس گرفتن در برابر خاک و سنگ

ترجمہ: "افسوس ہے کہ لعل و زر کو چھوڑ کر ان کے عوض مٹی اور پتھر حاصل کر رہے ہو۔"

ع ٦ ۹

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا

تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ع

ترجمہ:۔ تو کیا وہ جسے ہم نے اچھا وعدہ دیا تو وہ اس سے ملے گا اس جیسا ہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی کا برتاؤ
برتنے دیا پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کرکے حاضر لایا جائے گا اور جس دن انھیں ندا کریگا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے
وہ شریک جنہیں تم گمان کرتے تھے کہیں گے وہ جن پر بات ثابت ہوچکی اے ہمارے رب یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا ہم نے
انہیں گمراہ کیا ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے خود گمراہ ہوئے تھے ہم ان سے بیزار ہوکر تیری طرف رجوع لاتے ہیں وہ ہم کو نہ پوجتے تھے
اور ان سے فرمایا جائے گا اپنے شریکوں کو پکارو تو وہ پکاریں گے تو وہ ان سے نہ سنیں گے اور دیکھیں گے کہ عذاب کیا اچھا
ہوتا اگر وہ راہ پاتے اور جس دن انھیں ندا کرے گا تو فرمائے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تو اس دن ان پر خبریں اندھی
ہو جائیں گی تو وہ کچھ پوچھ گچھ نہ کریں گے تو وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لاتا اور اچھا کام کیا قریب ہے کہ وہ راہ یاب ہو اور
تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہے ان کا کچھ اختیار نہیں پاکی اور برتری ہے اللہ کو ان کے شرک سے
اور تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چھپا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں اور وہی ہے اللہ کہ کوئی خدا
نہیں اس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف
پھر جاؤ گے تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ ہمیشہ تم پر قیامت تک رات رکھے تو اللہ کے سوا کون خدا
ہے جو تمہیں روشنی لاوے تو کیا تم سنتے نہیں تم فرماؤ بھلا دیکھو تو اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ دن رکھے
تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تمہیں رات لاوے جس میں آرام کرو تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں اور اس نے

اپنی مہر سے تمہارے لئے رات اور دن بنلئے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو
اور اس لئے کہ تم حق مانو اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے وہ شرک جو تم بکتے تھے
اور ہر گروہ میں سے ہم ایک گواہ نکال کر فرمائیں گے اپنی دلیل لاؤ تو جان لیں گے کہ حق اللہ کا ہے
اور ان سے کھوئی جائیں گی جو بناوٹیں کرتے تھے۔

افَمَنْ۔ من موصولہ مبتدا ہے **وعدناہ**۔ تو کیا جسے ہم نے ایمان و طاعت پر وعدہ دیا۔ اچھا وعدہ اس سے بہشت اور اس کا ثواب مراد ہے اس لیے کہ وعدہ حسن موعود کے حسن کی وجہ سے ہوتا ہے۔
کاشفی نے لکھا ہے ہم نے آخرت میں بہشت کا اور دنیا میں فتح و نصرت کا وعدہ دیا۔ **فھو** پس وہ موعود لہ۔ **لاقیہ** اسے وہ وعدۂ حسن ضرور حاصل ہوگا اس لیے کہ وعدہ الٰہی کا خلاف محال ہے۔ **کمن** یہ مَنْ موصولہ اور پہلے من کی خبر ہے۔
اس کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے فائدہ دیا۔ **متاع الحیوٰۃ الدنیا**۔ دنیوی زندگی کے ساز و سامان کا کہ جس کی محنت سراپا محنت اور اس کی دولت بے شمار تکالیف کا موجب اور ان کا مال ٹلنے والا ہے اور جس کا جاہ و جلال دوسروں کی طرف منتقل ہونے والا ہے اور جس کی شیرینی میں زہر قاتل۔ **ثم ھو یوم القیمۃ من المحضرین** پھر وہ قیامت میں حساب یا جہنم یا عذاب کے لیے حاضر کیے ہوئے لوگوں سے ہوگا۔ لفظ ثُمَّ تراخی فی الزمان کے لیے ہے یعنی پہلے وہ دنیا کے ساز و سامان کا زمانہ تھا پھر دوسرے دور میں حال احضار میں ہوگا یا یہ متراخی رتبہ کے لیے ہے اور فاء افمن الخ کی فا اس ترتیب کے لیے ہے اس میں اہل دنیا و اہل آخرت کے تشابہ کا انکار کیا گیا ہے کہ کہاں دنیا کا مال و متاع اور کہاں آخرت میں اللہ تعالیٰ کا انعام و اکرام اس میں بہت بڑا فرق ہے اس لیے جسے اپنا آقا بہترین انعامات سے نوازے گا اس کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اور وہ مومن ہے اور جسے وعیدیں سنا کر ذلیل کیا گیا اور پھر آخرت میں جہنم رسید کیا جائے گا اس سے ذلیل تر اور کون ہوگا اور یہ کافر ہے اور یہ ذلت و خواری اسی ایک ساعت کے عیش اڑانے سے نصیب ہوئی۔ اس نے دنیا میں چند روزہ زندگی بسر کی۔

بھِڑ اور چیونٹی کا قصہ: ایک دفعہ بھڑ نے چیونٹی کو دیکھا کہ بہر حال ایک دن ایک دانہ اٹھا کر اپنی بل میں جا رہی تھی اور صرف ایک دانہ اٹھانے سے جو اس نے مشقت اٹھائی اس

کی تفصیل سب کو معلوم ہوگئی۔ پھر طنے دیکھ کر کہا کہ چیونٹی بیماری تو کیوں اتنا دکھ درد اُٹھا رہی ہے اور خواہ مخواہ ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔ میرے ہاں چل کر دیکھ کر میرے ہاں خورد و نوش کا کتنا بڑا انتظام ہے۔ ہمارے ہاں پُر لطف اور لذیذ کھانے ایسے ہیں جو بادشاہ ہوں کو بھی نصیب نہ ہوں ہم جہاں چاہتے ہیں بیٹھ جاتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں۔ ہمیں کسی قسم کی روک ٹوک نہیں۔ یہ کہہ کر چیونٹی کو اپنی بڑائی دکھانے کے لیے قصاب کی دکان پر چلا گیا۔ اس کے گوشت کو مزے لے کر کھانے لگا۔ قصاب نے چھری سے بھڑ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ گندی نالی میں پھینک دی۔ چیونٹی اُس کے غرور کو خاک میں ملا ہوا دیکھا اور در چل کر اس کی ایک ٹانگ توڑ کر چلتی بنی اور کہا۔

ایک منٹ کی شہرت زمانی ہزاروں غم و حزن اور طویل دکھ درد کا نشانہ بناتی ہے۔

حدیث شریف: جس کی خواہشات دنیا کے متعلق ہوں تو فقر و فاقہ اُس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا جاتا ہے حالانکہ دنیا میں اسے وہی نصیب ہوگا جو اس کا مقدر ہے اور جس کی خواہش آخرت کے متعلق ہو تو استغنا اس پر رکھ دیا جاتا ہے اور دنیا بے شمار ہر طرف سے سمٹ کر بلا تکلف شمار سے باہر اس کے ہاں جمع ہو جاتی ہے۔

حکایت: ایک بزرگ حج پر جا رہے تھے تو اس کے ہاں کھانا بلا تکلف پہنچ جایا کرتا تھا۔ پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا مجھے ایک بڑھیا دے جاتی ہے۔ بڑھیا سے مراد دنیا ہے۔

فائدہ: جسے دین کا غم ہو لیکن دنیوی اُمور میں کمزور ہو تو اس دنیادار مالدار سے بہتر ہے کہ جو کافر ہو۔

حدیث شریف نمبر (۱)

دنیادار مالدار جہنمی کو جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو اُس سے پوچھا جائے گا کہ تجھے دنیا کی کوئی عیش یاد آتی ہے تو جواب دے گا کہ دنیا میں میں نے ذرہ برابر بھی عیش نہیں پایا یعنی اسے عذاب کی شدت دنیا کی عیش و عشرت بھلا دے گی ایسے ہی دنیا میں دکھ درد کے ستائے ہوئے کو بہشت میں لایا جائے گا تو پھر اس سے سوال ہوگا کہ دنیا کی تکالیف سے یاد آتا ہے تو وہ کہے گا کہ مجھے تو کوئی دکھ درد ہوا ہی نہیں۔

حدیث شریف نمبر (۲)

جسے دولتِ اسلام اور رزق بقدرِ ضرورت نصیب ہو وہ کامیاب ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ کفاف واقع ہوا ہے یعنی وہ روزی جو انسانی ضروریات کی کفایت کرے۔ بعض نے لکھا ہے کہ جو صبح و شام پیٹ بھر کر کھانے کو کفاف کہا جاتا ہے اور اس پر قناعت کرے۔ جو اسے موصوف ہو وہ دنیا اور آخرت

میں کامیاب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: عام مومنین کو بہشت کا اور خواص کو روایت سے اخص الخواص کو وصال و وجدان کا وعدہ دیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ فی الحدیث القدسی۔ الامن طلبی وجدنی۔ جو مجھے تلاش کرتا ہے اسے میرا وصال ضرور نصیب ہوگا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام پر وحی بھیج کر فرمایا کہ بھوکے رہو اور تنہائی اختیار کرو۔ میرا وصال پاؤ گے۔

جوع تنویر خانۂ دل تست
اکل تعمیر خانۂ گل تست

ترجمہ: بھوک سے دل کا گھر آباد ہوتا کھانے سے جسم موٹا ہوتا ہے۔

غوث جیلانی کی بھوک سہانی

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے حجرہ سے آواز سنائی دیتی تھی۔ الجوع الجوع۔ اس کے صوفیہ کرام نے کئی مفہوم بتائے ہیں۔

(۱) الزوار الجوع: یعنی بھوک پر التزام کرو اس لیے کہ بھوک سے خدا ملتا ہے۔

(۲) اور بعض نے یہ بتایا ہے کہ آپ قدس سرہٗ کے نفس زکیہ کے شان کے خلاف ہے فلھذا یہ دوسرا مفہوم بیان کرنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے ادبی و گستاخی کے مترادف ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے وصول نعمت اور شرف بالرویہ کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: (و یوم ینادیھم) یوم اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور ضمیر ہم کا وجود کفار ہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کی اس گھڑی کو یاد کیجیے جبکہ تیرا پروردگار قیامت میں کافروں کو غضبناک عذاب دے کر رہے گا۔ فیقول۔ یہ ندا کی تفسیر ہے فرمائے گا۔ این شرکائی الذین کنتم تزعمون۔ کہاں ہے وہ میرے شرکا جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے یہ میرے شریک ہیں اور تم انہیں برابر شریک مان کر ان کی اس طرح پرستش کرتے تھے جیسے تم میری عبادت کرتے ہو۔

فائدہ: دلالت کلام کی وجہ سے دونوں مفعولوں کو حذف کیا گیا ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ قیامت کے دن سوال بھی اللہ کے عذابوں میں سے ایک عذاب ہے کیونکہ ان کے ہاں اس کا کوئی جواب نہ ہوگا اور کسی سوال کا جواب نہ ہوسکنا بھی ہزاروں رسوائیوں پر مشتمل ہے اور اپنی جہالت کا اعتراف انسان کے

لیے بہت بڑا عذاب ہے ۔ قال یہ جملہ متانفہ ہے مبنی برحکایت سوال ہے گویا کسی سائل نے سوال کیا کہ اس وقت کافر کیا جواب دیں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْہِمُ الْقَوْلُ (وہ لوگ جن پر ازل سے ہی لکھا جا چکا ہے اُنہوں نے جہنم میں داخل ہونا ہے) چنانچہ اس کی تائید وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کل نفس ھداھا ولکن حق القول منّی (اگر ہم چاہتے تو ہم سب کو ہدایت دیتے) سے بھی ہوتی ہے (التاویلات النجمیہ)

بعض اہل تفاسیر نے فرمایا کہ حق علیہم القول کا معنٰی یہ ہے کہ ان پر وہی ثابت ہوا جو حق کا تقاضا اور اصل مدعا تھا اور وہ مدعا اس بیان میں بیان کیا گیا ہے لَاَمْلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ والنَّاسِ اجمعین۔ اس آیت کے علاوہ اور دیگر آیات جو وعیدات پر مشتمل ہیں۔

فائدہ : ان کے شرکاء سے شیاطین یا اُن کے وہ لیڈر مراد ہیں جنہیں کافروں نے اللہ کے سوا اپنا ماویٰ و ملجا بنا رکھا تھا اور جس کام کے لیے وہ کہتے سر تسلیم خم کرتے اور جس سے وہ روکتے فوراً رُک جاتے ۔

فائدہ : لیڈروں کی تخصیص صرف اس لیے کی گئی کہ کفر کے ارتکاب کے یہی اصل ہیں اور دوسرے عوام ان کی اتباع میں کفر و شرک کرتے اور عذاب جہنم میں لیڈر اور ان کے اتباع برابر کے شریک ہوں گے اور سوال کے جواب کی طرف یہی عجلت کریں گے ۔ اگرچہ سوال میں ہر دونوں برابر ہوں گے اور سوال کے جواب کی طرف سے سمجھیں گے کہ یہ سوال گویا صرف انہی سے ہو رہا ہے اور صرف وہی ایسے سوالات کے مستحق ہیں اور پھر عوام کو ہم نے گمراہ کیا تھا فلھذا ایسی زجر و توبیخ صرف ہمیں ہوسکتی ہے نیز انہیں یقین ہوگا کہ ان کے اتباع بھی یہی جواب دیں گے کہ انہیں ان لیڈروں نے گمراہ کیا تھا ۔

رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار **ھٰٓؤُلَاءِ** اگر شرکاء سے شیاطین مراد ہیں تو معنٰی یہ ہوا کہ شیاطین کہیں گے یا رب یہی آدم علیہ السلام کے کافر بیٹے ہیں۔ اگر شرکاء سے کافروں کے لیڈر مراد ہیں تو معنٰی یہ ہوا کہ کافروں کے لیڈر عرض کریں گے اے پروردگار یہ عوام ہیں۔ **اَلَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا** یہاں موصول کی ضمیر راجع محذوف ہے یعنی یہ وہی ہیں جنھیں ہم نے گمراہ کیا اور **ھٰٓؤُلَاءِ** اشارہ سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ جو چاہتے انھیں منوا لیتے اور ان کے سامنے جیسی سکیمیں بناتے وہ سر تسلیم خم کرکے خاموش رہتے بلکہ انھیں ان کی سرمو کبھی گنجائش نہیں تھی ۔ **اَغْوَیْنٰھُمْ کَمَا غَوَیْنَا** انھیں ہم نے بہکایا جیسے ہم بہکے ۔

دراصل کفار کا جواب یہی ہے ۔ اور پہلا مضمون مبنی بر تمہید تھا یعنی ہم انھیں گمراہ کرنے پر مجبور نہ تھے اس لیے کہ جیسے تیری تقدیر نے ہمارے نام لکھ رکھا تھا ہم نے وہی کیا اور اُنھوں نے گمراہ ہونا تھا اس لیے کہ ان کے لیے گمراہی تقدیر میں لکھی جا چکی تھی ۔

ادب کی نشانی : بنی آدم کی مسکینی قابل غور ہے کہ اُنھوں نے اپنے دادا کے جواب کے مطابق جواب دیا یعنی غلطی کا اعتراف کر لیا ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وہ صرف

اس لیے بنو آدم اَدب کا دامن نہیں چھوڑتے اور بالخصوص اپنے آقا کے سامنے انتہائی اَدب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسی اَدب کی بدولت اولیاء کرام بہت بڑے اُونچے مراتب کو پہنچتے اور قُربِ الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں

بے اَدب کون: اس کے برعکس ابلیس نے (اَدب کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے) کہہ دیا قال ربّ بما اغویتنی لاقعدن لھم (اے اللہ جن کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا میں ان کے لیے بیٹھوں گا۔) اس سے معلوم ہوا کہ اہم اہلسنت خوش بخت ہیں کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا اَدب کرتے ہیں بلکہ اس کے جملہ مظاہر (انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام واہل بیت عظام اور اولیاء کرام وعلماء کرام وغیرہم) کا اَدب ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں تک کہ ہمارے مخالفین کو بھی اعتراف ہے بلکہ وہ خود اپنی بے ادبی وگستاخی کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ (اضافہ فقیر اویسی غفرلہٗ)

تَبَرَّأْنَا اِلَیْكَ۔ ہم ان سے تیرے ہاں بیزاری کا اظہار کرتے ہیں کہ اُنھوں نے از خود نفسانی خواہشات پر کفر ومعاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ ماقبل کی تقریر وتاکید ہے اس لیے ان کے درمیان میں وہ حرف عطف نہیں لایا گیا مَا كَانُوْٓا اِیَّانَا میں لفظ مَا یَعْبُدُوْنَ کا مفعول ہے یعنی وہ ہماری پرستش نہیں بلکہ اپنی خواہشات نفسانی کی عبادت کرتے ہیں۔

وَقِیْلَ۔ غیراللہ کی پرستش کرنے والے کو کہا جائے گا اور کہنے والے دوزخ کے خازن کے فرشتے ہوں گے ادعوا شرکا ئکم اپنے بتوں وغیرہم کو بلاؤ تاکہ وہ تمھیں عذاب سے چھڑالیں۔ شرکاء کی کی طرف اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ وہ ان کے لیے شرکاء ہونے کے مدّعی تھے۔ فَدَعَوْھُمْ۔ شدید حیرت سے ان کو وہ پکاریں گے۔ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَھُمْ تو وہ اُن کو جواب نہیں دیں گے کیونکہ انھیں جواب دینے کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ ہی وہ ان کی مدد کرسکیں گے۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ اور وہ موعودہ عذاب دیکھ کر کہیں گے لو انھم کانوا یھتدون کسی سبب سے دنیا میں وہ ہدایت پالیتے ہیں جس سے اَب وہ اس عذاب کو رفع کرسکتے یا دنیا میں حق کو پالیتے تو آج یہ دن دیکھنے نہ ہوتے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لَو تمنائیہ ہے یعنی کافر آخرت میں آواز کریں گے کہ کاش انھیں ہدایت نصیب ہوتی تو آج وہ گمراہوں کے ساتھ جہنم میں نہ ہوتے۔

ویوم ینادیھم اور یاد کرو اُس دن کو جب اللہ تعالیٰ کافروں کو زجر وتوبیخ فرمائے گا۔ **فیقول ماذا اجبتم المُرسَلِین**۔ تو اللہ تعالیٰ انھیں فرمائے گا کہ تم نے ان رسل کرام علیہم السلام کو کیا جواب دیا جو تمہارے ہاں تشریف لائے اور تمھیں میری توحید وعبادت کی دعوت دی اور تمھیں شرک سے روکا۔ انباء یومئذٍ تو اس دن ان پر یہ خبریں پوشیدہ ہوجائیں گی یعنی قیامت میں پیغمبران عظام علیہم السلام کو اپنے دیئے ہوئے جوابات یاد نہیں رہیں گے۔

فائدہ: اہل تفاسیر فرماتے ہیں کہ قیامت میں ان پر اندھا پن چھائے گا اسی لیے وہ ان کی خبریں بتانے سے عاجز ہو جائیں گے

یہ عبارت دراصل فعموا عن الانباء بمعنی الاخبار ہے یعنی خبر دینے سے اندھے ہو جائیں گے۔ یہاں پر عمی کو اخبار کی طرف اسناد میں مبالغہ مطلوب ہے اور اسے علیٰ سے متعدی کرنا خفا و اشتباہ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

فائدہ: جب اسی جانکاہ وقت میں حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے علوم اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض فرمائیں گے حالانکہ وہ غلط بیانی سے منزہ و مقدس ہیں۔ اگر گمراہ لوگ اس وقت حیرت و دہشت میں ہوں تو کیا حرج ہے۔

بجائیکہ دہشت برد انبیاء ؎
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: جہاں انبیاء علیہم السلام پر دہشت طاری ہوگی فلہذا تم پر لازم ہے کہ تم اپنے مالک کے حضور تائب ہو کر حاضری دو۔

فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُوْنَ. بہت زیادہ دہشت اور حیرت کے غلبہ سے ایک دوسرے سے پوچھ گچھ نہ کر سکیں گے یا ان کا ایک دوسرے سے سوال نہ کرنا اس لیے ہوگا کہ انھیں یقین تھا کہ وہ سب جہالت کا شکار ہیں یعنی وہ سمجھیں گے کہ جب ہم سب جاہل ہیں تو پھر پوچھیں کس سے۔ فَاَمَّا مَنْ تَابَ تو وہ شخص کہ جس نے شرک سے توبہ کی تو وہ امن و عمل صالحاً۔ اور ایمان لایا اور اچھے عمل کیے۔ فعسٰی ان یکون من المفلحین یعنی ایمان و عمل صالح کا جامع عنقریب اللہ تعالیٰ کے ہاں مطلوب کو پانے والوں اور عذاب سے نجات حاصل کرنے والوں سے ہوگا۔

نبی علیہ السلام کی توجہ کریمانہ کے بغیر نجات ناممکن ہے

ایمان و اعمال صالحہ کا جامع تب کامیاب ہوگا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس کا ایمان و عمل قبول ہو۔ ؎

مزن بے رضا محمد نفس
رہ رستگاری ہمیں ست و بس

خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید
ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے بغیر دم نہ مار۔ نجات کی صرف یہی صورت ہے اور بس۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر جس نے کوئی راہ لی تو وہ منزل مقصود تک ہرگز نہ پہنچے گا۔

قاعدہ عسیٰ اس کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یا بزرگانِ اسلام کی طرف ہو تو اس میں تحقیق کا معنیٰ ہے۔ اگر اس کی نسبت تائب کی طرف ہو تو ترجی کا معنی دیتا ہے۔ اس دوسرے معنیٰ پر مطلب یہ ہوگا کہ تائب کو فلاح کی اُمّید رکھنی چاہیئے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ آیت ہذا میں لفظ عَسیٰ میں اشارہ ہے کہ تائب کو ایمان و عمل صالح پر مداومت ضروری ہے۔ اگر درمیان میں سلسلہ منقطع ہو گیا تو پھر فلاح و فوز نصیب نہ ہوگی (ہم اللہ تعالیٰ سے ترقی کے بعد تنزل سے پناہ مانگتے ہیں۔

سبق: آخرت کے طالب پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ اور اوراد و ظائف پر مداومت کرے اس لیے کہ اعمال صالحہ اوراد و ظائف کو تحصیل درجات و جلب منافع و برکات میں بڑا دخل ہے بلکہ بہت بڑی تاثیر ہے۔ اہل سعادت دارین میں نفع پاتے ہیں اور اہل شقاوت کو دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اہلِ شقاوت دنیا میں صرف مراتب و مناصب اور احوال و اسباب سے نوازے جائیں گے۔ ابلیس کو دیکھئے کہ اس نے بہت بڑی عبادت کی لیکن اسے دنیا میں ہی مراتب و کمالات سے نوازا گیا کہ اسے عمر طویل عطا ہوئی اور بھی جو اس نے چاہا اسے نصیب ہوا۔ اس لیے عاقل پر لازم ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کے لئے بھرپور جد و جہد کرے۔

حکایت: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حمام سے روکا گیا تو رو پڑے اور فرمایا کہ شیطان کے گھر میں بغیر اُجرت کے کوئی نہیں جا سکتا تو رحمٰن کے گھر میں ایمان اور عمل صالح کے بغیر کوئی نہیں جائے گا۔

مسئلہ: افضل الاعمال توحید اور ذکر الٰہی ہے اس لیے کہ اگر کوئی مشرق سے مغرب تک پہنچنے تک راہِ حق میں مال لٹاتا جائے اور دوسرا مغرب سے مشرق تک کفار پر تلوار چلاتا جائے تو بھی ذکر الٰہی کے عامل کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکیں گے۔

حدیث شریف: ذکر الٰہی ایمان کی علامت ہے۔

شرح: اس لیے کہ جب کوئی بھی لا الٰہ الا اللہ کہے گا تو ہم اس کے اسلام کی گواہی دیں گے۔ دکیونکہ یہ کلمہ منافقت سے برأت اور اسلام کو مضبوط کرتا ہے (فرمایا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اور کلمہ شیطان سے محفوظ رکھتا اور نارِ جہنم سے بچاتا ہے (جیسے) حدیث قدسی میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ عذاب سے محفوظ و مامون رہا۔

تفسیر صوفیانہ: فاما من تاب۔ وہ جو محبت کے قدموں اور سچی طلب سے اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع کرتا ہے۔ و امن اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام لائی ہوئی دعوت

ایمان لاتا ہے۔ و عمل صالحاً اور رہبر کامل اور واصل باللہ اور صاحب قدرت کی متابعت و رہبری میں جو بھی نیک عمل کرے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچائیں گے۔ فعسیٰ ان یکون من المفلحین ("تاویلات نجمیہ) میں ہے:

تفسیر عالمانہ: کہ ایسے لوگ نفس کی قید سے کامیاب اور انانیت کی خرابی سے بچ کر قضاء قدر لکھو بیت کے وسیع میدان میں پہنچ جائیں گے۔

و ربك یخلق ما یشاء و یختار۔ اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور برگزیدہ بناتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے لیے کیوں منتخب کیا۔ یہ قرآن مکہ وطائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ اتارا گیا اس کلام کا قائل ولید بن مغیرہ تھا اور بڑے آدمی سے وہ خود کو اور عروہ بن مسعود ثقفی کو مراد لیتا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ چنانچہ اس نے کہا لولا انزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم ان کے رد میں فرمایا۔ و ربك یخلق ما یشاء۔ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میرا پروردگار جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے وَ یَخْتَارُ اپنی مخلوق میں مختار و برگزیدہ بنانا چاہتا ہے منتخب کرتا ہے جیسے جملہ اشیاء کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ایسے ہی اس کے اختیار میں بھی مانع نہیں ہے۔ کان لھم الخِیَرَۃ؟ مشرکین کو کوئی اختیار نہیں جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اس کے اختیار پر کفار اپنے اختیار کو غالب نہیں کر سکتے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے لیے پسند فرمایا تو کافروں نے ولید بن مغیرہ اور عروہ کو نبوت کے لیے چنا اور ان کا چناؤ کسی کام نہ آیا۔

العبد ذو ضجر و الرب ذو قدر
والدھر ذو دول والرزق مقسوم
والخیر اجمع فیما اختیار خالقنا
و اختیار سواہ اللوم والشوم!!

ترجمہ: "بندہ ضعیف اور رب بڑی طاقت والا ہے۔ زمانہ صاحب دولت ہے لیکن رزق ازل سے تقسیم شدہ ہے جملہ خیر و بھلائی ہمارے خالق و مالک کے اختیار میں ہے۔ اس کے ماسوا کا اختیار ملامت و نحوست کے سوا کچھ نہیں۔"

تفسیر صوفیانہ: حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا بندے کو اختیار کیسا جب جملہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

بعض عرفاء نے فرمایا کہ جب اہل معرفت احکام الٰہیہ کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بہتر نگاہ

سے نوازتا ہے۔ کہ ان میں رضا و تسلیم کا مادہ پیدا فرما دیتا ہے ؂

در دائرہ قسمت ما نقطۂ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنکہ تو فرمائی

ترجمہ: "ہمارے لیے ضروری ہے کہ تیرے سامنے سر تسلیم خم کریں اس لیے کہ جو کچھ تو نے ہمارے لیے ارادہ فرمایا ہے وہ ہمارے لیے بہتر ہے اور تیرا ہر حکم ہمارے لیے ہزاروں فوائد پر مشتمل ہے۔"

حل لغات: الخیرۃ بمعنی تخیّر یعنی برگزیدہ کرنا۔ جیسے طیرہ۔ یعنی وہ حالت جو متخیر کو عارض ہوتی ہے اور الوسیط میں ہے کہ الخیرۃ الاختیار کا اسم ہے جو مصدر کے قائم مقام ہوتا ہے اور المختار کا اسم ہو کر بھی مستعمل ہوتا جیسے کہا جاتا ہے محمد خیرۃ اللہ من خلقہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جملہ مخلوق سے برگزیدہ ہیں)

تفسیر عالمانہ: سبحان اللہ پاکی صرف اللہ کا خاصہ ہے۔ اس سے نہ کوئی چھین سکتا ہے اور نہ اُسکے اختیار کے ساتھ کسی کا اختیار مزاحمت کر سکتا ہے۔ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ اور وہ ان کے شرک کرنے سے بلند و بالا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے اس میں تخلیق و اختیار ازلی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فاعل و مختار ہے جسے جیسے جس سے اور جس کے لیے جب چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اسے خلق اشیاء میں ہر طرح کا اختیار ہے۔ وہ بعض اشیاء کو عدم میں اختیار کرتا ہے تو اس کو عدم میں رکھتا ہے۔ اسے عالم وجود میں نہیں لاتا اس کا اختیار ہے کہ بعض اشیاء کو جماد بعض کو نبات اور بعض کو حیوان اور بعض کو انسان۔ ان میں بعض کو کافر اور بعض کو مومن اور ان میں بعض کو ولی اور بعض کو نبی اور بعض کو رسول بناتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ بعض کو کو کر ولی اور بعض کو روحانی پیدا کرتا ہے اور چاہتا ہے تو بعض کو مقبول اور بعض کو مردود بناتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور انھیں بلند کر کے ساکن کیا اور تمام آسمانوں پر اپنی مخلوق میں جنھیں چاہا ان میں ٹھہرایا اس کے بعد اور مخلوق پیدا فرمائی۔ ان میں بنی آدم کو برگزیدہ بنایا اور بنی آدم میں عرب کو۔ اور عرب سے قبیلہ مضر کو اور قبیلہ مضر سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو، بنو ہاشم سے مجھے برگزیدہ بنایا۔ یاد رکھو میں تمام برگزیدوں سے برگزیدہ ہوں۔ تم میں جو عرب سے محبت کرتا ہے تو گویا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کرام کو سوائے

انبیاء و مُرسلین کے تمام مخلوق پر برگزیدہ بنایا۔ پھر میرے صحابہ میں سے میرے لیے چار یاروں (ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم) کو پسند فرمایا میرے صحابہ کو تمام انسانوں سے (سوائے انبیاء و مرسلین) برگزیدہ فرمایا ان میں تین قرون مسلسل ہیں اور ایک تنہا یعنی صدیوں میں ایک صدی (غالبًا اس سے وہی صدی مراد ہوگی جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور امام مہدی رضی اللہ عنہ تشریف لائیں گے)

فائدہ: انسان کو ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں اس لیے کہ اختیار اس کو ہوتا ہے جو صاحب ملک ہو اور انسان عبد ہے اور عبد کی کوئی شے ملک نہیں ہوتی جو املاک شرع پاک نے انسان کے لیے ثابت فرمائی ہیں وہ اس کے لیے مجازی اور عارضی ہیں جو عنقریب اس سے چھین لے جائیں گی اور حقیقی ملک کو زوال نہیں ہوتا اور ایسا مالک اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی ہر شے کا کامل و مکمل مالک ہے نہ اس کے ملک کو زوال ہے نہ اس کی نعمت کو انقطاع ؎

ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال
بجز ملک فرمانده لا یزال

ترجمہ: تمام تخت شاہی اور ملک املاک کو زوال ہے سوائے مالک حقیقی لم یزل کے۔

افضل ترین مخلوق کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کو پیدا فرماکر ہر جنس سے افضل ترین مخلوق کو برگزیدہ بنادیا مثلاً جبریل، میکائیل، اسرافیل و عزرائیل علیہ السلام کو فرشتوں سے اور آدمیوں سے پیغمبروں کو پیغمبروں سے خلیل و کلیم اور عیسٰی و حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام سے ابوبکر تیمی و عمر عدوی و عثمان اُموی علی ہاشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور زمین میں مکہ معظمہ کو جو ولادت گاہِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مدینہ طیبہ کو جو ہجرت گاہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بیت المقدس کو جو مصطفٰی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرگاہ ہے اور ایام میں سے یوم جمعہ کو جو اجابۃ الدعوۃ کا دن ہے۔ یوم عرفہ کو کہ وہ یوم المباہات ہے اور یوم عید کو کہ وہ انعامات کا دن ہے اور یوم عاشورہ کو کہ وہ یوم الخلقۃ ہے اور راتوں میں شب برات کو اسی رات اللہ تعالیٰ بذاتِ خود نزول فرما کر تمام رات اپنے بندوں کو لطف و کرم کی ندا سے نوازتا ہے اور شب قدر کو کہ اسی رات میں زمین کے سنگریزوں کے برابر آسمان سے ملائکہ کرام آسمان سے زمین پر اُترتے ہیں اور بیدار لوگوں پر رحمت کے پھول برساتے ہیں اور شب عید کو کہ اس رات میں رحمت و مغفرت کے دروازے کھول دیتا ہے اور بے شمار گنہ گاروں کے گناہ بخشتا ہے۔ پہاڑوں سے کوہِ طور کو وہاں موسٰی علیہ السلام کو مناجات کا موقعہ نصیب ہوا اور جودی پہاڑ کو کہ وہاں نوح علیہ السلام کو نجات ملی اور کوہِ حرا کو کہ وہاں سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور انسان کے جسم میں دل اور زبان کو اس لیے کہ دل نورِ معرفت کا اور زبان کلمہ شہادت کا مرکز ہے اور آسمانی کتابوں میں سے چار کتابوں (تورات، انجیل، زبور، قرآن پاک) کو کلمات میں سے سُبْحَانَ

اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو برگزیدہ بنایا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین کلام سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ہے یہ تمھاری مرضی پر ہے کہ ان میں سے جسے چاہو پہلے پڑھو۔ (کشف الاسرار)

فائدہ: زہرۃ الریاض میں ہے مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃ یعنی کفار کو کسی قسم کا اختیار نہیں جملہ کیونکہ اختیارات اللہ تعالیٰ واحد قہار کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اختیار صرف اسے ہے نہ جبرائیل میکائیل عزرائیل اسرافیل کو نہ آدم و نوح نہ ابراہیم، یعقوب، موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لیے کہ اگر جبرائیل و میکائیل کو اختیار ہوتا تو وہ ہاروت و ماروت کو دوسرے فرشتوں میں شامل کر لیتے اگر اسرافیل کو اختیار ہوتا وہ ابلیس کو لعنت سے بچا لیتا اگر عزرائیل کو اختیار ہوتا تو وہ شداد کو عذاب سے نجات دلاتا۔ اگر آدم کو اختیار ہوتا تو قابیل کو نیک بنا لیتا اگر نوح کو اختیار ہوتا تو کنعان کو غرقِ طوفان سے بچا لیتا۔ اگر ابراہیم کو اختیار ہوتا تو آذر کو ایمان کی دولت سے نواز لیتا اگر یعقوب کو اختیار ہوتا تو عمالیق کو اپنی دعوت منوا لیتا اگر موسیٰ کو اختیار ہوتا تو فرعون کو اپنے دین میں شامل فرما لیتا اگر عیسیٰ علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو اپنے حواریوں کو اپنے موافق بنا لیتا۔ اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہوتا تو ابوجہل کو دولتِ ایمان سے نوازتے لیکن جملہ اختیارات میرے ہاتھ میں ہیں البتہ میں نے آپ کو برگزیدہ بنایا تاکہ تم میرا شکر ادا کرو۔ کیونکہ اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے رسالت و ولایت سے نوازتا ہے۔

فائدہ: حضرت یحییٰ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الٰہی تو میرے عیوب کو خوب جانتا ہے جب تیرا اختیار واسع ہے تو اگر تو میری مغفرت فرما دے تو اس میں کون سی کمی آئے گی۔

فائدہ: حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ مانگا تو انھیں عرصہ تک دکھ درد کا نشانہ بنایا اور حضرت اصحاب کہف نے غار کو پسند فرمایا تو انھیں حسن و جمال سے نوازا۔ انسان جس عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کی عیب پوشی کرتا ہے تاکہ کوئی اعتراض نہ کرے کہ تو نے خود اسے پسند فرمایا تو اب اعتراض کیوں بلاتمثیل اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ازل سے بے اختیار پیدا فرمایا تو اس کی عیب پوشی کیوں نہ فرمائے گا بلکہ بندے کو اس کی ستارالعیوبی پر بہت زیادہ بھروسہ ہونا چاہیے۔

اٹھارہ ہزار عالم انسان کے خُدّام ہیں

اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں اربعہ عناصر۔ آب۔ آگ۔ مٹی۔ ہوا کو برگزیدہ بنایا اور انھیں انسان کی خدمات پر مامور فرمایا۔ مثلاً پانی کو طہارت کے لیے۔ مٹی کو سجدہ ریزی کے لیے اور آگ کو کھانا پکانے کے لیے اور ہوا کو پنکھا ہلانے

کے لیے اور چار فرشتوں کو انسانی خصوصی خدمات پر مامور فرمایا مثلاً جبریل علیہ السلام کو وحی لانے والے اور میکائیل علیہ السلام نعمت کے خازن اور اسرافیل علیہ السلام اور عزرائیل کو قابض اَرواح اور شرائع میں سے بھی چار اُمور معین فرمائے

۱۔ نماز عمل صالح

۲۔ وضوء امانت

۳۔ روزہ ڈھال

۴۔ زکوٰۃ طہارت

اور قبلے چار ہیں؛

۱۔ عرش انسان کی دُعا کا

۲۔ کرسی رحمت الٰہی کا مرکز

۳۔ بیت المعمور عمل صالح کا مرکز

۴۔ قبلہ و کعبہ (مطلق)

اور اوقات بھی چار مقرر فرمائے:

۱۔ مغرب کھانے کے لیے

۲۔ عشاء نیند کے لیے

۳۔ سحر مناجات کے لیے

۴۔ صبح تلاوتِ قرآن کے لیے

فائدہ: وہ پانی کا چشمہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُنگلیوں سے جاری ہوا۔ وہ آبِ زمزم کوثر بلکہ زمین و آسمان کے تمام پانیوں سے افضل و برتر ہے۔ زمین پر سب سے افضل وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر آرام فرما ہے۔ یہاں تک کہ زمین میں کعبہ و بیت المقدس سے اور آسمان پر عرش معلیٰ اور لوح و قلم سے اور آخرت میں جنت الفردوس وغیرہ سے افضل ہے اور وہ گھڑی افضل ہے جس گھڑی دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور پذیر ہوئے۔ اسی لیے محدثین نے فرمایا کہ ربیع الاوّل شعبان کے مہینے کی طرح تمام مہینوں سے افضل ہے۔ کیونکہ ربیع الاوّل و شعبان ہر دو مہینے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔ عالم دنیا کے بادشاہوں سے دولت عثمانیہ کے بادشاہ افضل ہیں۔

صاحب روح البیان نے عثمانیہ خاندان کی علمی خدمات کے پیشِ نظر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کی دولت کا اتصال حضرت امام مہدی کی دولت سے ہوگا۔

اور اس اُمت میں ان اکابر علماء و مشائخ شریعت و طریقت کو برگزیدہ بنایا جو دونوں علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے طریقِ تحقیق کا سوال کرتے ہیں اور وہی توفیق کا مالک ہے۔

تفسیر عالمانہ: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ۔ اور تمہارا رب جانتا ہے ان کے دلوں کی چھپی ہوئی بات اور ان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت، اور اہلِ ایمان کے ساتھ بغض و حسد سے ان کے دل بھرپور ہیں۔ اُن کا یہ معاملہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

حل لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں اکننت الشئ بمعنی اخفیتہ فی نفسك یعنی تم نے فلاں بات دل میں چھپائی اور کہا جاتا ہے وَکننتہ بمعنی سترتہ فی بیت او ثوب او غیر ذالك من الاجسام یعنی میں نے اُسے گھر یا کپڑے یا جسم میں چھپایا۔ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۔ اور جو اپنی زبان یا اعضاء سے ظاہر کرتے ہیں مثلاً گالی دینا، طعن و تشنیع کرنا مار پٹائی وغیرہ یعنی نبوت پر اعتراض کرنا اور قرآن مجید کی تکذیب اِعْلَانٌ بمعنی آشکارا کرنا وھو اللہ اور اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

لا الٰہ الا اللہ اس کے سوا پرستش کا کوئی حق دار نہیں ہے۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے ھو اللہ لا الٰہ الا ھو۔ کوئی بھی الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ الا ھو۔ سوائے اس کے کہ وہی عزت و عظمت کے لحاظ سے متوحد ہے اور جلالِ ربوبیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کے برابر کا کوئی نہیں اس کی کوئی نظیر نہیں اور نعمتوں کا مستوجب وہی ہے فلہذا صرف اُسی کا شکر ہے۔ فی الاولیٰ دنیا میں والاخرۃ اور آخرت میں اس لیے کہ وہی جملہ نعمتوں کا مالک ہے وہ نعمتیں عاجلہ ہوں یا آجلہ۔ جملہ مخلوق اس کی نعمتوں کی ممنون ہے۔ اہلِ ایمان آخرت میں اس کی اسی طرح حمد کریں گے جیسے دنیا میں اس کی حمد کیا کرتے ہیں۔ آخرت میں اہلِ حمد کی حمد یہ ہو گی۔ الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن اور الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ یعنی اس کی حمد و ثناء اور فضل و کرم کو دیکھ کر خوشی سے اور حمد و ثنا سے لذت پاکر بلا تکلف محامد بیان کریں گے ولہ الحکم اور تخلیق و اختیار و اعزاز و اذلال (ذلیل کرنا) احیاء و اماتت میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور دنیا و آخرت میں صرف اُسی کا حکم جاری ہے نفاذِ حکم میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا دنیا و آخرت میں صرف اسی کا حکم چلتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں جملہ

حاشیہ گزشتہ صفحے کا: شیعوں والا امام مہدی مراد نہیں بلکہ وہی امام مہدی جس کی تحقیق ہم نے گزشتہ اوراق میں لکھی ہے۔

اُمور کے عواقب کے لیے جملہ مخلوق اسی کی طرف رجوع کرتی ہے اور کرے گی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اہل طاعت کو مغفرت اور اہل معصیت کو شقاوت اور اعزاز کا حکم فرمانا صرف اسی کو لائق ہے۔ **و الیہ ترجعون** اور قیامت میں صرف اسی کی طرف رجوع ہوگا۔

فائدہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اختیاراً یا اضطراراً صرف اُس کی طرف رجوع ہے۔ اور اختیاراً یہ کہ حضرت حق تعالیٰ کی طرف بطریق سیر و سلوک اور متابعت و وصول کے اور یہ صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا یہ دولت کسی کو نصیب نہیں ہوگی اور اضطراراً یہ کہ انسان کی رُوح قبض ہوگی اس کے بعد حشر نشر اور حساب و جزا و ثواب ہوگا اور بُرے کو سزا دے کر جہنم رسید کیا جائے گا۔

فائدہ: آٹھ اُمور ایسے ہیں جن میں مخلوق کے ہر فرد کو مبتلا ہونا ہے۔

۱. موت
۲. حشر
۳. عمل نامہ مرنے کے بعد پڑھنا۔
۴. اعمال نامے کا وزن۔
۵. حسابِ اعمال
۶. پل صراط پر گزرنا۔
۷. سوال نکیرین
۸. جزائے اعمال۔

وحی موسیٰ علیہ السّلام: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ اس جگہ مجھ سے یہ سوال نہ کر کہ مخلوق میں غنی کون ہے اس لیے کہ میں نے مخلوق میں کسی کو غنی بنایا ہی نہیں بلکہ سب کے سب میرے محتاج ہیں اور غنی صرف میں ہی ہوں اور مجھ سے علم غیب کے متعلق نہ پوچھ اس لیے کہ میرے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔[۱]

---

[۱] اس سے ذاتی علم غیب مراد ہے۔ ورنہ پہلے جملہ میں غنی کی نفی ہے حالانکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار غنی پیدا فرمائے تو جیسے وہاں ذاتی غناء مراد ہے تو یہاں بھی ذاتی علم غیب مراد ہوگا ورنہ سینکڑوں آیات اور بے شمار احادیث کے خلاف لازم آتا ہے۔ تفصیل اہلسنت کی تصانیف میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

اے موسیٰ علیہ السلام مجھ سے یہ سوال نہ کر کہ مخلوق میرا گلہ شکوہ نہ کریں اس لیے کہ بعض بندے ایسے نالائق ہیں کہ باوجودیکہ میں نے انھیں پیدا فرمایا انھیں روزی بخشی اور ان کی موت اور حیات کا مالک ہوں لیکن میری ہی بُرائی کرتے ہیں۔ جب میں اپنے متعلق ان کی زبان نہیں روکتا تو آپ کے لیے ان کی زبان کیوں روکوں اور مجھ سے بقا کا سوال نہ کرنا۔ کیونکہ باقی و دائم صرف میں ہوں۔

وحی محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جس سے محبت چاہیں کر لیں میں اُسے آپ سے جدا کر دوں گا اور جو عمل چاہیں کر لیں موت کے بعد وہی ملے گا جو آج عمل کرو گے اور زندگی جیسے چاہو گزارو بالآخر موت نہیں چھوڑے گی۔

فائدہ: اس سے ثابت ہُوا کہ نفاذِ حکم پر صرف اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے۔ اگر کوئی شے کسی کے قبضہ میں ہوتی تو وہ اپنے اُوپر موت کو آنے نہ دیتا اور آخرت میں اعمال کی ملاقات کو روک لیتا

فائدہ: تسلیم و رضا اپنے اختیار سے رُجوع الی اللہ میں ہے اس لیے کہ جب بندہ اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتا ہے تو کوئی تکلیف نہیں پائے گا بخلاف اس کے کہ جب اضطراراً رجوع کرے گا تو اُسے دُکھ ہوگا۔ ؎

تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیرِ چوب

ترجمہ: "سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ جب ڈنڈا سر پر پڑے تو اس وقت آہ و فغاں کام نہ دے گی۔"

فائدہ: رجوع الی اللہ کی علامت یہ ہے کہ بندہ ظاہر و باطن میں فلاح و صلاح و خیر کے ساتھ رہے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اس لیے کہ مبدأ لامر کو جزع و اضطراب کا اظہار جہالت کی علامت ہے۔ بلاء مصیبت کا درد ہلکا ہو جاتا ہے جب یہ علم ہے کہ دینے والا تو وہی ہے کیونکہ بلا و مصیبت دینے والا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہے اور **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** انسان کو مصائب و مشکلات میں کام آتا ہے اور توحید افضل الطاعات وخیر الاذکار والحسنات ہے۔ جب اُس کے الفاظ نجات کا موجب بنتے ہیں تو اس کا معنیٰ کیوں نہ نجات بخشے گا۔

حکایت: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص فوت ہُوا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرے بندے کے اعمال نامے میں دیکھو کہ اس کی کوئی ایسی نیکی ہے جس کی وجہ سے میں اُسے بہشت دُوں۔ وہ عرض کریں گے یا الٰہ العالمین صرف اس کی ایک ہی نیکی ہے کہ اس کی انگشتری پر منقوش ہے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کو بہشت میں داخل کر دو میں نے اُسے بخش دیا ہے حضرت مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے حسن
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بصیقل توحید ز آئینہ بز دالے
غبار شرک کہ پاک گردد از زنگار

ترجمہ: "اگرچہ تو نے شیشہ اپنے چہرہ کے دیکھنے کے لیے رکھا ہُوا ہے تو کیا فائدہ جب کہ تیرے دل کا شیشہ سیاہ ہے"
"توحید کے صیقل سے دل کے آئینہ کو صاف کر شرک غبار کو دل کے آئینے سے دھو ڈال"

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقتِ توحید سے آگاہ کرے اور ہمیں تقلید سود سے محفوظ فرمائے اور اُن مکاشفین سے بنائے جنھیں انوار صفات اور اسرار ذات سے نوازا ہے ہے۔

تفسیر عالمانہ: قُلْ أَرَأَيْتُمْ (اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کو فرمایئے کہ مجھے خبر دو کہ ہم نے اخبار کا معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ رؤیت اخبار کا موجب ہے، ان جعل اللّٰہ لکم اللیل سرمدًا۔ اگر اللہ تمھارے لیے ہمیشہ رات بنا دے کہ اس کے بعد دن نہ ہو سَرْمَدًا سَرَدَ سے ہے بمعنی متابعۃ و اطراد ہے اس کا میم زائد ہے۔

نکتہ: دن کو رات پر مقدم کرنے کا راز یہ ہے کہ طلوعِ شمس سے پہلے رات کے چلے جانے کے بعد دن کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ (برہان القرآن)

اِلٰی یوم القیٰمۃ۔ قیامت تک سورج کو زمین کے نیچے چھپا کر یا ساکن کر کے یا اسے اس اُفق کے اِرد گرد متحرک رکھا جائے اور اس جگہ پر ساکن ہو۔ من الٰہ غیر اللّٰہ۔ اللہ کے سوا معبود کون ہے کہ اس کی قدرت کی طرح قدرت رکھتا ہو۔ یأتیکم بضیاء: یہ اللہ کی دوسری صفت ہے اس پر تبکیت و الزام دائر ہے اس لیے کہ موصوف کے انعقاد سے صفت کا انتفاء لازمی امر ہے۔

فائدہ: ھَلْ اِلٰہٌ الخ اس لیے نہیں فرمایا کہ اُن کے گمان پر الزام کا ایراد مطلوب ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بھی ہیں۔ اگر مَا اِلٰہٌ الخ کہا جاتا تو یہ الزام وارد نہ ہوتا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ غیر اللہ روشنی لائے تاکہ دن روشن ہو تو وہ کسب معاش کریں اور بضیاء کی باء تعدیہ کی ہے۔ افلا کیا تم سنتے نہیں ہو یعنی اس سچے کلام کو سُن کر تدبر و تفکر کرو تاکہ فرمانبردار ہو جاؤ اور اس کے موجب پر عمل کرو اور توحید پر ایمان لاؤ۔

نکتہ: ضیاء پر آیت کا اختتام ہُوا تاکہ مضمون کا خاتمہ روشنی پر ہو۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضیاء کو سمع سے اس لیے ملایا ہے کہ جس قدر سمع سے ادراک کیا جا سکتا ہے بصر سے نہیں وہ اس لیے کہ عقل بہ نسبت بصر کے سمع سے زیادہ استفادہ کرتی ہے۔ قل ارءیتم ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدًا ۔ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اُوپر دائمی طور پر دن بنائے کہ اس میں رات نہ ہو مثلاً دن کو وسط سماء میں ساکن کر دے یا اسے زمین کے اُوپر متحرک رکھے اور اسے زمین پر نہ آنے دے مَنْ الٰہٌ غیر اللہ یاتیکم بلیل تسکنون فیہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے جو رات کو لائے جس میں تم سفر کی تھکان اُتار سکو۔

نکتہ: ضیاء کے منافع ذکر نہیں کیے گئے مثلاً کہا جاتا تم روشنی میں فلاں فلاں تصرف کرتے ہو وغیرہ وہ اس لیے کہ ضیاء مقصود بالذات ہے اور اس کے فوائد ظاہر و باہر ہیں۔ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں لیکن رات کے فوائد اتنا واضح نہیں اس لیے کہ ان کے فوائد و منافع بیان کئے گئے ہیں۔ افلا تبصرون تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو اس کے منافع پر رکھنے والے سے مخفی نہیں۔ اللّیل کے ذکر کے بجائے النہار پر اس مضمون کو اس لیے ختم کیا گیا ہے کہ بصارت دن میں کام کرتی ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا کام نہیں چلتا۔

فائدہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سکونِ لیل تو ہے بصر سے اس لیے متعلق کیا گیا ہے کہ رات میں انسان سے اس کا غیر اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے خود رات کو تاریکی میں کوئی فائدہ نہیں پا سکتا۔

فائدہ: بعض ایسے مقامات ہیں جہاں سورج چکی کی طرح گھومتا ہے وہاں ہمیشہ دن ہی دن رہتا ہے ایسے مقام پر سورج کی حرارت سے نہ کوئی حیوان زندہ رہ سکتا ہے نہ کھیتی اُگ سکتی ہے۔ اسی طرح زمین کے اندر سورج کا دورہ نہیں وہاں ہمیشہ رات ہی رات ہے اس لیے وہاں بھی کوئی حیوان زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی وہاں پر کھیتی اُگ سکتی ہے اسی لیے فرمایا ومن رحمتہ جعل لکم اللیل والنہار ۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے۔ لتسکنوا فیہ تاکہ سکون حاصل ہو۔ ولتبتغوا من فضلہ اور دن کو اپنی معیشت کے اسباب حاصل کر سکو۔ ولعلکم تشکرون تاکہ باری تعالیٰ کے عطیات کا شکر کرو۔

چرخ را دو اشبا نروزی دہد
شب بر درو ز آورد روزی دہد
خلوت شب مہر آں تا جان ریش
راز دل گوید بر جانانِ خویش
اوز ہا از غوغائے عوام
تا ابد ایشاں کار تن گیرد نظام

ترجمہ

۱۔ آسمان کو شب و روز کا دور بخشتا ہے۔ رات کے بعد دن لاتا ہے تاکہ تمھیں روزی بخشے۔
۲۔ رات اس لیے بنائی تاکہ عاشق زار اپنے محبوب سے اپنا راز دل بیان کرسکے۔
۳۔ دن بنایا کہ عوام کا غوغا ہو اور اپنے معاملات کا انتظام کرسکیں گے۔

فائدہ: امام الحرمین وغیرہ نے فرمایا کہ ظاہر ہے کہ بعض لوگوں کے ہاں سورج طلوع کرتا ہے تو بعض کے ہاں راتیں طویل ہوتی ہیں اور بعض کے ہاں چھوٹی اور خط استوار میں رات دن برابر ہوتے ہیں یہ اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

مسئلہ: حضرت شیخ ابوحامد سے بلغار کے بلاد کے متعلق سوال ہوا کہ وہاں کے لوگ نمازیں کیسے ادا کریں؟ جبکہ وہاں سورج کا غروب صرف اتنا ہوتا ہے جیسے مغرب وعشاء کا درمیانی وقت ہے اس کے بعد پھر فوراً سورج نکل آتا ہے اُنھوں نے فرمایا وہ اپنے قریب ترین بلاد کے مطابق نمازیں ادا کریں لیکن اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ صحیح تر یہ ہے کہ وہ اپنی نمازیں اور روزے اندازے کے ساتھ ادا کریں اور گھڑیوں کے مطابق ان پر نمازوں اور روزوں کا حکم ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے دور میں اس کا ایک یوم سال کا اور ایک یوم مہینے کا اور ایک یوم ہفتہ کا ہوگا

فائدہ: اس دور میں نماز اور روزہ اندازے پر ادا ہوگا۔

(حدیث شریف کا ایسے ہی حکم ہے)

فائدہ: القاموس میں ہے کہ بلغر بروزن قرطق جسے عوام بلغار سے تعبیر کرتے ہیں وہ ایک سرد علاقہ کا شہر ہے وہ شمال ومغرب کی جانب میں واقع ہے جہاں سخت سردی ہوتی ہے۔ وہاں پر چھوٹی راتوں میں غیبوبۃ شفق سے پہلے ہی صبح صادق ہوجاتی ہے۔ ان لوگوں پر سرے سے عشاء کی نماز فرض ہے ہی نہیں اور نہ ہی ان پر وتر واجب ہیں اس لیے کہ ان پر نماز کے وجوب کا سبب ہی مفقود ہے اس لیے کہ نماز کے وجوب کا سبب وقت ہے چنانچہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کا وجوب وقت پر موقوف ہے۔ اگر کسی کو وقت میسر ہی نہیں تو اس پر نماز کا وجوب کیسا۔ اسی طرح ان پر عشاء کے فرض اور وتر واجب نہیں جس کے ہاں غروب شمس کے ہوتے ہی فوراً صبح صادق ہوجاتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کٹ جائیں اور اس پر وضو کے صرف تین فرض ہیں وہ اسی لیے کہ ہاتھوں کو اس وقت دھونا فرض ہے جب ہاتھ ہوں جب سرے سے ہاتھ ہی نہ ہوں تو وجوب کیسا۔ ایسے ہی پاؤں کٹ جانے کا مسئلہ ہے خلاصہ یہ کہ ہاتھ یا پاؤں کے کٹ جانے سے انسان پر وضو کے صرف تین فرض ہیں (کذا فی الفقہ)

تفسیر صوفیانہ: شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آیت میں نہار سے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تجلی نور اور لیل سے البشر یہ مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تجلی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دن ہمیشہ رہتا تو ان تجلیات کے انوار کو متجلّی (اُمتی) متحمل نہ ہوسکتے اسی لیے اُسے اللہ تعالیٰ نے بشریت کا سایہ سے ڈھانپ دیا تاکہ (اُمتی) سطوات انوار و تجلیات محمدی کی وجہ سے دیدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم نہ ہو۔ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا چنانچہ ایک دن بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کلمینی یا حمیراء اور یہ ستر شریف بھی از قبیل حجاب نہیں اس لیے کہ یہ ستر تجلی کے بعد ہوتا ہے جسے حجاب الرحمۃ والمنحۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے حجاب نہیں ہے یہ حجاب الرحمۃ والجنۃ نہیں ہے۔ بہر حال حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت خلق کے خدا سے اوجھل رہی۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب و نقص سے محفوظ و مصون تھے اسی لیے آپ نے فرمایا انہ لیغان علی قلبی و انّی لا ستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ بیشک میرے قلب پر ستر آجاتا ہے اس وجہ سے میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

منجملہ لطف و کرم سے ہے ورنہ آپ کا اللہ تعالیٰ سے محجوب ہونا کمالات سے ہے کیونکہ محجوب من الحق ہوتا ہے وہ مقہور و مغضوب ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون اور حضور علیہ السلام کے لیے ایسا تصور کسی بدقسمت کے ذہن میں آئے گا۔

فائدہ: صرف صفت ربوبیت کی ایک معمولی تجلّی وہ بھی معمولی دیر میں کوہ طور پر پڑی تو راکھ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام جلیل الشان نبی (علیہ السلام) کے ہونے کے باوجود بیہوش ہو کر گرے اگر وہ تجلّی دائمی رہتی تو پھر عالم دنیا سارا فنا ہو جاتا

تفسیر عالمانہ: و یوم ینادیھم، یوم اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے اس دن کو کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کو پکارے گا فیقول تو انہیں زجر و توبیخ کے طور پر فرمائے گا اَیۡنَ تَزۡعُمُوۡنَ کہاں ہیں شرکائی الذین کنتم تزعمون میرے وہ شرکاء جن کیلئے تم گمان میں تھے کہ وہ میرے شریک ہیں۔ تنبیہہ در تنبیہہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ جب شرک کرنے پر ناراض ہوتا ہے تو اس کے غضب سے کوئی شے نہیں چھڑا سکتی۔ ایسے ہی اس کی توحید پر اس کی رضا سے کوئی شے رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی (ونزعنا من کل امّۃ) نزع الشئ۔ شے کو اپنی قرارگاہ سے ہٹانا جیسے قوس کو کمان سے علیٰحدہ کرنے پر لفظ نزع بولا جاتا ہے اس کا عطف ینادیھم پر ہے۔ اور صیغہ ماضی تحقیق کے لیے ہے اور نزع کے معاملہ کی اہمیت کے اظہار کمال کے لیے غیب سے تکلم کی طرف التفات ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ہر امت کا جدا جدا کریں گے۔ شھیدا۔ گواہ اس سے اسی

اُمت سے نبی علیہ السلام مراد ہیں جو اپنی اُمت کی ہر نیکی اور بُرائی کی گواہی دیں گے۔

مسئلہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی اُمت اور بعد زمانہ آنے والے لوگوں کی گواہی دیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمت کے اعمال نبی علیہ السلام کے سامنے ہر خمیس اور ہر سوموار کی رات کو پیش کیے جاتے ہیں۔

مسئلہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ شہید سے ہر اُمت کا نیک انسان مُراد ہے اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کسی زمانہ کو بھی ولایت سے خالی نہیں رکھا۔ یعنی ہر زمانہ میں ولی اللہ پیدا ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے (لیکن افسوس کہ وہابی نجدی اس مسئلہ کی حقیقت کا منکر ہے)۔

ولی اللہ کی علامت

ولی اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اُمورِ دینیہ کا مرجع ہو کہ لوگ اپنے دینی اُمور میں اس کی طرف رجوع کریں اور وہ لوگوں میں حجۃ الٰہیہ ہوتے ہیں اور انھیں دعوتِ اسلام دیتے ہیں اسی لیے وہ قیامت میں لوگوں کے متعلق نیکی و بُرائی کی گواہی دیں گے۔

(افسوس ہے کہ دورِ حاضرہ میں لوگوں نے ولایت کا مفہوم چھوڑ کر اُن لوگوں کو ولی بنا رکھا ہے جو کسی پیر فقیر کی اولاد یا کسی صاحبِ مزار سے قرابت (رشتہ داری) رکھتا ہو اگرچہ وہ بدعملی میں شیطان کا کھلونا ہو۔)

فقلنا ۔ہم پر اُمت کو ھاتوا۔ یہ دراصل اٰتو تھا ہمزہ کو ہا سے تبدیل کیا گیا ہے اس کی تحقیق گزری ہے **برھانکم** اپنے دعویٰ کی دلیل لاؤ جبکہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے **فَعَلِمُوْٓا** اُس وقت انھیں یقین ہو گا کہ **اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰہِ** ۔ بیشک الٰہیہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں **وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ** اور ان سے غائب ہو جائے گا وہ جو دنیا میں جھوٹی باتیں بناتے تھے۔ یعنی بتوں کی الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے وہ ان سے غائب ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: یاد رہے کہ غیر اللہ کی عبادت صرف بتوں میں منحصر نہیں بلکہ لوگوں نے بتوں کے سوا اور بھی بے شمار خدا شریک بنا رکھے ہیں کچھ ظاہر سے متعلق ہیں اور کچھ باطن سے بعض لوگ وہ ہیں جنھوں نے اپنے نفس کو معبود بنا رکھا ہے بعض وہ ہیں جن کا گویا معبود اس کی عورت ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ جیسی محبت کرتا ہے اور اس کی اطاعت ضروری سمجھ کر عبادت الٰہی ترک کر دیتا ہے یہ وہ ہیں جنھیں قیامت میں کسی قسم کا فائدہ نہیں دینگی۔

حکایت: منقول ہے کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جب نماز میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن پڑھتے تو بیہوش ہو جاتے۔ جب ہوش میں آتے تو فرماتے ادھر تو ہم کہتے ہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ لیکن اطاعت کرتے ہیں ہم نفس کی اور نماز میں ہم کہتے ہیں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن لیکن ضروریات کے وقت غیر اللہ کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں۔

حکایت: مروی ہے کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اور ان کے جملہ متعلقین کو یہود نے شہید کر دیا تو زکریا علیہ السلام یہود کے ڈر سے گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے راستہ میں آپ کو شیطان چرواہے کی شکل میں ملا اور اشارہ کیا کہ درخت میں چھپ جایئے۔ آپ نے درخت کو فرمایا کہ مجھے چھپا لے۔ درخت چر گیا اور آپ کو اپنے اندر چھپا لیا لیکن شیطان نے درخت سے آپ کی چادر کے کونہ کو باہر کھلا رکھا اور یہود کو بتا یا کہ زکریا علیہ السلام اسی درخت میں چھپے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے درخت کو آرے سے دو حصّہ کر دیا۔

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے محبوبانہ عتاب سے نوازا جب انہوں نے درخت کی پناہ لی اور یہ محبوبوں کے لیے شرک سے کمتر نہیں اور شرک جملہ سیئات سے قبیح تر ہے جیسے توحید جملہ حسنات سے حسین تر ہے۔

مسئلہ: جہاں ذکر الٰہی ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے فرشتے نازل ہوتے ہیں صرف ذکر الٰہی کی شرافت سے چنانچہ مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں ڈالے گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جسے جبریل علیہ السلام نے سن کر عرض کی یا اللہ میں اس کنوئیں سے تیرا پیارا ذکر سنتا ہوں مجھے اجازت بخشئے تاکہ میں کنوئیں میں جا کر تیرا ذکر سنوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے نہیں کہا تھا اتجعل فیھا من یفسد۔ کیا انہیں پیدا کرتا ہے جو زمین پر فساد کریں گے۔

اعجوبہ: جب اہل ایمان ظاہری و باطنی آداب شریعت و طریقت یعنی ظاہری و باطنی شرائط بجا لاکر ذکر الٰہی کرتے ہیں تو فرشتے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں یا الہ العالمین ہمیں مہلت دے تاکہ ہم تیرے ان ذکر کرنے والے بندوں کے ساتھ جاکر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم نے کہا تھا اتجعل فیھا من یفسد فیھا۔ اب کہتے ہو کہ اجازت دو تاکہ ہم ان کی مجلس میں بیٹھیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب بہشت میں داخل ہوگے سوائے منکر کے عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر کون ہے آپ نے فرمایا منکر وہ ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کو نہیں مانا۔

سبق: ہمیں لازم ہے کہ ہم موت سے پہلے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے وِرد پر مداومت کریں۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور بہشت کا ثمن ہے یہی وہ کلمہ ہے جس کی کائنات کا ذرہ ذرہ گواہی دیتا ہے ؎

ہشت ہر ذرہ بوحدت خویش
پیش عارف گواہ وحدت او
پاک کن جامہ از غبار دوئی
لوح خاطر کہ حق یکیست نہ دو

ترجمہ: "ہر ذرہ علیحدہ علیحدہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے تم بھی دوئی کے غبار دل کو پاک کرو اور دل پر لکھ دو کہ اللہ دو نہیں ایک ہے۔"

فائدہ: اس شہود اور توحید حقیقی تک پہنچنا رات دن میں ذکر الٰہی کے ذریعے سے میسر ہو سکتا ہے ورنہ مشکل ہے ؎

نخست دیدہ طلب کن پس آنگہے دیدار
زانکہ یار کند جلوہ بر اولوالابصار

ترجمہ: "پہلے نگاہ طلب کر پھر دیدار اس لیے کہ محبوب کا جلوہ صرف اولوالابصار پر ہوتا ہے۔"

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ
مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ
الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى
الْقُوَّةِ ۖ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ
اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ط
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ
اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ط اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ
قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ
مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ط وَلَا يُسْئَلُ عَنْ
ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَخَرَجَ عَلٰى
قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ط قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ
اُوْتِىَ قَارُوْنُ ط اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝
وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ
ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ج وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ
بِدَارِهِ الْاَرْضَ قف فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ق وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝ وَاَصْبَحَ
الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ
اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ
يَقْدِرُ ج لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا

وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ؏

ترجمہ:

بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دئیے جن کی کنجیاں زور آور جماعت پر بھاری تھیں۔ جب اس سے اسکی قوم نے کہا اترا نہیں بیشک اللہ اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا اور جو مال اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر طلب کر اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ چاہ بے شک اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا بولا یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو میرے پاس ہے اور کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ اللہ نے اس سے پہلے وہ سنگتیں ہلاک فرما دیں جن کی قوتیں اس سے سخت تھیں اور جمع اس سے زیادہ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی پوچھ نہیں تو اپنی قوم پر نکلا اپنی آرائش میں بولے جو دنیا کی زندگی چاہتے ہیں کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا جیسا قارون کو ملا۔ بے شک اس کا بڑا نصیب ہے۔ اور بولے وہ جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس لئے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہی کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ سے بچانے میں اسکی مدد کرتی اور نہ وہ بدلا لے سکا اور کل جس نے اس کے مرتبے کی آرزو کی تھی صبح کہنے لگے عجیب بات ہے اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگی فرماتا ہے اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا اے عجب کافروں کا بھلا نہیں۔

تفسیر عالمانہ: ان قارون۔ ہارون کی طرح عجمی ہے اسی لیے غیر منصرف ہے۔ کان من قوم موسیٰ
بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔

قارون کا نسب نامہ

قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا اس لیے کہ اُس کا دادا یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام تھا

اور یہ نبی علیہ السلام کے والد حضرت عمران بھی قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور تورات بھی پڑھی اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اسے منور کہا جاتا ہے۔ پھر دنیا کی محبت میں ایسا پھنسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا چہرہ بدل دیا اور وہ سامری کی طرح منافق تھا۔ فبغی علیہم۔ المفردات میں امام راغب نے لکھا کہ البغی بمعنی جس شے میں تجاوز کرنے کا ارادہ ہو اُس کی حد سے تجاوز کرنے کی طلب کرنا تجاوز کر سکے یا نہ اور یہاں پر بغی بمعنی تکبر ہے اور قارون نے بھی ایسے ہی کیا کہ وہ اپنی قدر و منزلت سے تجاوز کر گیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ قارون نے ان پر اپنی بڑائی کا اظہار کیا اور چاہا کہ وہ سارے بنی اسرائیل اس کے ماتحت ہوں اور اس سے ایسے ہونا کچھ بعید بھی نہیں اس لیے کہ اب وہ مالدار ہو گیا تھا اور دنیا و دولت کا غرور ایسے کر گزرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و آتینا ہ من الکنوز یعنی مال و دولت اس کی بغاوت کے سبب بنی اور اس کی بغاوت ظاہر ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے احکام تشریعی ماننے سے انکار کر دیا اور استکبار و عجب میں مبتلا تھا اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت قبول کرنے سے روگردانی کی بلکہ تکبر سے چادر کو ٹخنوں سے نیچے تک کر کے نہایت تکبرانہ طریق سے چلتا تھا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس بندے کو نظر لطف وکرم سے نہیں نوازے گا جو تکبر سے اپنی چادر کھینچ کر چلتا ہے اور قارون فقراء پر پھبتیاں اڑاتا تھا اور اُن کے حقوق سے انہیں محروم رکھتا تھا۔

حدیث شریف: اس سے پہلے فقراء کی امداد کرو جبکہ ان کے ہاں دولت کی فراوانی ہو۔

فائدہ: یعنی قیامت میں فقراء کو دنیا و دولت سے بھرپور کیا جائے گا یہاں تک کہ اُن کی دولت اُن لوگوں پر اثر ڈالے گی جنھوں نے انہیں دنیا میں ایک دو لقموں سے مدد کی ہوگی یا پانی ایک دو گھونٹ پلائے ہوں گے اور نئی پوشاک کی تو بات ہی کیا انہیں اگر پھٹے پرانے کپڑے دیئے ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ تو وہ فقراء اپنے معاونین کے ہاتھ پکڑ کر انہیں بہشت میں لے جائیں گے۔

قارون کی بغاوت کا آغاز

احادیث میں ہے کہ قارون کی سب سے پہلی بغاوت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم نازل فرمایا کہ آپ بنی اسرائیل کو حکم فرمائیں کہ وہ اپنی چادروں میں چار چار سبز تاگے باندھیں اور ہر تاگے کے آخری حصہ کو آسمانی رنگ سے رنگا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا الٰہ العالمین اس میں کیا حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ نیلے تاگے دیکھیں گے تو انہیں میرے کلام کے نزول اور آسمان کی بات یاد آجائے گی پھر وہ اسے میرا کلام سمجھ کر اس پر عمل بھی کریں گے

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی آپ انہیں تو یوں نہیں حکم فرماتے کہ وہ اپنی چادروں کے رنگ سبز تیار کریں اس لیے کہ وہ چادروں میں دھاگے باندھنے سے نفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میرا چھوٹا حکم بھی بڑا ہے۔ اگر وہ چھوٹے حکم پر عمل نہیں کریں گے تو پھر وہ بڑے حکم کو بھی نہیں مانیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم مذکور تمام بنی اسرائیل کو سنایا تو سب نے سر تسلیم خم کیا لیکن قارون نے انکار کر دیا اور کہا یہ تو آقا اپنے غلاموں سے چادروں میں دھاگے بندھواتے ہیں تاکہ غلام وغیر غلام میں امتیاز ہو اور میں کسی کا غلام تو نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے کسی کی غلامی منظور ہے۔ قارون کی یہی پہلی بغاوت ہے۔

قارون نے حضرت ہارون علیہ السلام پر حسد کیا

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو عبور کر لیا تو حبورۃ القربان کی ڈیوٹی حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد کی اور حبورۃ القربان سے مذبح کی ریاست مراد ہے اور مذبح کی ریاست یوں تھی کہ بنی اسرائیل جتنی قربانیاں پیش کرتے تھے وہ پہلے ہارون علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کرتے تاکہ وہ پہاڑ پر رکھیں اور انہیں آگ آسمانی جلا جائے (کذا فی کشف الاسرار) اس پر قارون بگڑ گیا اور حسد کے طور پر کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام رسالت آپ نے سنبھال رکھی ہے اور ریاست المذبح اپنے بھائی ہارون کو دے دی اور میں ویسے کا ویسا رہ گیا حالانکہ بنی اسرائیل میں تورات کا سب سے بڑا قاری ہوں۔ اور میں اس پر صبر نہیں کروں گا ورنہ مجھے بھی کوئی عہدہ دیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے ہارون علیہ السلام کو از خود تو کوئی عہدہ نہیں دیا یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے جسے وہ چاہے عطا فرمائے قارون نے کہا میں آپ کی بات نہیں مانتا یہاں تک کہ آپ مجھے کوئی آیت ربانی دکھائیں جس سے مجھے یقین ہو کہ واقعی ہارون علیہ السلام کی ڈیوٹی منجانب اللہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تمام سرداروں کو فرمایا کہ آپ لوگ اپنے عصا (ڈنڈے) اس قبے میں رکھ دو جہاں مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا فرمان مانا اور ساری رات انتظار کی ——— سویرے دیکھا تو صرف ہارون علیہ السلام کا عصا مبارک سبز رنگ کا تھا یعنی اس کی سبزی سبز پتے کی طرح تھی اور وہ ان کا عصا شجرۂ لوز کا تھا۔ قارون نے یہ عجوبہ دیکھ کر کہا کہ اس سے بڑھ کر جادو اور کیا ہو سکتا ہے۔ قارون کی بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے جملہ متبعین قارون سے علیحدہ ہو گئے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہو گیا اس کے ساتھ چند اور بنی اسرائیل بھی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رشتہ داری کی وجہ سے اس کے لیے بڑی جد وجہد کی لیکن وہ الٹا تجبر و تکبر اور عناد و بغاوت اور بغض و عداوت میں اور بڑھتا گیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا۔

وَاٰتَیْنٰہُ مِنَ الْکُنُوْزِ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو خزانے دیئے اور ذخیرۂ اموال اسے حاصل ہوا۔

فائدہ : امام راغب نے فرمایا کہ الکنز بمعنی بکثرت مال کہ ڈھیروں کے ڈھیر اوپر تلے مال ہی ہو) کو جمع کر کے رکھنا۔ یہ کنزت التمر فی الوعاء سے ہے۔ یعنی میں نے کھجور کو برتن میں جمع کر کے رکھ دیا۔

فائدہ : الرکاز وہ مال جو زمین میں مرکوز ہو پیدائشی طور یا اسے انسان نے زمین میں چھپا کر رکھ دے۔ المعدن وہ جو پیدائشی طور پر زمین میں ہو۔ الکنز وہ جو انسان چھپا کر رکھے۔ مَا موصولہ ہے بمعنی الذی۔ ان مفاتحہ۔ المفتح بالکسر کی جمع ہے وہ شے کہ جس سے کوئی شے کھولی جائے یعنی قارون کے وہ خزانے کہ جس کی صندوق کی چابیاں لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ یہ ان کی خبر اور مَا موصولہ کا صلہ اور آتینا کا مفعول ثانی ہے۔

حل لغات : ناء بہ الحمل۔ یہ اہل عرب اس وقت بولتے ہیں بوجھل شے کو جب کوئی اٹھائے تو جھکاؤ کے بغیر نہ اٹھا سکے۔

العصبۃ والعصابۃ بمعنی جماعت کثیرہ۔ المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں جماعۃ متعصبۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ایک دوسرے کے معین و مددگار ہوں۔

قارون کے خزانے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ عصبہ سے قارون کے وہ چالیس نوجوان مراد ہیں جو قارون کے خزانوں کی چابیوں کو محفوظ رکھتے تھے اور اس کے کل خزانے چار لاکھ تھے اور ہر محافظ کے ہاں دس ہزار چابیاں ہوتی تھیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ چابیاں اتنا بوجھل تھیں کہ محافظ کو اٹھاتے وقت ٹیڑھا کر دیتی تھیں یعنی ان کا اٹھانا محافظین کے لیے بار گراں تھا باوجودیکہ وہ محافظین بہت بڑے طاقت ور تھے۔

انجیل میں لکھا ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیاں ساٹھ خچر اٹھاتے تھے اور ہر چابی انگلی سے بڑی نہ ہوتی تھی اور ایک چابی مستقل طور پر ایک خزانہ کے لیے تھی اور یہ بھی ہے کہ قارون جہاں جاتا تھا اپنی چابیاں ساتھ لے جاتا تھا پہلے لوہے کی تھیں جب بوجھ محسوس کیا تو پھر لکڑی کی بنوائیں ان سے بوجھ محسوس کیا تو پھر بیل گائے کے چمڑے کی بنوائیں۔ لیکن ان کا طول بھی انگلی سے زائد نہیں تھا۔

اذ قال لہ قومہ۔ یہ تنوء سے منصوب ہے یعنی جب اسے موسیٰ علیہ السلام اور دیگر بنی اسرائیل نے بطور نصیحت کہا۔ بعض نے لکھا کہ اس سے صرف موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ لا تفرح۔ مال دنیا سے خوشی نہ کر۔ الفرح بمعنی لذت عاجلہ سے سینہ کا انشراح اور اس کا اکثر استعمال لذات دنیویہ بدنیہ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ : دنیا میں مطلقاً خوشی مذموم ہے اس لیے کہ اس سے نتیجہ نکلے گا کہ انسان کو دنیا سے محبت ہے اور وہ صرف اسی کو پسند کرتا ہے اور اسے اس سے کوچ کرنے کا تصور دل سے اٹھ گیا ہے۔ اور پھر جب اسے معلوم

جو کہ یہ رحمت و فرحت تو مجھ سے جُدا ہو گئی تو اسے لازماً غم و الم لاحق ہو گا۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے فرمایا لکی لا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم۔ اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تمہیں عطا ہوا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے صرف دو مقام پر خوش ہونے کی اجازت بخشی ہے۔

۱۔ قل بفضل اللہ و برحمۃ فبذلک فلیفرحوا۔ فرمایئے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہی خوش ہو۔

۲۔ ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ۔ اور اس دن اللہ کی فتح و نصرت سے اہلِ ایمان خوش ہوں گے۔ (اس کی تفسیر سورۂ روم میں آتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ)

ربط: قارون کو خوشی نہ کرنے کی نہی کی علت بتائی کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے۔ کما قال ان اللہ لا یحب الفرحین۔ بیشک اللہ تعالیٰ دنیا کے نقش و نگار پر اترانے والوں سے خوش نہیں۔ اس لیے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی مبغوض و مقہور ہے۔ ؎

دنیائے دنی چیست سرائے ستمے
انگندہ ہزار کشتہ در ہر قدمے
گر دست دہد گدائے شادی کند
ورفوت رشود نیز نیسر زد بیغمے

ترجمہ: "دنیا کیا ہے؟ یہ ظلم و ستم کا گھر ہے اپنے ہر قدم ہزاروں کو قتل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اگر کسی گدا کو مل جاتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتی ہے۔ اگر اس سے کم ہو جائے تو اس کا غم بڑھا کر گر جاتی ہے۔"

فائدہ: اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو عبودیت پر قائم رہے اور سعادتِ اُخرویہ کا طالب ہو۔

وابتغ فیما اٰتاک اللہ اور جو مال و دولت تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سے طلب کر۔ فیما اٰتاک الخ کے بجائے بما اٰتاک اللہ اس لیے نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کے مال کی ضرورت نہیں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ جب بندے کو مال حاصل ہو تو وہ اس سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔ (کذا فی کشف الاسرار)

الدار الاخرۃ ۔ دارِ آخرت سے ثواب مراد ہے یعنی مال و دولت کو ایسی جگہ خرچ کرے جو اس کی نجات کا موجب ہے۔ مثلاً فقراء کی امداد اور صلہ رحمی اور غلام آزاد کرانا۔ اسی طرح جملہ کارِ خیر ؎

شعر اگلے صفحہ پر

۱؎ اس سے ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مراد ہے تفصیل فقیر کے رسالہ "غوث العباد فی ابحاث المیلاد" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

بدنیا توانی کہ عقبی خری
بخر جان من ورنہ حسرت خوری

ترجمہ :" دنیا سے آخرت خریدی جا سکتی ہے اور تم خرید لو ورنہ حسرت کروگے۔"

ولا تنس . اور بھول بھلائی شے کی طرح نہ چھوڑ دیجئے ۔ المفردات میں ہے کہ النسیان بمعنی وہ شے جو اس کے ذہن میں ہے اس کے ضبط کو ترک کرنا ضعف قلبی سے یا غفلت سے یا قصد سے یہاں تک کہ قلب سے اس کا ذکر ختم ہو جائے نصیبک من الدنیا اپنا حصہ دنیا سے یعنی اس سے آخرت حاصل کر دیا دنیا کو بقدر کفایت استعمال کر کے باقی کو چھوڑ دو۔

فائدہ : حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اپنی صحت وقوت اور شباب و غنا کو مت بھولو۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔

۱۔ شباب کو بڑھاپے سے۔
۲۔ تندرستی کو بیماری سے۔
۳۔ دولت مندی کو غریبی سے۔
۴۔ فراغت کو مشغولی سے۔
۵۔ حیات کو موت سے۔

فائدہ : حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ مال دنیا سے اپنے حصہ کو مت بھلاؤ یعنی دنیا سے رخصتی کے وقت تجھے صرف ایک کفن نصیب ہوگا اس کے بعد کی زندگی کا فکر کرو۔ اس دنیوی مال و منال اور اسباب در جاہ پر مغرور نہ ہو۔

گر ملک تو شام تا یمن خواہد بود
و از سرحد روم تا ختن خواہد بود
آں روز کزیں جہاں کنی عزم سفر
ہمراہ تو چند گز کفن خواہد بود

ترجمہ :" اگر تیرے قبضہ میں شام و یمن کا ملک ہو اور سرحد روم تک تیری سلطنت ہو۔ جب اس دنیا سے تم رخصت ہوگے تو صرف تیرے ساتھ چند گز کفن ہوگا (وہ بھی قسمت میں لکھا ہے ورنہ ہزاروں انسان بے گور دکفن دنیا سے رخصت ہوئے۔)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اگر پہلوانی اگر تیغ زن
نخواہی بدر بردن الا کفن

ترجمہ: "اگر تم پہلوان ہو یا تلوار سے لڑنے والے مجاہد اس دنیا سے صرف ایک کفن لے جاؤ گے۔"

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا کہ انسان کا دنیا سے وہی حصہ ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے تمہاری دنیا سے صرف تین چیزوں کی محبت کا حکم ہے:-

۱۔ خوشبو ۲۔ عورتیں ۳۔ نماز سے آنکھوں کی ٹھنڈک

فائدہ: خوشبو اور عورتوں اور نماز سے فرحت قلبی کی وجہ پہلے ہم نے بیان کی ہے۔

واحسن ۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے احسان کرو۔ **احسن اللہ الیک** ۔ جیسے تجھ پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے کہ بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

توانگری چو دل ودست کامرانت ہست
بخور ببخش کہ دنیا و آخرت بردی

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے تجھے دولت مندی سے نوازا ہے تو خود کھاؤ اوروں کو کھلاؤ اس طرح سے تم دنیا و آخرت ہر دونوں میں کامیاب رہو گے۔"

اور فرمایا ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری
نماند مگر آنکہ بخشی بری

ترجمہ: "اگر تیرے ہاتھ میں قارون کا خزانہ بھی آجائے تو بھی تیرے قبضہ سے نکل جائے گا" تو مرنے کے بعد وہی ساتھ لے جائے گا جو تو نے اللہ تعالیٰ کے راہ میں لٹایا ہے۔"

تفسیر عالمانہ: **ولا تبغ الفساد فی الارض** ۔ اور نہ ہی دنیا میں فساد چاہ اس میں قارون کو اس ظلم و بغاوت سے روکا گیا ہے جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف شروع کر رکھا تھا۔

تفسیر صوفیانہ: یہاں پر زمین سے وہ روحانیت مراد ہے جو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے استعدادِ انسانی سے نوازا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے سے مخالفاتِ شریعت و موافقاتِ طبیعت سے بچو کیونکہ مخالفت شریعت و موافقت طبیعت استعداد انسانی و روحانی کو فاسد کر دیتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ: ان اللہ لا یحب المفسدین۔ بیشک اللہ تعالیٰ مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ان کے بُرے افعال کی وجہ سے اہل اللہ تعالیٰ کو مصلحین سے محبت ہے صرف ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو ابدال سے محبت ہے کہ وہ حضرات جہل پر علم کو اور بخل پر سخاوت کو۔ حرص و ہوا پر عصمت کو اور ظلم پر عدالت کو اور گرفت پر نرمی کو اور فساد پر صلاح کو ترجیح دیتے ہیں۔

سبق:۔ انسان جب ابدال کے درجات میں تکمیل پاتا ہے تو پھر احباب کے درجات کو طے کرنے لگتا ہے۔

قال۔ قارون نے نصیحت گروں کو جواب دیتے ہوئے کہا انما اُوتیتُہٗ۔ بیشک مجھے یہ مال عطا ہوا ہے۔ علیٰ علم عندی۔ یہ اُوتیتہٗ کی ضمیر مرفوع سے حال ہے یا اوتیتہ کے متعلق ہے اور عندی اس کی صفت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ مجھے مال عطا ہوا ہے۔ درآنحالیکہ میں اس کا مستحق تھا اس علم کی وجہ سے جو میں نے تورات کو سمجھا اور واقعی وہ بنی اسرائیل میں تورات کا بہت بڑا عالم تھا لیکن اس بدبخت نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور منت و احسان کو نہ دیکھا اسی لیے تباہ و برباد ہُوا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنے علم و فضل پر تکبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے لطف و کرم کو مدنظر نہ رکھے تو وہ بھی قارون کی طرح تباہ و برباد ہوگا۔ ورنہ قارون کا اور کیا جرم تھا سوائے اس کے کہ وہ علم کے باوجود تکبر و عزور میں مبتلا ہوا۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

مباش غرہ بعلم و عمل فقیہ مدام
کہ ہیچکس نہ قضائے خدا جان نبرد

ترجمہ:۔ "اے فقیہ اپنے علم و عمل سے دھوکہ مت کھائیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے کوئی نجات نہیں پاسکتا۔"

حضرت صائب نے فرمایا:

بفکر نیستی ہرگز نمی فتند مغروراں
اگرچہ صورت مقراض لا دارد گریبان ہا

ترجمہ:۔ دھوکہ خوردہ لوگوں کو نیستی کا فکر نہ ہوا ورنہ مقراض کو دیکھئے کہ اس کی صورت لا کی طرح ہے لیکن کپڑوں کی جان کا دشمن ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ علم سے اس کی تجارت اور زراعت و دیگر کاروبار مراد ہے۔

قارون بڑا عابد و زاہد تھا

منقول ہے کہ قارون چالیس سال پہاڑوں پہ عبادت میں مصروف رہا اور تمام بنی اسرائیل سے زہد و عبادت میں بے عدیل تھا۔ ابلیس نے اپنے لشکر کو بھیجا تا کہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالیں اور اسے دنیا کی طرف راغب کریں۔ شیطانوں نے بڑی جد و جہد کی لیکن کسی کے قابو میں نہ آسکا بالآخر خود ابلیس کو میدان میں کودنا پڑا۔ ابلیس نے بوڑھے کی شکل اور نہایت عابد و زاہدانہ صورت میں اس کے بالمقابل عبادت میں مشغول ہو گیا۔ ابلیس نے قارون کے سامنے عبادتِ الٰہی کچھ ایسے طریقے سے کی جس سے قارون نے اپنی عبادت گزاری کو لاشے تصور کیا ابلیس کو اپنے سے بڑا عابد و زاہد سمجھ کر اٹھا اور اس کے سامنے عجز و نیاز سے پیش آیا اور اپنے آپ کو اس کا خادم تصور

کر لیا اور اس کے ہر حکم کی بجا آوری اپنے لیے سعادت عظمیٰ سمجھتا تھا اور ہر معاملہ میں اس کے اشاروں پر چلتا تھا اس کی رضا کو ایک نعمت تصور کرتا تھا۔ ایک دن ابلیس نے قارون سے کہا کہ ہم نماز با جماعت اور جمعہ کی ادائیگی سے محروم ہیں اور نہ ہی بزرگوں کی زیارت کے لیے کہیں جاتے ہیں اور جنازہ اہل ایمان کی حاضری بھی نہیں ہوتی۔ اگر ہم گوشۂ تنہائی کو چھوڑ کر عوام میں رہیں تو بہتر ہے۔

ابلیس قارون کو ایسی ٹھنڈی میٹھی باتیں سنا کر پہاڑ سے اتار کر ایک عبادت خانے میں لے آیا اور عبادت کے لیے ایک جگہ مقرر کر لی۔ جب عوام کو ان دونوں عابدوں کا علم ہوا تو ہر طرف سے عقیدت مند آنے شروع ہو گئے اور نذر و نیاز اور لذیذ کھانے و دیگر لوازمات کے ڈھیر لگا دیئے۔ ابلیس نے ایک دن قارون سے کہا کہ اگر ہم ہفتہ میں ایک دن مزدوری کر لیا کریں تو عوام کی دست نگری کی ضرورت نہ رہے گی اور وہ لوگ بھی ہماری خدمات سے نہیں گھبرائیں گے۔ قارون سر تسلیم خم کر کے مزدوری کے لیے بھی تیار ہو گیا چنانچہ جمعہ کے دن مزدوری کر کے اور باقی چھ دن عبادت میں لگ رہتے چند روز کے بعد پھر ابلیس نے قارون سے کہا کہ ہم صدقہ و خیرات کی نیکی سے محروم ہیں۔ اسی لیے چاہیئے کہ ہم ایک دن عبادت کریں اور ایک دن مزدوری۔ پھر ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے باقی تمام مال اللہ تعالیٰ کے نام خرچ کر دیں۔ جب مزدوری سے آمدنی بڑھی تو قارون کے دل میں دنیا و دولت کی محبت گھر کر گئی۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ قارون دنیا کی محبت میں گھر گیا ہے تو فوراً اُس سے علیحدگی اختیار کر لی اور کہا کہ میں نے قارون کو پھنسا لیا ہے۔ فلہٰذا اب وہ جانے اور اس کا کام۔ چنانچہ ایسے ہی قارون دولت کمانے میں مصروف ہو گیا اور مال کی فراوانی سے سرکشی و طغیانی میں گرفتار ہو گیا اور دعویٰ کیا کہ میں نے اپنی علمی تجربہ اور ہنر اور فن تجارت سے مال کمایا ہے۔ اسی لیے تم مجھے نصیحت

مت کرو۔

علم کیمیا بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے علم کیمیا مراد ہے اس لیے کہ یہ علم موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تو انہوں نے اس کا ایک حصہ یوشع بن نون کو اور ایک حصہ کالب بن یوقنا کو اور ایک حصہ قارون کو سکھایا پھر قارون نے چالاکی سے ان دونوں حضرات کو کیمیا کے علم کے دونوں حصے سیکھ لیے۔ اور اس کے ذریعے سے بہت سا مال کمایا یا علم کیمیا قارون نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم سے سیکھا اسی سے اس نے دولت کمائی اور اس کی دولت کی مثال تاقیامت قائم رہے گی۔ وہ قلعی۔ تانبا اور سونا چاندی بنا لیتا تھا۔

فائدہ: زجاج نے کہا کہ کیمیا کی کوئی حقیقت نہیں اور کواشی نے لکھا ہے کہ اس علم میں بہت زیادہ جھوٹ کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زجاج کے قول سے یہی مراد موزوں تر ہے اس لیے کہ اس میں اس کی اصل حقیقت کا اعتراف ثابت ہوتا ہے اور واقعی علم کیمیا کی حقیقت حق ہے اس پر بعض انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء عمل کرتے رہے اور یہ کوئی محال بھی نہیں اور اجساد کا ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف متبدل ہونا بھی ایک حقیقت ہے اور ہم نے اسے دوسری جگہ پر محقق طور پر لکھا ہے اور ہم نے بھی ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے اس فن کو آزمایا ہے

ز کرامات بلند اولیاء
اولا (کرامت) شعر است و آخر کیمیا

ترجمہ:۔ اولیاء کرام کی اعلیٰ کرامات سے پہلی شعر دوسری کیمیا ہے۔

اولم یعلم۔ کیا قارون کو معلوم نہیں۔ **ان اللّٰہ قد اھلک من قبلہ من القرون** ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بے شمار کافر گروہ تباہ و برباد کیے ہیں۔ **القرن** وہ لوگ جو ایک دوسرے سے زندگیوں میں مقترن ہوں۔ **من ھو اشد منہ قوۃ** جو اس سے سازوسامان اور گنتی کے لحاظ سے قوی اور سخت تر تھے۔ **و اکثر جمعا** اور مال جمع کے لحاظ سے زیادہ تھے جیسے نمرود وغیرہ۔

بعض نے کہا کہ اس سے علم و طاعۃ مراد ہے جیسے ابلیس۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اسے زجر و توبیخ فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ قارون کا دنیا و دولت اور علم و طاعت پر اترانا اور غرور و کبر بے سود ہے اس لیے کہ اس نے تورات میں خود پڑھا ہے کہ اس سے قبل دنیا و دولت اور علم و طاعت میں بڑے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے سرمو روگردانی کی تو تباہ و برباد ہوئے فلھذا اسے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست و بعد از تو ہم
بگیر عبرت از ما سوائے قرون
خورد ضرب ہر اسپ کہ باشد حرون

ترجمہ: ملک و جاہ و حشم پر تکیہ کر کہ تیرے سے پہلے بھی گزرے ہیں اور تیرے کے بعد بھی گزریں گے۔ دوسرے گروہوں سے ہی تم عبرت حاصل کرو۔ وہی گھوڑا چابک کھاتا ہے جو سرکش ہوتا ہے۔

لا یسئل عن ذنوبھم المجرمون۔ اور مجرموں سے ان کی تباہی کے وقت ان کے گناہوں کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوتا کہ وہ معذرت وغیرہ میں مشغول نہ ہو جائیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ ولا یوذن لھم فیعتذرون (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فائدہ: حضرت حسن نے فرمایا قیامت کا یہ سوال معلومات کے حصول کے لیے نہیں ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر شے پہ مطلع ہے بلکہ یہ سوال زجر و توبیخ کے طور ہوگا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ان سے یہ سوال ہوگا ہی نہیں بلکہ وہ لوگ فوراً بلاحساب عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ یا یہ معنی ہوگا کہ ان کے متعلق ملائکہ کسی سے سوال نہیں کریں گے کیونکہ فرشتے ان لوگوں کی علامات سے خود بخود پہچان لیں گے۔

فخرج علی قومہ: اس کا عطف قال پر ہے درمیان میں جملہ معترضہ تھا۔

فی زینتہ: یہ خرج کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور وہ فخرج کے فاعل حال ہے۔ یعنی قارون اپنی قوم میں درانحالیکہ وہ زینت میں تھا اس سے دنیوی زینت مراد ہے جیسے مال، اسباب اور جاہ و منال وغیرہ۔

حل لغات: اہل عرب کہتے ہیں ذانہ کذا و زینہ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی فعل یا قول سے اپنا حسن ظاہر کرے۔

قارون کا آخری ہار سنگار

منقول ہے کہ قارون ہفتہ کے دن اپنی قوم کے ہاں آیا اور اس کا یہ زندگی کا آخری ہار سنگار تھا۔ اشہب خچر پر سوار تھا اور اس پر ریشمی مدد شالہ ڈالا ہوا تھا اور اس کی زینت وغیرہ سونے کی تھی اور ایسے ہی چار ہزار ساتھی تھے بعض نے کہا کہ نوّے ہزار ساتھی تھے جو سرخ رنگ کے لباس پہنے ہوئے تھے اور اس سے پہلے کبھی ایسا لباس نہیں دیکھا گیا تھا۔

مسئلہ: معصفر یعنی سُرخ رنگ کا لباس مردوں کو پہننا ممنوع ہے۔ اس لیے کہ یہ زینت اور تکبر کا لباس ہے اور اس سے ایسی خوشبو مہکتی ہے جو مردوں کے لائق نہیں۔

فائدہ: عارفین فرماتے ہیں کہ اصل زینت یہ ہے کہ اللہ کی یاد اور اس کے عشق و محبت میں گریہ وزاری اور سجدہ ریزی اور شب خیزی سے چہرہ نورانی ہو جائے۔

فائدہ: حضرت ابن عطار نے فرمایا کہ میں وہ زینت چاہتا ہوں جو معرفت الٰہی سے انسان مزین ہو جاتا ہے اور مجھے وہ زینت مطلوب نہیں جو عارفین کے درجات سے گرا دے اور عارفین کے درجات طاعت الٰہی سے نصیب ہوتے ہیں اور جو دنیا کے اسباب سے مزین ہونا چاہتا ہے وہ فریب خوردہ ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قلندران حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ: حقیقت شناس لوگ آدھے جو سے بھی نہیں خریدتے اس شخص کی قبا جو ہنر (عارفان) سے خالی ہو۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

افتخار از رنگ و بو واز مکان
ہست شادی و فریب کودکاں

ترجمہ: رنگ و بو اور مکان پر فخر کرنا یہ بچوں کی شادی اور فریب ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

ہمچو طفلاں منگر اندر سرخ و زرد
چون زنان مغرور رنگ و بو نگرد

ترجمہ: بچوں کی طرح سرخ و زرد کو نہ دیکھ۔ عورتوں کی طرح رنگ و بو کا فریب خوردہ نہ ہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کرا جامہ پاکست و سیرۃ پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: جس کا کپڑا تو پاک ہے لیکن اس کی عادت پلید ہے اسے دوزخ کے لیے چابی کی ضرورت نہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

وصلش مجو در اطلس شاہی کہ دوخت عشق
ایں جامہ برتنے کہ نہاں زیر ژندہ بود

ترجمہ: "عشق الٰہی اور پھر اطلس شاہی اس سے وصالِ الٰہی مشکل ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ زندہ آدمی نے اپنے نیچے کپڑے پہنے ہوں۔"

قال الذین یریدون الحیوٰۃ الدنیا۔ کہا ان لوگوں نے جو حیوٰۃ دنیا کا ارادہ رکھتے تھے جیسا کہ انسانی فطرت ہے کہ انسان اپنی بشریت کے تقاضا پر دنیا کی فراوانی اور وسعت چاہتا ہے۔ یالیت لنا مثل ما اوتی قارون۔ کاش ہمارا بھی ایسا مال ہوتا جیسے قارون کو دیا گیا ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ کیا کہ اے میری آرزو آجا یہی تیرے آنے کا وقت ہے۔

نکتہ: اس کی مثل دنیا کی تمنا کی تاکہ حسد کا ابہام نہ ہو اس لیے کہ وہ مومن تھے اور مومن کسی پر حسد نہیں کرتا۔ انہ لذو حظ عظیم۔ بیشک وہ دنیا میں وافر حصہ والا تھا۔

حل لغات: راغب حظ اس نصیب کو کہتے ہیں جو انسان کے مقدور میں ہو یہی اُن کی تمنا کا خلاصہ اور ان کے نصیب کی تاکید ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس آیت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن کو لازم ہے کہ وہ ایسی آرزو نہ کرے جو اس کی گمراہی کا سبب بنے اور کثرت مال و اسباب گمراہی کا بہت بڑا سبب ہے۔ کما قال ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنیٰ۔ یعنی انسان سرکشی کرتا ہے جبکہ غنا پاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندے کو اتنا مال دیا جائے جو اس کی کفایت کرے اور زندگی بسر کر سکے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اے اللہ آلِ محمد کا رزق اتنا مقرر فرما جو اُن کی زندگی کو کفایت کرے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی۔ اے اللہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے پاک دامنی اور بہ کفایت مال عطا فرما اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے اسے بکثرت مال و اولاد دے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ: "مبارک ہو اسے جو اسلام سے نوازا گیا اور اس کی زندگی کفایت شعار اور اسے دولت قناعت نصیب ہو۔"

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گنج زرگر نبود گنج قناعت باقیست
آنکہ آں زر داد بشاہاں بگدایاں ایں داد

ترجمہ: اگر زر کا خزانہ نہ ہو قناعت کا خزانہ تو ہے۔ اس کریم نے بادشاہوں کو زر دی اور گداؤں کو قناعت بخشی۔

اور فرمایا ؎

ہمائے چون تو عالی قدر حرص استخوان حیفست
دریغا سایۂ ہمت کہ برنا اہل افگندی

ترجمہ:۔ اے ہما تیرے جیسا عالی قدر کون لیکن جب تجھے حرص ہو تو افسوس اور ہما پر افسوس ہے کہ اُس نے اپنا سایہ نااہل پر ڈالا۔

دریں بازار اگر سودیست با درویش خرسندست
الٰہی منعم گردان بدرویشی وخرسندی

ترجمہ:۔ اس بازار کا نفع اور خوشی صرف درویش کو ہے اے اللہ منعم بنا اور درویشی وخرسندی بھی عطا فرما۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہر سفلہ پے بگنج قناعت کجا برد
ایں نقد در خزینہ ارباب ہمتست

ترجمہ:۔ نااہل قناعت کو کب اختیار کرتا ہے یہ نقد تو درویشوں کے خزانے میں ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نیرزد عسل جان من زخم نیش
قناعت نکوتر بدو شاب خویش

ترجمہ:۔ زخم نیش کھا کر شہد حاصل کرنا اچھا نہیں قناعت اچھی شے ہے اسے اپنے کاندھوں پر ڈال دے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بنی اسرائیل نے دنیا کی زینت کو نہ دیکھا لیکن اس کے کمینہ پن اور اس کی خساست کو نہ دیکھا اور وہ ذلیل ہونے کے علاوہ قلیل متاع والی بھی ہے وہ اس لیے کہ انھوں نے ظلمات صفات نفس کے پیدا شدہ دنیا اور اس کی زینت کے بچے کے لذیذ گوشت کی غذا ہوئی تھی۔ اسی لیے انھوں نے دنیا اور اُس کی زینت کو صفات ظلمات نفس دیکھتے تھے حالانکہ اس سے قبل وہ نور صفات قلب سے دیکھتے تھے اور ان کی نظروں میں آخرت کی عزت زیادہ تھی اور اس کی عظمت کے قائل تھے اور دنیا کی خست وذلت سے بھی واقف تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ رضاع طبائع کو تبدیل کر دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وقال الذین اوتوا العلم : اور وہ لوگ جو آخرت کا علم رکھتے تھے اور دنیا کی ذلت وخساست سے واقف تھے۔ انہوں نے آرزو کرتے ہوئے کہا ویلکم اے دنیا کے طالبو! تم پر خرابی ہو یہ ہلاکت کی دعا کے وقت بولتے ہیں یعنی تم پر اللہ تعالیٰ عذاب

لازم کرے۔ اس لفظ کو پسندیدہ اُمور سے روکنے کے لیے زجر و توبیخ کے طور پر بولتے ہیں۔ اس کی تحقیق سورۂ طٰہٰ میں گزری ہے۔ ثواب اللّٰہ۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا ثواب۔ خیر۔ تمہاری آرزو سے بہتر ہے۔ لمن اٰمن و عمل صالحا اس کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ فلہذا تمہارے لیے لائق نہیں کہ تم ایسی آرزو کرو جو ثواب و نعمت الٰہی کو کفایت نہ کرے۔ ولا یلقاھا۔ اور اس کی توفیق نہیں دیا جائے گا۔ (کذا فی الجلالین) اور کرامت سے ثواب وجنۃ مراد ہے۔ بنی اسرائیل کے علماء کی عبارت کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ولقاھم نضرۃ وسرورا سے تعبیر فرمایا ہے اور لا یلقا بمعنی لایعطی ہے۔ لقی بمعنی اعطی ہے۔ اس کا معنیٰ استقبال بھی آیا ہے جیسے کہا جاتا ہے لقیتہ بمعنی استقبلتہ اور تلقیہ بمعنی تلقین بھی آیا ہے یعنی دل اور زبان سے دنیا کی نفرت اور کسی کو نہیں۔ الا الصابرون۔ مگر ان لوگوں کو طاعات پر اور زینت و شہوت سے صبر کرتے ہیں۔ ؎

اہل صبر از جملہ عالم برترند
صابراں اوج گردوں بگذرند
ہر کہ کارد تخم صبر اندر جہان
بدرود محصول عیش صابراں

ترجمہ:۔ اہل صبر جملہ عالم سے برتر نہیں صابر لوگ گردش آسمان سے دور ہیں وہ جو کچھ صبر کا بیج بوتا ہے وہی آخرت میں بہتر عیش حاصل کرے گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ فَخَسَفنا بہ و بدارہ الارض

حل لغات :۔ اہل عرب کہتے ہیں خسف المکان یخسف خسوفا۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی زمین میں دھنس جائے۔ (کذا فی القاموس) اور کہتے ہیں خسف القمر یعنی چاند کی روشنی زائل ہوگئی اور کہا جاتا ہے عین فاسفۃ یہ اُس وقت کہتے ہیں جب اس کی تیزی غائب ہو جائے۔ اور یہ بار تعدیہ کی ہے اب معنٰی یہ ہُوا کہ ہم نے قارون اور اُس کی بلڈنگ کو زمین میں دھنسا دیا۔

قارون زمین میں دھنس گیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہُوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو فرمایا کہ ایک ہزار دینار سے ایک دینار اور ایک ہزار درہم سے ایک درہم اور ایک ہزار بکری سے

ایک بکری زکوٰۃ حصہ دے اور یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اسوقت زکوٰۃ کا دسواں حصہ ادا کرنا واجب تھا۔ مال کی چوتھائی زکوٰۃ دینے والا قول غلط ہے۔ قارون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زکوٰۃ کا حکم سُنا تو اپنی جائیداد کا حساب کیا تو بہت سا مال زکوٰۃ میں ادا کرنا پڑتا تھا۔ بخل و حرص و ہوا نے قارون کو ادائیگی زکوٰۃ سے روکا۔ اس پر قارون نے بنی اسرائیل کو بلا کر کہا کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کے ہر حکم کی اطاعت کی تو اب وہ تمھارے مال پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ اُنہوں نے کہا تو ہمارا بڑا ہے تو جو حکم دے گا ہم پورا کریں گے قارون نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو برسرِ اجلاس رسوا کیا جائے پھر رسوائی سے نہ وہ کسی سے بات کر سکیں گے نہ ہی اسے کوئی منہ لگائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ فلاں رنڈی کو میری طرف سے بہت بڑے انعام کا لالچ دو تاکہ وہ برسرِ اجلاس حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگا دے۔ جب وہ مان جائے اور ایسے ہی کہہ دے جیسے میرا خیال تو موسیٰ علیہ السلام کو تمام لوگ چھوڑ دیں گے اور وہ اکیلے رہ جائیں گے۔ اسی رنڈی کو بلایا گیا اور اسے ایک ہزار دینار اور سونے کے تھال کا لالچ دیا گیا اور کہا گیا کہ کل جب بنی اسرائیل عید کے اجتماع میں جمع ہوں تو ایسے ہی کہہ دینا بات طے ہو گئی۔ چنانچہ کل عید کا دن تھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اجتماع میں تقریر فرما رہے تھے اور فرمایا کہ جو چوری کرے گا ہم اس کے ہاتھ کاٹیں گے اور جو زنا کرے گا اور اگر شادی شدہ ہو تو ہم اسے درے ماریں گے اور اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو ہم اسے سنگسار کریں گے۔ اس پر قارون بولا کہ اگر آپ بھی زنا کریں (معاذ اللہ) تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر چہ میں خود بھی۔ اُس نے کہا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ آپ نے (معاذ اللہ) فلاں رنڈی سے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے لاؤ۔ رنڈی کو بلایا گیا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ تجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے دریا کو چیرا اور تورات نازل فرمائی یہاں بھرے مجمع میں سچی بات کہہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے رنڈی کے دل پر ہیبت ڈال دی اور اسے سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اُس نے کہا اے کلیم اللہ (علیہ السلام) قارون نے مجھے لالچ دے کر کہا کہ میں آپ پر بہتان لگاؤں اور جھوٹا دعویٰ کروں۔ اگر چہ میں گنہ گار ہوں لیکن میں کون لگتی ہوں کہ آپ پر افترا کروں۔ یقیناً آپ زنا سے پاک ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے شکرانے کا سجدہ کیا۔ روتے ہوئے بارگاہِ حق میں قارون کا شکوہ کیا اور فرمایا کہ اے اللہ اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے قارون کو گرفت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے زمین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ آپ کا فرمان مانے۔ آپ اسے جو کچھ فرمائیں گے وہ آپ کی اطاعت کرے گی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے بنی اسرائیل جیسے مجھے اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اب تم نے قارون کی شرارت آنکھوں سے ملاحظہ کی۔ چاہو تو میرے ساتھ چلے جاؤ۔ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے۔ صرف دو مرد قارون کے ساتھ ہوئے۔ آپ نے قارون کو فرمایا اے بدبخت تو نے میری رسوائی کے لیے مجمع عام میں ایک عورت کو غلط بیانی پر مجبور کیا۔ اب دیکھ لے تیرا کیا حشر ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے زمین کو فرمایا کہ اے زمین قارون اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لے۔ چنانچہ زمین نے انھیں گٹھوں تک دھنسا دیا۔ قارون اور

اُس کے ساتھیوں نے عجز و زاری کی اور امان چاہی لیکن موسیٰ علیہ السلام نے کوئی توجہ نہ دی۔ پھر فرمایا اے زمین انہیں پکڑلے۔ زمین نے گھٹنوں تک دھنسا دیا۔ قارون اور اس کے ساتھی روئے لیکن موسیٰ علیہ السلام سخت غضب ناک تھے پھر فرمایا اے زمین انہیں پکڑلے۔ پھر زمین نے انہیں سینہ تک پھر گردن تک۔ اُس وقت قارون نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں مجھے معاف کیجئے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نہ سنی۔ بالآخر زمین نے ان تینوں کو نگل لیا۔

آں را کہ زمین کشد چوں قارون
نے موسیٰ آورد بروں نے ھارون
فاسد شدہ را روز گار بروں!!
لا یمکن ان یصلحہ العطارون

ترجمہ۔ جسے زمین قارون کی طرح دھنسائے اسے نہ موسیٰ علیہ السلام باہر نکال سکتے ہیں نہ ہارون علیہ السلام۔ اور وہ تیل جو خراب ہو جائے اسے عطار اچھا نہیں کر سکتے۔

مہربان رب

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جب آپ سے قارون فریاد کر رہا تھا تو آپ نے اس پر رحم فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر وہ مجھ سے فریاد کرتا تو میں اس کی ضرور امداد کرتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یا الہ العٰلمین میں نے تیرے غضب کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا کیا۔

قارون قیامت تک دھنسا جارہا ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے وہ زمین دھنسایا گیا۔ روزانہ انسانی قامت کے برابر نیچے دھنسایا جاتا ہے اور قیامت تک دھنستا ہوا آخری سطح تک پہنچے گا۔ صاحب لباب نے لکھا کہ انسانی قامت کے برابر روزانہ دھنسا جاتا ہے۔ نفخ صور کے وقت آخری زمین کی آخری سطح کو پہنچے گا۔

موسیٰ علیہ السّلام کے ادب سے قارون کو ایک عذاب سے نجات ملی

کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ قارون روزانہ ایک قد کے برابر روزانہ زمین میں دھنسایا جاتا ہے حسن اتفاق سے جب یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں دریا کی نچلی سطح پر پہنچے تو قارون اسی سطح پر موجود تھا تو حضرت یونس علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام کا کیا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس روز سے قارون کو دھنسانے سے

روک دیا صرف اسی لیے کہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام کی عزت و حرمت کا اظہار اور صلہ رحمی کا ثبوت دیا۔

قارون کے خزانے

جب قارون زمین میں دھنسایا گیا تو بنی اسرائیل کے چند نالائقوں نے کہا کہ قارون کو زمین میں دھنسا کر موسیٰ علیہ السلام قارون کی جائداد پر قابض ہونا چاہتے ہیں اور پھر مزے اڑائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ قارون کے خزانے اور اس کی جملہ جائیداد دھنس جائے چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گنج قارون کہ فرد میرود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ:۔ قارون کا خزانہ تاحال زمین میں دھنسا جا رہا ہے تم نے کتابوں میں پڑھا ہو گا تو یہ بھی اللہ والوں کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔

اور فرمایا ؎

احوال گنج قارون کایام داد برباد
باغنچہ باز گوئید تا زر نہاں ندارد

ترجمہ:۔ قارون کے خزانے برباد ہوئے غنچے کو کہہ دو کہ وہ اپنی دولت چھپائے نہ رکھے۔

اور فرمایا ؎

توانگرا دل درویش خود بدست آورد
کہ مخزون زر و گنج درم نخواہد ماند

ترجمہ:۔ اے دولت مند درویش کا دل خوش رکھا اس لیے کہ زر دولت اور خزانے ہمیشہ ساتھ نہیں رہیں گے۔

اولیاءِ کرام کے گستاخ کی سزا

بعض مفسرین نے فرمایا کہ قارون نے فضلِ الٰہی کو بھلا کر اپنے لیے علم و فضل کا دعویٰ کیا۔ اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ ایسے ہی انسان سے کسی کوتاہی کی وجہ سے اسرار و رموز چھن جاتے ہیں جن کا اسے علم نہیں ہوتا اور خسف الاسرار کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے سے عصمتِ الٰہی چھین لی جاتی ہے اور اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کیا جاتا ہے اور وہ اپنے فرضی دعاوی میں لاف گزاف مارتا ہے اور فضل الٰہی پہ اس کی نگاہ نہیں پڑتی اور شکرِ خدا کی بجا آوری سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس وقت سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قارون نے ایسے ہی کیا تو مارا گیا

ایسے ہی وہ تباہ و برباد ہوا جو اولیاء اللہ سے بغاوت اور ان کے بالمقابل تباہ و برباد ہوا جو ان کا مقابلہ کرتا ہے اور تکبر اور غرور کی شیخیاں بھیرتا ہے۔ تو وہ اولیاء کی نگاہ و قلب سے گر جاتا ہے جب اولیاء کرام کی نگاہ و قلب سے گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر و کرم کے لائق نہیں رہتا اور ایسے گستاخ اور بے ادب کے قلوب سے انوار و اسرار چھین لیے جاتے ہیں اسی لیے وہ بدبخت نہ ادھر کا رہتا ہے نہ ادھر کا۔ (نعوذ باللہ سبحانہ)

فما کان لہ۔ تو قارون کے ہاں نہ تھی۔ **من فئۃ**۔ کوئی جماعت۔ امام راغب نے کہا **الفئۃ**۔ وہ جماعت جو ایک دوسری کی معین و مددگار ہو جو بوقت ضرورت ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں۔ یہ "**فاء**" سے ہے بمعنی لرجع۔ **ینصرونہ**۔ جو اسے دھنسنے اور دفع عذاب کی مدد کرتی۔ **من دون اللہ**۔ درآنحالیکہ وہ نصرت الٰہی سے تجاوز کرنے والے ہوں۔ **وما کان من المنتصرین** اور وہ کسی وجہ سے بھی بدلہ لینے والوں میں سے نہ تھے۔ یہ **نصرہ من عدوہ فانتصر** سے ہے بمعنی منعہ فامتنع۔ (**واصبح**) اور ہو گئے وہ **الذین تمنوا**۔ جنہوں نے آرزو کی تھی۔ تمنی بمعنی کسی شے کا دل میں تصور جمانا اور مقدر کرنا۔ اکثر اس کی استعمال ایسی آرزو پر ہوتی ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور **الامنیۃ** بمعنی وہ صورتیں جو دل میں ہوں یہ تمنی الشئی سے ہے۔ **مکانہ** اس کے مرتبہ و جاہ کی۔ **بالامس**۔ وہ وقت جو حالیہ زمانہ سے پہلے گزرا ہو۔ یہاں کل گزشتہ کا دن مراد نہیں۔ بطریق استعارہ قریب کا گزرا ہوا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا حقیقی معنی (کل گزشتہ دن) ہے۔ **یقولون ویکان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ و یقدر** کہتے تھے۔ تعجب ہے اللہ تعالیٰ رزق بڑھاتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ فرماتا ہے۔

حل لغات: یقدر بمعنی یضیق اہل عرب کہتے ہیں قدر علی عیالہ (بالتخفیف) بمعنی قتر یعنی فلاں نے اپنے اہل و عیال کو روزی کی تنگی دی یعنی بندوں کے رزق کی وسعت اور تنگی محض اس کی مشیت و حکمت پر مبنی ہے نہ کسی کرامت سے رزق میں وسعت ہوتی ہے نہ کسی کی ذلت سے۔

تحقیق ویکأنّ

بصریون کے نزدیک یہ لفظ **وَیْ** اور **کَأَنَّ** سے مرکب ہے لفظ **وَیْ** تعجب کا ہے۔ کسی سے تعجب اور اس پر ترحم کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے **وَیْ لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِکَ**۔ اے فلاں یہ تو نے کیا کیا چنانچہ راغب نے فرمایا کہ یہ کلمہ تحسر و تندم و تعجب کے وقت مستعمل ہوتا ہے۔ **وَیْ لِعَبْدِ اللہ** اور **کَأَنَّ** تشبیہ کے لیے ہے اور کیسا ہی عجب امر ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق وسیع اور تنگ کرتا ہے اور کوفیوں کے نزدیک **ویکأن** **ویك** سے بمعنی **ویلك** ہے اور اس کے ساتھ **اَنَّ** ملایا گیا ہے۔ **ویلك** کے بعد لفظ **اَعْلَمْ** محذوف

ہے اب عبارت یوں ہوئی۔ ویك اعلم ان اللہ الخ جان لے کہ بیشک اللہ تعالیٰ الخ اور اس کا استعمال تنبیہہ علی الخطاء اور تندم پر بھی آتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنی آرزو پر متنبہ ہو کر نادم ہوئے۔ لو ان من اللہ علینا۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان و انعام فرماتا یعنی وہ ہماری آرزو پوری کرتا اور جو کچھ ہم نے دنیا کی آرزو کی تھی اس کے مطابق عمل در آمد فرماتا لخسف بنا تو وہ ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا جیسے قارون کو دھنسا دیا کیونکہ وہ کبر و عزور و بغاوت و دیگر تباہی و ہلاکت کے اسباب جو قارون میں تھے وہی ہم میں بھی ہیں۔ و یکانہ لا یفلح الکفرون اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ناشکری کرنے والوں کو کوئی کامیابی نہیں اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پا سکیں گے یا الکافرون سے رسل کرام اور اُن کے لائے ہوئے احکام کی تکذیب کرنے والے اور احکام پر عمل کرنے کے ثواب سے انکار کرنے والے مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ دنیا کی محبت نے قارون کو مال جمع کرنے پر اُکسایا اور مال جمع کرنے اور اسے بغاوت پر برانگیختہ کیا اور کثرت مال و منال اس کی ہلاکت و تباہی کا موجب بنی۔

حدیث شریف میں ہے حُبّ دنیا ہر بُرائی کی جڑ ہے۔

فائدہ: بلکہ ہر فتنہ و فساد حب دنیا سے جنم لیتا ہے اس لیے کہ جو اللہ تعالیٰ کا محب ہے وہ دنیا کی محبت میں گرفتار نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ دنیا آنی جانی شے ہے بلکہ اس کا بچھونا بہت جلد لپیٹ لیا جائے گا اور اس کی چیر اگاہ آوارہ لوگوں کی لاف گاہ ہے بلکہ خطرے سے بے خوف و خطر لوگوں کی جلسہ گاہ اور دولت میٹنے والوں کا سرمایہ اور بدبختوں کی معشوق اور نا اہلوں کی نظر کا مرکز اور خسیس لوگوں کا قبلہ اور دوست بے وفا اور دایہ بے مہر و محبت اور جمال بے نقاب دنیا کے چند دوستوں اور عاشقوں کو اس نے خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ نقش و نگار کو دیکھو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے پھنسالے اور شکار کرنے کو آئے تو گھر بیٹھے دام کے بغیر گرفتار کرے تمہیں کہے گی میں صرف تمہاری ہوں۔ حالانکہ آن کی آن میں ہزاروں عشاق اس کے مدنظر ہوں گے اور کھیگی میں بے ضرر ہوں لیکن لاکھوں کے خون پیس کر انہیں بے جان بنا رکھا ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر کس دنیا میں مہمان ہے اور اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ عاریۃ کا مال ہے مہمان چلے جاتے ہیں اور عاریۃ کی شے واپس مالک کو لوٹائی جاتی ہے۔

شرح حدیث شریف: حدیث مذکور بالا میں دنیا کو مسافر خانہ اور ہر آنے والے کو مہمان قرار دیا گیا ہے اور اس مسافر خانہ میں مہمان کو ایک سے ڈرایا گیا ہے اور پھر مہمان کو سمجھایا گیا ہے کہ یہاں سنبھل کے رہو کہ بالآخر تم نے یہاں سے کوچ کرنا ہے اور ہوشیاری سے کام لو اور

یقین کرو کہ مسافر خانہ ٹھہرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ کوچ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اسے اپنی اقامت گاہ کا تصور کرے تو وہ بے وقوف ہے پھر ایسا بیوقوف نہ گھر کا نہ گھاٹ کا نہ منزل مقصود کو پہنچے گا نہ ہی اُس کی کوئی آرزو پوری ہو گی۔ اسی لیے اے مہمان تم یہاں سے ایسے گزرو جیسے پُل سے گزرنا ہوتا ہے ورنہ تم پر شیطان مسلط ہو جائے گا۔ پھر دیکھنا بھوکا بھیڑیا ان بکریوں کا اتنا نقصان نہ کرے گا جتنا کہ تیرا نقصان شیطان سے ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الشیطٰن لکم عدو فاتخذوا عدوا۔ یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن بناؤ۔ بلکہ سو شیطان اپنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا انسان کو اپنا نفس نقصان دیتا ہے۔

حدیث شریف: "سب سے تمہارا بڑا دشمن نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں میں ہے۔"

فائدہ: قارون کو دیکھئے کہ اسے نفس اور شیطان نے مل کر کیسے دام تیز وتر میں پھنسایا کہ پہلے اسے دین سے پھیرا۔ پھر اسے دنیا میں منہ دکھانے کا نہ رکھا۔ اس بدبخت کی ازل سے قسمت بری تھی اسی لیے اگرچہ چند روز اس نے عیش اُڑائے اور ظاہری علم سے بھی اسے حصہ ملا لیکن شیطان و نفس نے اسے بری طرح ذلیل و خوار کیا۔ گویا وہ زبان حال سے کہتا ہوگا ؎

من پندارم کہ ہستم اندر کارے
اے بر سرِ پندار چون من بسیارے
اکنوں کہ نماند با قوم بازاری
در دیدۂ پنداشت زدم مسمارے

ترجمہ: میرا گمان تھا کہ میں بھی کوئی کام کر رہا ہوں اسی طرح سے میرے جیسے ہزاروں۔ اب جبکہ قوم کے سامنے میری کوئی عزت نہ رہی اسی لیے میں نے اپنی آنکھوں میں میخ گاڑ دی۔

مسئلہ: دنیا کی آرزو مذموم ہے ہاں اگر اس سے صحیح مقصد مدنظر ہو مثلاً اسے کسی کارِ خیر میں خرچ کرنا جیسے صدقہ اور خیرات۔ تو جائز ہے۔

حدیث شریف: حضرت کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے کہ تین باتوں کو قسم کھا کر سمجھاتا ہوں اور ایک کی صرف خبر دیتا ہوں۔ وہ تین یہ ہیں:-

۱۔ صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی۔

۲۔ کسی کے ظلم کرنے پر مظلوم صبر کرے تو مظلوم کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ بے ضرورت سوال کرنے سے فقر و فاقہ بڑھ جاتا ہے اور وہ ایک بات یہ ہے کہ دنیا ایک گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وہی گھر بخشا پھر وہ بندے علم و مال سے نوازا جائے تو اس پر لازم ہے کہ

تقویٰ وطہارت سے اور صلہ رحمی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں اعمال صالحہ میں زندگی بسر کرے ایسے شخص کے لیے دنیا افضل المنازل ہے ۔ دوسرا وہ بندہ جسے علم تو نصیب ہو لیکن مال و دولت سے خالی ہو لیکن اس کی نیت نیک ہو مثلاً کہے کہ میں مالدار ہوتا تو فلاں فلاں کام کرتا تو ایسی نیت کا ثواب نصیب ہو گا بلکہ جس قدر خرچ کرنے والے مالدار کو ثواب ملے گا اسی قدر ایسے نیک عالم نیک نیت والے کو نصیب ہو گا ۔ اور ایک ایسا بندہ کہ جس کی دولت تو ہے لیکن اسے علم نصیب نہیں ہے تو وہ نہ تو پرہیزگاری کرتا ہے اور نہ ہی صلہ رحمی اور نیک شے ہی نیک عمل ۔ اسی طرح وہ بندہ جسے نہ تو علم نصیب ہے نہ ہی دنیا کی دولت لیکن وہ آرزو کرتا ہے کہ کاش میرا مال ہوتا تو میں بھی فلاں فلاں کار خیر میں حصہ لیتا یا فلاں برائی کا ارتکاب کرتا تو ایسے شخص کو نیت کے لحاظ سے اجر و ثواب اور گناہ و عذاب عمل کرنے والے کے برابر ملے گا ۔ (المصابیح)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ

عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ

لِلْمُتَّقِيْنَ ○ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ

مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ

عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْ

فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ

رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ

مُّبِيْنٍ ○ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ

الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ

اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى

رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ وَلَا

تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ

تُرْجَعُوْنَ ○ ع

ترجمہ:

یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں ہی کی ہے۔ جو نیکی لائے اُس کے لئے اس سے بہتر ہے اور جو بدی لائے۔ تو بدکام والوں کو بدلہ نہ ملے گا مگر جتنا کیا تھا۔ بیشک جس نے تم پر قرآن فرض کیا وہ تمہیں پھیرلے جائے گا۔ جہاں پھرنا چاہتے ہو، تم فرماؤ میرا رب خوب جانتا ہے اُسے جو ہدایت لایا اور جو کھلی گمراہی میں ہے۔ اور تم اُمید نہ رکھتے تھے کہ کتاب تم پر بھیجی جائے گی۔ ہاں تمہارے رب نے رحمت فرمائی تو تم ہرگز کافروں کی پشتی نہ کرنا ——— اور ہرگز ———

وہ تمہیں اللہ کی آیتوں سے نہ روکیں بعد اس کے کہ وہ تمہاری طرف اتاری گئیں۔ اور اپنے رب کی طرف بلاؤ اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا۔ اور اللہ کے ساتھ دوسرے خُدا کو نہ پوج۔ اس کے سوا کوئی خُدا نہیں ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔ اُسی کا حکم ہے۔ اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ:

تلك الدار الاخرة۔ یہ اشارہ تعظیمی ہے یعنی وہ بہشت جس کی تم نے خبر سنی اور اس کے اوصاف تمہارے ہاں پہنچے ہیں۔ الدار۔ تلک کی صفت ہے اور وہ اپنی صفت سے مل کر مبتدا اور اس کی خبر نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض۔ علو بمعنی ارتفاع و غلبہ و تسلط جیسا کہ فرعون نے کیا جس کا ذکر سورۃ ہذا کے اول میں مفصل طور پر ہوا ہے۔ کما قال۔ ان فرعون لعال فی الارض ولا فسادا بمعنی ظلم و لوگوں پر زیادتی کرنا جیسے قارون نے کیا چنانچہ ابھی ناصح کی زبان سے گزرا کہ ولا تبغ الفساد فی الارض۔ آیت میں ترک ارادہ میں مبالغہ مطلوب ہے یعنی وہ ان کے علو و فساد کے ارادہ کو بھی گوارہ نہیں کرتا چہ جائیکہ ان کا ارتکاب کرے آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم ان کے لیے کرتے ہیں جو زمین پر تکبر اور فساد کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔ والعاقبة نیک انجام للمتقین ان لوگوں کے لیے جو تکبر اور فساد اور ایسے اقوال و افعال سے بچتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔

سبق:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کے دل میں تصوّر ہو کہ میرے جوتے کا تسمہ فلاں شخص کے تسمے سے بہتر ہے تو یہ بھی تکبر میں داخل ہے یعنی جو شخص اپنے لباس کو دیکھ کر اپنے اُوپر تعجب کرے تو وہ بھی متکبر ہے۔

سیرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بازار میں اکیلے چلتے پھرتے تھے حالانکہ آپ اُس وقت خلیفہ وقت تھے بازار میں گمراہ کو حق کی تلقین فرماتے اور ضعیف و ناتوان کی امداد کرتے اور سبزی فروش و دیگر دکان داروں کو فرماتے یاد رکھو

تلک الدار الاخرۃ ۔ (وہ دارِ آخرت)

شانِ نزول: مروی ہے کہ یہ آیت ان حکام کے حق میں نازل ہوئی جو اہل عدل و تواضع تھے ۔ اسی طرح ان لوگوں کے حق میں جو لوگوں سے زیادہ دولت اور شان و شوکت کے مالک تھے ۔

فائدہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اس آیت کو بار بار پڑھتے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوا ۔

سیرت رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تواضعًا بکری کو خود دوہتے اور گدھے پر سوار ہوتے اور آزاد لوگوں کے علاوہ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور مساکین و فقراء کے ساتھ نشست و برخاست فرماتے ۔

نسخۂ روحانی: بزرگوں نے فرمایا کہ تکبر سے بچو اور اپنے اندر ذلت و انکساری اور عاجزی پیدا کرو اگرچہ تم دنیا میں بہت بڑا مرتبہ پا جاؤ تو پھر کیا ہوا اور حق سے بلند تر اور کیا ہے ۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خلقِ خدا میں حق کی وجہ سے تمہارا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور خود سوچو کہ تم مٹی سے پیدا کیے گئے ہو ۔ پھر تم اپنی ماں (زمین) پر اکڑ کر نہ چلو یہ نہایت نامناسب ہے ۔

عابد بنو زاہد بنو لیکن کیا فائدہ جب تمہارے اندر تکبر ہو ۔ ہاں اپنے ہمجولیوں سے تواضع اور انکساری میں بلند مرتبہ بنو تو پھر تمہارا کمال ہے ۔ بہر حال تکبر ہر حالت میں قبیح ہے اس لیے کہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ مخلوق پر جتنا بڑائی کرو گے اتنا ہی خدا تعالیٰ سے محجوب ہو گے ۔ اگر تمہیں اس کا علم ہو جائے تو تم کبھی تکبر نہ کرو بلکہ ہر وقت خاضع و خاشع رہو ۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ کل قیامت میں ایک گروہ مقعد صدق میں مقیم اور مقربین حضرت جبروت ہو گا ۔ تو انہوں نے دنیا میں اپنی برتری و سرداری کیا تھا اور تمام لوگوں سے اپنے آپ کو کمتر و کہتر بنا رکھا تھا اور کبھی اپنے آپ کو اچھا نہ دیکھا ۔

حکایت: ایک بزرگ وفات سے فارغ ہو کر لوٹا تو اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے اہل موقف کو کیسے پایا فرمایا کہ اگر میں ان میں نہ ہوتا تو یقینًا ان کی بخشش ہو جاتی ۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بزرگے کہ خود را از خرداں شمرد
بدنیا و عقبیٰ بزرگی ببرد

تو آنکہ شوی پیش مردم عزیز
کہ مر خویشتن را نگیری بچیز

ترجمہ:۔ وہ شخص بزرگ ہے جس نے اپنے آپ کو کمتروں میں دیکھا سمجھو اس نے دارین کی بزرگی حاصل کی۔ تم اپنے آپ کو لوگوں سے معزز سمجھتے ہو پھر کیا حاصل کرو گے۔

حکایت ابلیس:۔ ابلیس لعین کو کسی نے دیکھ کر فرمایا اے ابلیس مجھے نصیحت کیجئے۔ ابلیس نے کہا کہ انا (میں) نہ کہنا ورنہ میرے جیسے ہو جاؤ گے۔ میں کہنا شریعت میں زندیقی اور طریقت میں شرک ہے جب شریعت کے مقام پر ہو تو یہی سمجھنا کہ سب کچھ اسی سے ہے شریعت قال ہے اور طریقت حقیقت حال۔ اقوال و افعال کو تم صحیح کر لو احوال وہی خود پیدا فرما دے گا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ نفس کو دیکھنا علو فی الارض ہے اور دنیا کو دیکھنا فساد فی الارض ہے اور دنیا شیطان کی بنائی شراب ہے جس نے اس سے ایک گھونٹ پیا وہ قیامت تک بیہوش رہے گا۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ خطرات فی القلب کا نام علو اور اعضاء کو بے راہ رو بنانا فساد فی الارض ہے جس کے قلب میں حب ریاست و جاہ و حظوظ النفس اور اس کے اعمال میں ریاد و سمعہ ہو وہ کبھی مقام قرب کو نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح جس کے قلب میں برا عقیدہ اور اعضاء میں عبادت غیر اللہ اور دعوت غیر اور اموال و اسباب کے حرص اور اور دوسروں کی عزت پر حملہ اور گناہوں کو شیر مادر سمجھنے کی عادت ہو وہ کبھی بھی بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ وہ شیطان کا ساتھی ہے اور شیطان کے تمام دوست و احباب جہنم میں جائیں گے۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس میں فراعنہ و جبابرہ و اکاسرہ و الاکمبر ہو سمجھو اس کی بشریت کی زمین میں علو ہے اور جس روحانیت میں ابلیسی دماغ ہو وہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہے اور بعض ارواح میں ہاروت و ماروت کی ملکیت ہوتی ہے اور یہ دونوں قسم کی روحیں مذموم ہیں اور فساد فی الارض بھی یہی ہے کہ نظر الی غیر اللہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس بندے کو عالم ملکوت و غیب کی شاہی بخشتا ہے جس کا دل طلب علو سے پاک ہو اور بنظر محبت غیر کو نہ دیکھے بلکہ اپنے جملہ امور مالک حقیقی کو سپرد کر دے اور اپنے آپ کو درمیان سے خارج کر دے۔ پھر یہ حال ہوگا کہ

ع   ہر کہ خواہی بکن کہ ملک تر است

جو چاہو سو کرو کیونکہ یہ سارا مالک تمہارا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو حقیقت تقویٰ کے دامن کو پکڑتے اور اعتراض و انقباض و دعویٰ سے محفوظ و مصنون ہیں۔

تفسیر عالمانہ: من جاء بالحسنۃ جو قیامت میں نیکی لائے گا۔ فلہ تو اس کے مقابلہ میں خیر منہا ذاتاً اور وصفاً و قدراً اس سے بہتر حاصل کرے گا۔ یہ بہتری اعمال کے لحاظ

سے تو اس لیے کہ اعمال اعراض ہیں اور اس کا صلہ جواہر ہوں گے اور مال کے لحاظ سے اس لیے کہ مال دنیا کے اگرچہ بہترین متاع سے ہے تب بھی آخرت کی نعمتوں سے اسے مناسبت نہیں اور وصف کے لحاظ سے اس لیے کہ آخرت کی نعمتیں باقی اور ہر درد و الم اور ہر کمی اور عیب سے پاک ہیں اور قدر کے لحاظ سے اس لیے کہ ہر نیکی کا بدلہ میں دس اجر ملیں گے۔ ایک اس کے عمل کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے زائد عطا فرمائے گا اور ظاہر ہے کہ دس ایک سے بہتر ہے۔ بعض صوفیہ کرام نے فرمایا کہ حسنۃ سے معرفت مراد ہے اور اس کے بدلے دیدار الٰہی نصیب ہو گا اور یہ معرفت سے بہتر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے اعراض عما سوی اللہ مراد ہے اور اس کی جزا عطائے الٰہیہ مراد ہے اور وہ اعراض عن غیر اللہ سے بہتر ہے اس لیے کہ اعراض کو مخلوق سے تعلق ہے اور مخلوق اور اس کا تعلق فانی ہے اور عطائے الٰہیہ کو حق سے تعلق ہے اور حق اور اس کا تعلق باقی اور قدیم ہے۔

ومن جاء بالسیئۃ۔ اور وہ جو برائی لائے گا مثلاً شرک ریا جہل وغیرہا۔ **فلا یجزی الذین عملوا السیئات۔** یہاں پر ضمیر کے بجائے اسم ظاہر اس لیے لایا گیا ہے تاکہ برائی کرنے والوں کی مذمت ہو کہ ان کی برائی کو بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عقلمند انسان برائی کے ارتکاب سے باز رہتا ہے۔ ؎

ہر چہ در شرع و عقل بد باشد
نکند ہر کہ باخرد باشد

ترجمہ:۔ جو عمل شرعاً و عقلاً برا ہے۔ عقلمند اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔

الا ما یعملون۔ یعنی جو لوگ برائی کا ارتکاب کرتے ہیں انھیں اتنا قدر جزا ملے گی جتنا وہ عمل کرتے ہیں۔ **مثل** کا لفظ حذف کر کے اس کے عوض ما کانوا یعملون لایا گیا ہے تاکہ مماثلت میں مبالغہ ہو۔

مسئلہ:۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خبر دی ہے کہ برائی کی سزا دوگنی ہے ہوتی یہ اس کا فضل اور رحمت ہے اور عدل و انصاف ہے کہ سزا برے عمل کے مطابق دی جاتی ہے۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ جس قول و فعل سے فتویٰ و تقویٰ مانع ہوں اس سے احتراز کرے اس لیے کہ ہر حکم شرعی (فتویٰ و تقویٰ) کی جزا و سزا ضروری ہے۔ دنیا میں جلدی سے یا بدیر یا پھر آخرت میں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر چہ بر تو آید از ظلمات و غم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ:۔ جو کچھ تجھے تکالیف اور غم پہنچتے ہیں وہ تیری بے شرمی اور گستاخی کی وجہ سے ہیں۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دکاندار سے ایک کھجور خریدی جب اپنی قیام گاہ میں پہنچے

اور کھول کر دیکھا تو وہ دو تھیں سمجھا کہ یہ اس دکان سے میری اپنی خریدشدہ ہیں۔ انھیں کھالیا۔ اس کے بعد بیت المقدس میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک قبہ ہے جسے صخرہ سے موسوم کرتے ہیں اس کے اندر داخل ہوئے اور پورا دن وہیں پر گزارا۔ وہاں کی رسم تھی کہ مغرب کے بعد وہاں سے سب کو نکال دیتے تھے اس خیال پر کہ یہاں رات کو ملائکہ تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ سب کو وہاں سے نکالا گیا لیکن حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے نہ دیکھا اسی لیے وہ اندر رہ گئے رات کے وقت فرشتے آئے۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہاں کسی آدم زادے کی بو آتی ہے دوسرے نے کہا یہ ابراہیم بن ادہم خراسان کے زاہد ہیں دوسرے نے کہا کہ وہی ابراہیم ہیں جن کی ہر روز نیکیاں آسمان پر جاتی ہیں اور فوراً قبول ہو جاتی ہیں۔ پہلے نے کہا ہاں یہ وہی ہیں لیکن افسوس کہ ایک سال سے اس کی نیکی قبول نہیں رہی صرف اسی کھجور کھانے سے جو اس نے دکاندار سے لی اور اس کے ساتھ دکاندار کی کھجور اس کے ساتھ مل گئی اور اس نے کھا لی بلکہ نہ صرف نیکی قبول نہیں ہوتی اس کی دُعا بھی مستجاب نہیں رہی۔ اس کے بعد فرشتے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ صبح ہوئی تو صخرہ کے خادم نے دروازہ کھولا اور حضرت ابراہیم بن ادہم صخرہ سے نکل کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور اسی دکاندار کے ہاں پہنچے وہاں ایک نوجوان دکاندار کو دیکھا جو کھجوریں بیچ رہا تھا۔ اسے السلام علیکم کے بعد فرمایا کہ گزشتہ سال یہاں پر ایک بزرگ کھجوریں بیچتے تھے وہ کہاں گئے۔ اُس نے عرض کیا کہ وہ میرے والد بزرگ تھے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کھجوروں والا واقعہ بیان فرمایا۔ نوجوان نے کہا کہ میں نے اپنا حصہ آپ کو بخش دیا لیکن میری والدہ اور بہن بھی ہیں کا اس میں حصہ ہے ان سے اگر معاف کرانا چاہیں تو وہ گھر پر ہیں حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے گھر پہ جا کر دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بڑھیا باہر آئی جو عصا کے سہارا پر چلتی تھی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنا کھجوروں کا حال سنایا۔ بڑھیا نے کہا میں اور میری لڑکی نے آپ کو معاف کیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بیت المقدس کو روانہ ہو گئے اور اسی قبہ میں داخل ہوئے اور ملائکہ رات کو تشریف لائے اور کہنے لگے کہ وہی ابراہیم بن ادہم جن کی ایک سال سے دُعا مستجاب نہ ہوتی تھی اب عبادات بھی منظور کر لی ہے اور دُعا بھی مستجاب ہونے لگی اور اس کے درجات بھی بلند فرما دیئے۔ اس پر حضرت ابراہیم خوشی سے رو پڑے۔ اس کے بعد آپ ہفتہ کے بعد صرف اس طعام سے افطار کرتے جس کے متعلق یقین ہوتا کہ واقعی وہ طعام حلال کمائی سے حاصل ہوا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ برائیوں کی سزا برائیوں کے مطابق ہو گی اور برائی از قسم شرک ہے تو اس کی سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہو گا۔ اگر اور گناہ نہیں تو معاصی کی مقدار پر عذاب حاصل ہو گا اگر اور گناہ نہیں۔ اگر حب دنیا اور اس کی شہوات میں مبتلا رہا تو اس کی سزا حب دنیا کی مقدار میں جنت کی نعمتوں سے محرومی ہو گی۔ اگر طلب جاہ و ریاست و سلطنت دنیویہ کا گناہ ہے تو اس کی سزا ذلت و خواری اور جہنم کے

طبقات میں جانا۔ اگر آخرت کی نعمتوں اور رفع درجات کی خواہش تھی تو کمالات اور کشف شواہد حق سے محرومی کی سزا ہوگی اور معقولات وعلوم وفنون ظاہری کی لذت کا حصول مطلوب ہوگا تو کشوف علوم ومعارف ربانیہ سے محرومی ہوگی۔ اگر بقاء وجود مطلوب تھی تو تجلی صفات جمال وجلال میں فنا فی اللہ و بقاء باللہ کی نعمت سے محرومی نصیب ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ان الذی فرض علیك القراٰن۔ بیشک اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آپ پر قرآن کی تلاوت وتبلیغ اور اس پر عمل کرنا واجب فرمایا لرادك مرنے کے بعد لوٹانے والا ہے الرد بمعنی الصرف والارجاع۔ الی معاد۔ مرجع عظیم کی طرف کہ جسے دیکھ کر اولین وآخرین رشک کریں گے اسی سے مقام محمود مراد ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اعمال اور تبلیغ احکام میں مشقت اور تکلیف برداشت کرنے پر وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کو قیامت میں مقام محمود سے نوازوں گا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بہشت مراد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے بالقوہ ہم سب پہلے بہشت میں تھے۔ اس معنیٰ پر معاد کا معنیٰ صحیح ہوا ورنہ معاد تو اس مقام کو کہتے ہیں جہاں پہلے قیام ہو تو پھر کسی وجہ سے وہاں سے دوسری جگہ چلے جانے کے بعد لوٹنا پڑے۔ ہماری اُوپر والی تقریر سے معاد کا معنیٰ ہم سب کے لیے صحیح ہوا۔ امام راغب نے فرمایا کہ یہی معنی صحیح ہے اس لیے کہ اسے امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا اور اس بالقوہ کے اعتبار سے ضروری نہیں ہوتا کہ بالفعل بھی ہو تو لفظ معاد مستعمل ہو ورنہ نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لفظ معاد مکہ مکرمہ مراد ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں۔ رد فلان الی معادہ فلان مکہ کو لوٹایا گیا وہ اس لیے کہ انسان دوسرے علاقوں سے کاروبار کرنے کے بعد بالآخر اپنے شہر (گھر) لوٹتا ہے اور یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی (جحفہ بتقدیم الجیم المضمومۃ علی الحاء الساکنۃ) یہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کے درمیان میں واقع ہے۔ یہی شام والوں کا میقات ہے (کذا فی التفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ الباری) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو اس مکان پر واپس لوٹائیں گے جو عظمت کا مرکز ہے اور جو اس سے نکل جائے گا اس سے مکہ معظمہ مراد ہے جو آپ کا دنیوی وطن ہے۔

شانِ نزول کا واقعہ

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور سے نکل کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ راستہ سے ہٹ کر چل رہے تھے اس ارادہ پر کہ دشمن پیچھا کر رہے تھے کہیں گزند نہ پہنچادیں۔ جب تسلی ہوئی کہ دشمن سے امن ہوا تو آپ سیدھے راہ پر تشریف لائے اور چلتے چلتے جحفہ کے مقام پر نزول اجلال فرمایا اور یہ ایک بستی تھی مکہ معظمہ سے اُنیس میل کے فاصلہ پر اسے مُہیعہ بھی کہا جاتا تھا

یہ غلاموں نے آباد کیا تھا اور یہ عاد کے بھائی تھے جنہیں عمالقہ نے یثرب سے نکالا۔ پھر ان پر سیلاب کا حملہ ہوا تو وہ انہیں بہا کر لے گئی۔ یہ اجحاف سے بمعنی اذہاب اس لیے اس بستی کا نام جحفہ پڑ گیا۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر نزول اجلال فرمایا تو آپ کو مکہ معظمہ یاد آگیا کیونکہ یہ آپ کا اور آپ کے آباء کا مولد اور وطن تھا اور اس میں آپ کا تمام قبیلہ آباد تھا اور حرم ابراہیم علیہ السلام ہونے کا شرف بھی حاصل تھا ؎

مشتاب ساربان کہ مرا پائے در گلست
بیرون شدن ز منزل اصحاب مشکلست
چوں عاقبت ز صحبت یاران بریدنست
پیوند با کسی نکند ہر کہ عاقلست

ترجمہ: "اے شتربان جلدی نہ کیجئے اس لیے کہ میرے پاؤں کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں اس لیے دوستوں کے گھروں سے باہر جانا مشکل ہے جبکہ دوستوں سے جدا ہونا ہے تو عاقل وہ ہے جو کسی سے تعلق نہیں جوڑتا۔"

اور کسی نے فرمایا ؎

فتنہا در انجمن پیدا شود از شور من
چوں مرا در خاطر آید مسکن و مادائی دوست

ترجمہ: میری وجہ سے انجمن میں فتنے ہیں ہیں جبکہ مجھے دوست کا مسکن اور ٹھکانا یاد کرتا ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظمہ کے لیے اشتیاق دیکھ کر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کیا آپ کو مکہ معظمہ کا اشتیاق ہے گویا آپ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا ؎

ع ممکن نہ شد شرح دہم اشتیاق را

ترجمہ: ممکن نہیں کہ میں اپنا اشتیاق بیان کروں۔

اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی اور آپ کو تسلی دی کہ آپ کو اس پر غلبہ اور فتح و نصرت دوں گا بلکہ پھر آپ اسی شہر میں بلا خوف و خطر تشریف لائیں گے۔ آپ سے وہ نہ ہوگا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوا کہ حران بلدۂ کفر سے ہجرت کر کے ارض مقدسہ کی طرف تشریف لے گئے تو پھر واپس وطن کو نہ ہوئے۔ اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام ارض مقدسہ سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں آئے تو پھر واپس نہ جا سکے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سروش غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ گیتی دژم نخواہد ماند

ترجمہ:۔ غیبی فرشتہ ہر وقت آواز دے رہا ہے کہ دنیا کی کھیتی میں کسی نے ہمیشہ نہیں رہنا۔

تفسیر صوفیانہ:۔ حضرت ابن عطار نے لکھا ہے کہ وہ ذات جس نے آپ پر قرآن کا پڑھنا آسان کیا وہی ذات آپ کو اپنے اصلی وطن کو پہنچائے گی یہاں تک کہ پھر ہر وقت اسرار و رموز کا مشاہدہ کرتے رہو گے۔

چنانچہ تاویلات الکاشفی میں ہے کہ **معاد** کا معنی ہے احدیت ذات فنافی اللہ اور جمیع صفات کے ساتھ مقام تحقیق میں باقی باللہ ہونا۔ اس کے بعد بدر والیہ یعود کا راز منکشف ہوتا ہے ؎

چوں روز بد ایں و آں را ابتداء
ہم بدو باید کہ باشد و تنہا
مو رہائے را کہ کرد از حق طلوع
جملہ را ہم سوئے او باشد رجوع

ترجمہ:۔ جب کہ اسی سے ہے ہر شے کی ابتداء تو اسی کی طرف ہے ہر شے کی انتہا اس لیے کہ جملہ انوار کا طلوع اس ذات سے ہے اس معنیٰ پر سب کا رجوع اسی کی طرف ہے۔

ربط:۔ آنے والے مضمون کو وعدہ سابق کو پختہ ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ قل ربی اعلمُ۔ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میرا رب خوب جانتا ہے۔ من جاء بالھدی۔ اسے جو ہدایت لایا اور اسے جو آخرت میں ثواب دنیا میں فتح و نصرت کا مستحق ہے۔ ومن ھو فی ضلال مبین۔ اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہے اس سے مشرکین مراد ہیں۔

فائدہ:۔ آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور گمراہ کو مقہور و مغلوب کرتا ہے اور ہر دکھ کے بعد سکھ ہے اور جو صبر کرتا ہے اس کا انجام عنقریب سامنے آجائے گا۔

سبق:۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

حکایت:۔ کوئی شخص کشتی پر سوار تھا طغیانی سے کشتی پاش پاش ہو گئی تو وہ کسی ایک جزیرے میں جا پڑا اس میں تین دن تک رہا۔ کوئی انسان وہاں دکھائی دیا اور نہ کچھ کھایا تو اس نے مثال دیتے ہوئے کہا ؎

اذا شاب الغراب اتیت اھلی
وصار القیر کاللبن الحلیب
وصار البر مسکن کل حوت
وصار البحر مرتع کل ذیب

ترجمہ:۔ جب کوا بوڑھا ہوگا اور جب کالا تیل دودھ کی طرح سفید ہوگا اور جب جنگل مچھلیوں کا گھر بنے گا اور جب دریا بھیڑیوں کی چراگاہ بنے گا تو میں گھر آؤں گا۔

اس کے یہ اشعار سن کر ہاتف نے جواب دیا

عسى الكرب الذى امسيت فيه
يكون وراءهٗ فرج قريب
فيأمن خالف ويفك عان
و يأتى اهلهٗ لرجل الغريب

ترجمہ:۔ جو جس دکھ درد میں ہے وہ عنقریب بہت بڑی کشادگی دیکھے گا۔ خوف زدہ امن پائے گا اور قیدی قید سے آزاد ہوگا اور مسافر غریب اپنے اہل و عیال میں واپس لوٹے گا۔

وہ شخص کہتا ہے کہ تھوڑی دیر گزری میرے تمام دکھ درد کافور ہو گئے۔

حُبِ وطن کے کرشمے

آیت میں حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ (وطن کی محبت ایمان کی علامت ہے) کی طرف اشارہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اوقات الوطن الوطن کہا کرتے یعنی وطن کو بہت یاد فرماتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی آرزو پوری فرمائی (یعنی آپ کو شبِ معراج اپنے اصلی وطن کی سیر کرائی گئی)۔

اہلِ عرب کے مقولے:۔ اہل عرب کہتے ہیں نحن الى اوطانها وان كان عهدها بعيد۔ ہم وطن میں ہیں اگرچہ وہ بظاہر کتنا دور رہی۔ والطير الى وكرلا وان كان موضعه مجدبا۔ پرندے اپنے گھونسلے میں خوش رہتے ہیں اگرچہ وہ معاش کے لحاظ سے تنگی میں ہوں۔ والانسان الى وطنه وان كان غيره اكثرله نفعا۔ انسان اپنے وطن میں خوش ہوتا ہے اگرچہ اس کے غیر نفع میں اس سے زیادہ ہوں۔

حکایت:۔ مروی ہے کہ حضرت اصیل الغفاری رضی اللہ عنہ آیت حجاب کے نزول سے پہلے مدینہ طیبہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تو اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا مکہ معظمہ کا حال سنائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی کھیتی ہری بھری اور اس کی وادیاں سفید ترین اور اس کی گھاس تروتازہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اصیل بس کیجئے مجھے زیادہ محزون نہ کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وطن کی محبت دل میں نہ رکھی جاتی تو ویران مقامات ویران اور غیر آباد رہ جاتے وطن کی

محبت سے ہی شہر آباد ہوتے ہیں۔

سبق: یہ صحیح ہے کہ وطن کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن اس پر لازم ہے کہ اسے ایسے مقام کو وطن بنانا چاہیئے جہاں دینداری بلکہ دین پروری کا جذبہ ہو اور وہ لوگ دینی معاملات میں اس کا تعاون کریں۔

صحبت کا گر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ صحبت کیسی ہونی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ صحبت ایسے شخص سے ہونی چاہیئے جس سے گفتگو کے ساتھ علمی اضافہ ہو اور جس کی دوستی سے دیدارِ الٰہی کی طلب کا جذبہ اور آخرت کے اعمال میں رغبت ہو۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من ایں جا زادم

ترجمہ: اے سعدی وطن کی محبت اگرچہ صحیح حدیث ہے لیکن سختی کی زندگی بسر کرنا بھی اچھا نہیں۔"

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دیا ریار مردم را مقید می کند ورنہ
چہ جائے فارسی کیں محنت جہاں یکسر نمی ارزد

ترجمہ: لوگ اپنے گھروں میں مقید رہتے ہیں اور وہاں رہنا ہی کیا جہاں انسان کی کوئی عزت نہ ہو۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دوستوں اور وطن سے جدائی برداشت کرے لیکن مالکِ حقیقی سے جدائی کی نہ سوچے۔

؎ لکل شئ اذا فارقتہ عوض
و لیس لہ ان فارقت من عوض

ترجمہ: ہر شے کی جدائی کا بدل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی جدائی پر بدل نہیں ملے گا۔

سبق: ماسوی اللہ کی محبت دل سے ہٹا دو قبل اس سے کہ تمھیں اضطراراً دنیا سے رخصت ہونا پڑے۔

؎ الفت مگیر ہم چو الف ہیچ با کسے
تا بستہ الم نشوی وقت انقطاع

ترجمہ: الف کی طرح کسی سے الفت مت کر تا کہ جدائی کے وقت دکھ درد نہ ہو۔

حکایت: حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سفر کرتے کرتے ایک شہر میں پہنچا۔ شہر کے اندر چلا گیا وہاں ایک بلڈنگ دیکھی اس کے ساتھ ایک نہر جاری تھی اس سے جا کر وضو کیا بلڈنگ کے اُوپر دیکھا تو ایک نوجوان نہایت حسین و جمیل لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے کہا کہ اے ذوالنون میں نے تجھے دور

سے دیکھ کر سمجھا کہ تم مجنوں ہو۔ جب آپ نے وضو کیا تو خیال کیا کہ آپ عالم دین ہیں۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو یقین ہو گیا کہ آپ عارف ہیں لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ نہ مجنوں ہیں نہ عالم ہیں نہ عارف۔ میں نے کہا وہ کیسے اُس نے کہا اگر مجنوں ہوتے تو آپ وضو نہ کرتے اور اگر آپ عالم ہوتے تو آپ بیگانے مکان کو نہ دیکھتے اور نہ ہی عورت کی طرف دیکھتے۔ اگر آپ عارف ہوتے تو ماسوی اللہ کے تصورات میں نہ ڈوبے ہوتے۔ (کذا فی جلیس الخلوۃ، وانیس الوحدہ)

تفسیر عالمانہ: وماکنت۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں تھے۔ **ترجوان یلقی الیک الکتاب۔** آپ اُمید نہیں رکھتے تھے کہ آپ پر بھیجی جائے گی۔ **یلقی بمعنی یرسل وینزل۔** یہ عجمیوں کے محاورہ کے مطابق ہے چنانچہ وہ ارسال وغیرہ کے لیے القاء (ڈالنا افگندن) وغیرہ استعمال کرتے ہیں (کذا فی کشف الاسرار)

اب معنیٰ یہ ہوُا کہ آپ کو اپنے وطن کو واپس لوٹا یا جائے گا اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ باوجودیکہ آپ اپنے لیے قرآن مجید کے نزول کے اُمیدوار نہیں تھے لیکن ہم نے اپنے فضل وکرم سے نازل فرما دیا تو جیسے یہ وعدہ پورا ہوُا وہ بھی پورا ہو گا گویا یہ وعدہ سابق کی تاکید وتقریر ہے۔ **الا رحمۃ من ربک۔** مگر رحمت ہے تیرے رب تعالیٰ سے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم نوازی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دولت قرآن سے نوازا ہے اب آپ پر لازم ہے کہ اس پر عمل کریں۔ یہ استثناء منقطع ہے۔

یہی آیت لے کر بد مذاہب بالخصوص دیوبندی۔ وہابی۔ مودودی۔ نجدی وغیرہم نبوت کا شان کم بتانے کے لیے عوام کو بہکاتے ہیں ہم اس کا جواب مندرجہ ذیل میں عرض کیے دیتے ہیں تاکہ نبوت و رسالت کے عاشق رہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ظاہر میں یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے اہل ایمان مراد ہیں اس لیے اعلیحضرت مولانا احمد رضا نے ترجمہ میں عام خطاب لکھا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب میں آپ کی قدر ومنزلت کا اظہار مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کے خطاب کے اہل صرف محبوب ہی ہیں اگرچہ خود مراد نہ ہوں بلا تمثیل یوں سمجھیے کہ بادشاہ وقت شہر کا دورہ کرے لیکن صفائی کی حالت سے ناخوش ہو کر خواص سے گفتگو کرے گا اس قاعدہ پر تمام اس طرح کے خطابات کی ایک تقریر یہی ہو گی۔ قواعد کی تقریر فقیر کی کتاب احسن البیان میں اور آیات کی تفسیر فقیر کی کتاب "احسن التحریر" میں پڑھیے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وما كنت ترجوا ان يلقى اليك الكتاب ۔ الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے الا لقاء میں اشارہ ہے کہ جیسے اکسیر تانبے کو سونا بناتی ہے ایسے ہی قرآن مجید سے انانیت کا جوہر اکسیر ہویت سے محویت نصیب نہیں ہوتی ۔

الا رحمة من ربك جب تک کہ تیرے رب تعالیٰ کی رحمت نہ ہوا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خصوصیت حاصل ہے کہ دوسرے انبیاء کرام علیہما السلام الواح وصحف میں ظاہری طور پر نازل ہوتے اور ہمارے آقا ومولیٰ کے قلبِ اطہر پر قرآن مجید القاء کیا جس نے اکسیر کی سی صورت پیدا کی ۔ فلا تكونن ظهيرا للكفرين تو کافروں کی پشت پناہی نہ کیجئے جب تک کہ وہ کفر کا ارتکاب کرتے رہیں بلکہ آپ اہلِ ایمان کی مدد فرمایئے ولا يصدنك اور کافر ہی آپ کو روکیں ۔ عن ايٰتِ الله ۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی قرأت اور ان پر عمل کرنے سے ۔ بعد اذ انزلت اليك بعد اس کے کہ آپ پر وہ آیات اتریں اور آپ کے ہاں پڑھی گئیں ۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب آپ کو کفار نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کی دعوت دی اور کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش اور ہمارے دین کی موافقت کریں ۔

وادع الى ربك ۔ اور آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت وتوحید کی طرف بلائیں ۔ ولا تكونن من المشركين اور مشرکین کی موافقت کرکے منجملہ ان سے نہ ہو جایئے ۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اور دعوت دیتے وقت مشرکین سے نہ ہو جایئے کہ طلب حق وعشاقِ الٰہی کو جنت اور اس کی نعمتوں کو دعوت دیں کیونکہ اہلِ حق کے نزدیک بہشت کے لالچ میں عبادت کرنا بھی شرک ہے بلکہ انہیں صرف اور صرف خالصًا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں اس میں جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر تک نہ ہو ۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ آیت موادعۃ ومہادنۃ کو متضمن ہے اور یہ آیت سیف سے منسوخ ہے ۔

تفسیر عالمانہ: ولا تدع مع الله الٰهًا اخر ۔ کاشفی نے لکھا کہ ان آیات کے مخاطب حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں لیکن اس سے اُمت مراد ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کرنے کفار ومشرکین کی اُمیدوں پر پانی پھیر نا کہ کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی موافقت فرمائیں گے ۔

نکتہ: نیز اس میں اشارہ بھی ہے کہ اُمور بالا ایسے قبیح ترین کہ باوجودیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا صدور ناممکن بلکہ ممتنع ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں رد کیا ہے ۔ لا الٰہ الا اللہ ۔ اللہ واحد کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ۔ كل شيءٍ ہر شے وہ انسان ہو یا حوریں جن ہو یا شیطان اور فرشتے ہوں یا حوریں ، جنت ہو یا دوزخ اور عرش ہو یا کرسی وغیرہ ۔

هالك یہاں پر ہلاک بمعنی یعنی ہر شے فانی باطل ومعدوم ہو گی ۔ اگرچہ بعض اشیاء کا ایک لحظہ ہی سہی الا وجهه

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

شہود یار در اغیار مشرب جا ماست
کدام غیر کہ لاشے فی الوجود سواہ

ترجمہ: یار کا مشاہدہ اغیار میں ہے اور اغیار ہے کون جب اس کے سوا اور کوئی ہے نہیں۔
لہ الحکم۔ اسی کا حکم اور مخلوق میں اس کی قضا و قدر نافذ ہے و الیہ اور صرف اسی کی طرف ہے۔ ترجعون جزاء بالحق و العدل کے ساتھ قیامت میں لوٹائے جاؤ گے۔ جو اضطراراً لوٹایا گیا وہ اللہ تعالیٰ کو قہار و جبار پائے گا اور اسے اس کا پورا حساب کیا جائے گا اور جو اختیاراً لوٹایا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ معافی دینے والا اور بخشنے والا پائے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے نوازے گا اور فنا سے پہلے فنا ہونے کو اختیاری موت کہا جاتا ہے اور یہ فنا ر یوں نصیب ہوتی ہے کہ تعلقات کے حجابات ہٹ جاتے ہیں اور انانیت کا وجود مٹ جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اے برادر چو عاقبت خاکست
خاک شو پیش از آنکہ خاک شوے

ترجمہ: اے بھائی جب بالآخر مٹنا ہے تو پھر مٹنے سے پہلے ہی مٹ جا۔

فائدہ: شرح عوارف میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فھلك نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ کل اشیاء کا وجود اسی کے وجود میں آج بھی فانی ہے۔ اسے کل قیامت تمام لوگ آنکھوں سے دیکھیں گے اگرچہ خواص آج بھی اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور عوام جسے بعید دیکھ رہے ہیں وہ کل قیامت میں اسے قریب دیکھیں گے۔

ع باوجود تو زمن راست نیاید کہ منم

ترجمہ: تیرے وجود کے بالمقابل مجھے کہنا نامناسب سا ہے کہ کہوں میں بھی ہوں۔

سوائے ذات الٰہی کے کہ وہ واجب الوجود ہے اور اس کا ماسوا ممکن الوجود اور مٹنے کے لیے بنایا گیا ہے اور الوجہ یہاں پر ذات الٰہی مراد ہے۔

فائدہ: ابو العالیہ نے فرمایا کہ ہر شے فانی ہے سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا اعمال سے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر عمل قیامت میں لایا جائے گا اور فرمان ہوگا کہ اس میں امتیاز کرو کہ کونسا عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اس کے ماسوا کو دوزخ میں پھینک دو۔

فائدہ: بعض عارفین نے فرمایا وجہہ کی ضمیر شے کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ ہر شے فانی ہے مگر وہ شے جس کی جہت اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو اس کی تقریر یوں ہے کہ ہر ممکن کا وجود اور ماہیت وہ ہے جو وجود باری تعالیٰ کو عارض ہے

اگرچہ ممکن کا وجود امر اعتباری اور خارج میں معدوم ہے من حیث ہو ہو وجود کے قابل نہیں جیسے باری تعالیٰ کا وجود من حیث ہو ہو عدم کے قابل نہیں۔ چنانچہ بعض عارفین نے فرمایا کہ اعیان من حیث تعینات عدمیہ جیسے حدوث امکان یہ راجع ہے عدم کی طرف اگرچہ باعتبار حقیقت و تعینات وجود کے وجود باری تعالیٰ کے عین ہیں۔ اسی لیے عارفین فرماتے ہیں کہ مخلوق عدم ہے اور وجود کل کا کل اللہ تعالیٰ ہے اور اس قول سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں اور عرفاء اسی معنیٰ پر کہتے ہیں کہ وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور بس۔

حضرت مغربی نے فرمایا ؎

غیر تو نیست اما ہستی ہمی نماید
چوں پیش چشم تشنہ در بادیہ سرابے

ترجمہ: تیرا غیر ہے ہی نہیں اگر کوئی ہستی کسی کو نظر آتی ہے تو وہ ایسے ہے جیسے پیاسے کے سامنے سراب پانی نظر آتا ہے یعنی تمام صورتیں خیالی ہیں۔

فائدہ: حضرت شیخ ابوالحسن بکری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ماسوا اللہ سے ہر وقت پناہ مانگتا ہوں اس لیے کہ فانی پر لازم ہے کہ وہ اپنی انانیت کے وجود کے اثبات پر پناہ مانگے اور عارف تو وجود موہوم کا قائل ہے ہی نہیں بلکہ وہ حقائق توحید میں وجود موہوم کو فنا کر دیتا ہے بلکہ سر وحدۃ ذاتیہ وہویۃ الٰہیہ کی تحقیق کے درپے رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ ھُوَ ایک اکیلا حرف ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ اکیلا ہے۔ ذات میں نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ صفت میں۔ نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس کا وجود بھی ہے اور صفات بھی۔ ھُوَ در اصل ھاء ہے اور واو زائدہ ہے اور یہی نفس کی قرارگاہ ہے اسی لیے اس کا تثنیہ ھُمَا آتا ہے ورنہ قیاس کا تقاضا تھا کہ ھُوَا ہو۔ تاکہ معلوم ہو کہ وہ اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے تنہا و یگانہ ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ اسے تنہا و یگانہ جیسے زبان سے مانے ایسے ہی دل سے تصدیق کرے بلکہ دل میں اس عقیدہ کو راسخ کرے کہ اس کی ذات کے تصور باندھنے کے وقت زبان کو محسوس تک نہ ہو اور نہایت پختگی کے ساتھ اس تصور کو سامنے رکھے یہاں تک کہ عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو اور ایسے لوگ اپنے دل غیریت سے پاک و صاف رکھتے ہیں جن کے سینوں میں صرف ذاتِ حق کا تصور پختہ ہے۔

حکایت: ایک شخص جا رہا تھا تو اس سے کسی نے سوال کیا کہ کہاں سے آرہے ہو اس نے کہا ھُوَ پھر سوال کیا کہاں جاؤ گے جواب دیا ھُوَ۔ پھر پوچھا یہ کس کام کو جا رہے ہو کہا ھُوَ۔ سائل جو سوال کرتا اس کے جواب میں ھُوَ بولتا۔ کسی نے ایسے مرتبہ والے لوگوں کے لیے کہا ہے ؎

از بس کہ دو دیدہ درخیالت دارم

در ہر چہ نگہ کنم توئی پندارم

ترجمہ: میں دونوں آنکھیں تیرے خیال میں رکھتا ہوں۔ نگاہ کروں گے تو میں اسی کو تیری ذات پر گمان کروں گا۔

عابدین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عاشقین کے نزدیک مقصود صرف وہی اور مکاشفین وواجدین کے نزدیک موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے سورۂ قصص کو ۱۱۰۹ھ ربیع الاوّل کے اواخر میں ختم کی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۱۳۹۷ھ بتاریخ ۲۸ ذوالحجہ بروز سوموار صبح آٹھ بجے اس کے ترجمہ سے فراغت پائی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

وصلی اللہ علی حبیبہٖ خیر خلقہ سید الانبیاء وامام المرسلین رحمۃ للعٰلمین سیدنا ومولانا وماوانا وملجانا محمد وعلی الہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ واھلِ بیتہٖ واحبائہٖ واولیاء اُمتہٖ وعلماملتہٖ وبارك وسلم اجمعین۔

حررہٗ الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

غفرلہٗ بہاولپور ۲۸/۱۲/۹۷ھ



سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ
لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ مَنْ كَانَ
يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○
وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ
لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ
بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ○
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ

النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ ع

ترجمہ

کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور اُن کی آزمائش نہ ہو گی اور بیشک ہم نے اُن سے اگلوں کو جانچا تو ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا یا یہ سمجھے ہوئے ہیں وہ جو بُرے کام کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل جائیں گے ۔ کیا ہی بُرا حکم لگاتے ہیں جسے اللہ سے ملنے کی اُمید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے اور وہی سنتا جانتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو اپنے ہی بھلے کو کوشش کرتا ہے ۔ بیشک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے ۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم ضرور اُن کی برائیاں اُتار دیں گے اور ضرور انہیں اس کام پر بدلہ دیں گے جو ان کے سب کاموں میں اچھا تھا ۔ اور ہم نے آدمی کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان ۔ میری ہی طرف تمھارا پھرنا ہے تو میں بتا دوں گا تمھیں جو تم کرتے تھے ۔ اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ضرور ہم انھیں نیکوں میں شامل کریں گے ۔ اور بعض آدمی کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب اللہ کی راہ میں انھیں کوئی تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کے فتنہ کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھتے ہیں ۔ اور اگر تمھارے رب کے پاس سے مدد آئے تو ضرور کہیں گے ہم تو تمھارے ہی ساتھ تھے ۔ کیا اللہ خوب نہیں جانتا جو کچھ جہان بھر کے دلوں میں

ہے اور ضرور اللہ ظاہر کر دے گا ایمان والوں کو اور ضرور ظاہر کر دے گا منافقوں کو۔ اور کافر مسلمانوں سے بولے ہماری راہ پر چلو اور ہم تمھارے گناہ اُٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ نہ اُٹھائیں گے۔ بیشک وہ جھوٹے ہیں اور بیشک ضرور اپنے بوجھ اُٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ۔ اور ضرور قیامت کے دن پوچھے جائیں گے جو کچھ بہتان اُٹھاتے تھے۔

سورۃ العنکبوت مکیۃ ہے اور اس کی چھیاسٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ: الٓمٓ۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ حروف مقطعات مخلوق کو عاجز کرنے کے لیے نازل ہوئے ہیں تاکہ انہیں معلوم ہو وہ کتاب کے حقائق کی کنہ سے عاجز ہیں۔ کسی کامل کو اُس کی آگاہی نہیں۔ ع

خرد عاجز و فہم در وے کم است

عقل عاجز اور فہم اس کے ادراک سے بے خبر ہے

اس سورۃ کے پہلے حرف الف میں اسم اللہ اور لام میں لطیف اور م مجید کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ ہوں فلہذا صرف میری اطاعت کیجئے اور میں لطیف ہوں تو میری عبادت میں خلوص کیجئے اور میں مجید ہوں اس لیے کسی دوسرے کی بزرگی کو تسلیم نہ کیجئے۔

فائدہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ کسی مصیبت میں گرفتار کرنا بھی منجملہ الطاف سے ہے اس لیے کہ اس میں اس کا ارادہ ہوتا ہے کہ بندے کے جوہر کو کدورت کو ینہ سے پاک اور اس کے باطن کو علائق امکانیہ سے صاف کرے اور یہ بھی اس کی مجد و عظمت ہے کہ ہر شے اس کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتی ہے۔ اس کی تسخیر و قدرت سے کوئی شے باہر نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس کے ابتلاء کے قبول سے روگردانی کر سکتی ہے۔

دوسری تقریر: الف میں اشارہ ہے کہ وہ ہر شے سے مستغنی ہے بلکہ ہر شے اسی کی محتاج ہے چنانچہ الف کا طریقہ بتاتا ہے کہ وہ کسی حرف کا محتاج نہیں بایں معنی کہ کسی کے ساتھ اتصال کا محتاج نہیں بلکہ دوسرے حروف اسی سے متصل ہونے کے لحاظ سے محتاج ہیں۔

احسب الناس۔ الحسبان بالکسر بمعنی الظن (قاموس) المفردات میں ہے الحسبان بمعنی نقیضین میں سے ایک کا دوسرے پر حکم لگانا ہے۔

شانِ نزول: یہ ان اہل ایمان کے حق میں نازل ہوئی جو کہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے جنہیں کفار مکہ اسلام کی وجہ سے ایذا دیتے اور طرح طرح کی سختیاں ڈالتے۔ اہلِ اسلام ان سے بہت سخت پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے آیت ہذا نازل فرمائی۔

مسئلہ: آیت ہذا اگرچہ ایک مخصوص گروہ کے لیے نازل ہوئی لیکن اس کا حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رہتی دنیا تک باقی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ لوگوں نے گمان کیا ہے یعنی یہ گمان اچھا نہیں۔ **ان یترکوا** ۔ یہ کہ چھوڑ دیئے جائیں گے۔ یہ **حسب** کے دو مضمونوں کے قائم مقام ہے اس لیے کہ یہ مسند و مسند الیہ پر مشتمل ہے۔ **ان** دراصل لِاَنْ تھا۔ **یقولوا آمنا وھم** اس لیے کہ کہیں ایمان لائے حالانکہ **لا یفتنون** آزمائش نہ ہوگی ان کے اپنے اس دعویٰ میں جو ظاہر کرتے ہیں یعنی ان کا خیال ہے کہ ایمان کے اظہار کے بعد ان کا امتحان اور آزمائش نہ ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ان کو سخت تکلیفوں اور مشقتوں میں مبتلا کر کے ان کا امتحان لے گا۔ مثلاً کبھی ہجرت کا حکم دے گا تو کبھی جہاد کا امر فرمائے گا اور شہواتِ نفسانیہ کے ترک اور طاعات کی بجا آوری کا فرمان کرے گا۔ علاوہ ازیں دیگر مصائب و تکالیف جو نفوس و اموال سے متعلق ہوں گی تاکہ مخلص و منافق اور راسخ فی الدین اور مضطرب کا امتیاز ہو تاکہ صبر کر کے بلند مراتب و درجات کو حاصل کر سکیں خالی ایمان لانا اگرچہ خلوص سے ہو تب بھی دائمی عذاب جہنم سے نجات کا موجب نہیں بن سکے گا۔

؎ عاشقاں را درد دل بسیار می باید کشید
جور یار و طعنہ اغیار می باید کشید

ترجمہ: عاشقوں کو درد دل اُٹھانا ضروری ہے۔ یار کا ظلم اور اغیار کی طعن و تشنیع بھی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ **احسب الناس** ۔ وہ فراموشی شعار لوگ جو غفلت و بطالت کا شکار ہیں۔ **ان یترکوا ان یقولوا آمنا** ۔ کیا ان غافلوں کا خیال ہے کہ وہ ایسے ہی چھوڑے جائیں گے جو کہ کہتے ہیں کہ ہم تقلیداً و جہالۃً ایمان لائے اور ان کا ایمان صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہو اور ان سے کسی قسم کی آزادی و ابتلاء نہ ہو۔ **وھم لا یفتنون** اور وہ دوستی میں خلوص کی بنا پر ان کو آزمائش نہ ہوگی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دوستی کے لیے آزمائش کسوٹی ہے جیسے سونا کسوٹی سے پرکھا جاتا ہے ایسے ہی دوستی آزمائش سے پرکھی جاتی ہے۔ یوں سمجھو کہ محبت و محنت جڑواں ہیں۔ ان میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے اس میں اشارہ ہے کہ عشاق بار کے نقطے کی طرح محض رضائے الٰہی کے پیش نظر اپنے آپ کو نیچا کر دیں اور تواضع و انکساری کو اپنا شعار بنالیں تو اللہ تعالیٰ انہیں محنت کے نون کے نقطے کی طرح بلند و ارفع کر دے گا اور جو شخص تکبر و غرور کرتا ہے اور دنیا میں محنت کے نقطے کی طرح اپنے لیے رفعت و بلندی چاہتا ہے تو اسے بار کے نقطے کی طرح نیچے کر کے ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اسی لیے

عرب کا قول مشہور ہے۔

عند الامتحان یکرم الرجل او یہان۔ امتحان کے وقت یا تو انسان کی عزت بڑھ جاتی ہے یا پھر ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ اور صوفیاء کرام کا قاعدہ بھی مشہور ہے کہ من زاد قدرہ معناہ زاد قدر بلواہ جو معنیً بلند قدر ہوتا ہے تو اس کی آزمائش میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کی آزمائش اس کے دین کے مقدار پر ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا انبیاء علیہم السلام بلاؤ محنت میں مبتلا کیے جاتے ہیں بحیثیت نبوت کے پھر اولیاء بحیثیت ولایت کے اسی طرح دوسرے وہ لوگ جن کے مراتب اُن کے متصل پھر اسی طرح درجہ بدرجہ۔

فائدہ: عافیت چاہتا ہے جو ابتلاء آزمائش کی قدر و منزلت نہیں جانتا اور وہ اسے ایک عظیم مصیبت سمجھتا ہے ایسے ہی جسے اس کی قدر و منزلت معلوم ہے وہ اس سے ایسے راحت و فرحت محسوس کرتا ہے جیسے بیمار دوا اور علاج سے۔

صوفیانہ تقریر: نفوس کو آزمائش و ابتلاء میں اس لیے مبتلا کیا جاتا ہے کہ اس سے نفوس کی سستی و کاہلی دُور ہوتی اور احسن عمل کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور قلوب کو اس لیے کہ قبول نقوش غیب کے لیے زنگ و آلائش سے صفائی نصیب ہوتی ہے اور ارواح کو اس لیے کہ علائق و عوائق سے نجات پاتے ہیں۔ اور اسرار کو اس لیے کہ انہیں شاہد کشف کے حجرے میں بٹھلا کر آثار تجلی پر صبر کرنے کا اہل بنایا جاتا ہے یہاں تک کر ذاتِ حق میں فنا پاکر بقا حاصل کرے۔

انسان کو سب سے بڑی آزمائش حفظ وجود توحید کے متعلق ہوتی ہے وہ اس طرح کہ بعض مواقع انسان کو شواہد حق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس سے وہ دھوکہ کھا جاتا ہے کہ یہی حق کی ذات ہے حالانکہ اسے یہ کہنا تھا کہ یہ حق سے ہے اور ایسے مواقع پر بہت بڑے بڑے اُونچے مراتب والے مار کھا جاتے ہیں۔ بہت تھوڑے خوش قسمت اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔

فائدہ: حضرت ابن العطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ خلقِ خدا کا خیال ہے کہ دعاوی محبت کے بعد انہیں ایسے ہی چھوڑا جائے گا۔ ان سے کسی قسم کی آزمائش نہ ہوگی اور نہ ہی حقائق محبت کا ان سے کسی قسم کا مطالبہ ہوگا اور حقائق محبت کا یہ معنیٰ ہے کہ عاشق کو بلاؤ محنت اور مشکلات و مصائب سے گھیراؤ کیا جاتا ہے۔ پھر وہ ہر بلاؤ محنت سے لذت محسوس کرتا ہے ایسے عاشق کو جسمانی محنت اور قلبی مصیبت اور سری مشقت اور روحانی کلفت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور نفس کا امتحان ظاہراً امراض و محن سے ہوتا ہے اور حقیقۃً

اس کا امتحان یہ ہے کہ وہ جب سے سُن چکا ہے کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون تو اس پر لازم تھا کہ وہ عبادت و طاعت الٰہی میں زندگی بسر کرتا جب اُس نے اسی سے تکاہل و تساہل برتا تو سمجھو کہ ایسا نفس امتحان میں مبتلا ہے اور قلب کی آزمائش اس میں ہے کہ شوق الٰہی کے ہجوم و ازدحام میں گرفتار ہو اور دقتاً فوقتاً ذاتِ حق سے واردات وارد ہوں تو اُن کی حفاظت کرے اور ان کی حرمت و ہیبت سے اپنے اقوال پر کنٹرول کرے اور سِر کی آزمائش کا ایک ایسا مقام ہے جہاں مخلوق کی رسائی نہیں اور جو وہاں پہنچا اس کا لوٹنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی مخلوق کو وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے اور رُوح کی آزمائش حصول کائنات اور اس پر قبضہ اور مشاہدات ربانی سے اور اس امتحان کی کسی کو قوت و طاقت نہیں۔ بوستان عشاق کے حق میں حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دما دم شراب الم درکشند
وگر تلخ بینند دم درکشند
بلائے خمار ست در عیش مُل
سلحدار خارست باشاہ گل

ترجمہ:۔ ہر آن شراب حقیقی کا درد کھینچتے ہیں اگرچہ اس سے تلخی دیکھتے ہیں تو پھر صبر کرتے ہیں۔ شراب میں خمار کا خطرہ ہے جیسے گلاب کے ساتھ کانٹے کی تکلیف۔

نیز فرمایا ؎

نہ تلخست صبرےکہ بریاد اوست
کہ تلخی شکر باشد از دست دوست
رسیدش نخواہد رہائی ز بند
شکارش نجوید خلاص از کمند

ترجمہ:۔ اس کی یاد میں صبر کڑوی نہیں ہوتی اس لیے کہ دوست کے ہاتھ سے کڑوی شئے شیر و شکر ہوتی ہے۔ اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا نہ ہی اس کا شکار اس کی دام سے نجات چاہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ ولقد فتنا اور بیشک ہم نے امتحان لیا اور آزمائش میں ڈالا۔ الذین من قبلھم ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے اس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمت کے نیک لوگ مراد ہیں۔ یعنی اللہ کا قدیم سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ بنا برحکمت و مصلحت اس نے اپنے پیارے دوستوں محبوبوں سے ایسے ہی طریقہ جاری رکھا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کے خلاف توقع نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اہل اسلام کو ایسی

آزمائشوں اور امتحانوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اگر غور سے دیکھیں تو سابقہ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کو سخت سے سخت آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیا گیا اور اُنہوں نے صبر سے کام لیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وکاین من نبی قاتل معہ ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا۔ یعنی صورت مذکورہ ہر ایک نبی علیہ السلام اور ہر ایک اُمت کے نیک لوگوں سے ہوئی اور تم بھی یقین کر لو کہ ایمان کی تکمیل آزمائش اور امتحان سے ہوگی۔ اس کسوٹی کے بغیر ایمان نامکمل ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرا پھیرا جاتا تھا جس سے وہ دو ٹکڑے ہو جاتے باوجود اس ہمہ وہ اپنے دین حق سے ذرہ برابر ادھر اُدھر نہ ہوتے بلکہ بعض کو تو ہڈیوں اور گوشت میں لوہے کی کنگھی چبھو دی جاتی۔ تب بھی وہ اپنے دین حق پر مضبوط رہتے۔ فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان تمام اشیاء کو قدیم سے جانتا ہے بلکہ یہ اشیاء پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں تو انہیں جانتا تھا تو پھر اب انہیں جاننے کا کیا معنیٰ۔

جواب:۔ یہاں علم سے ان کا اشیاء کا تعلق مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعد اللہ تعالیٰ کے علم کا تعلق ان کے امتحان و آزمائش کے وقت موجود ہوا جیسے ان کے وجود سے پہلے اس کے علم میں تھا کہ وہ عنقریب ایسے ہوگا کہ ان میں بعض ایسے ہوں گے۔ ایمان باللہ میں صادق ہوں گے اور بعض ان میں اپنے کذب میں ہمیشہ کاذب رہیں گے۔ اسی صدق و کذب پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔ اس لیے بعض مفسرین نے لیعلمن بمعنی لیمیزن یا لیجازین لکھا ہے یعنی اُنہوں نے علم بمعنی تمیز و مجازاۃ کہا یعنی یہاں پر سبب بول مراد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علم بمعنی تعلق حالی مراد ہے جو کہ وہ تمیز و مجازاۃ کا سبب ہے۔

صادق و کاذب

جو ایام راحت و فراخی میں شکر اور تکالیف پر صبر کرے وہ صادق ہے اور جو بوقت فراخی فخر و غرور کرے اور ایام مصیبت میں جزع و فزع کرے وہ کاذب ہے ؎

در محبت ہر کہ او دعویٰ کند
صد ہزاراں امتحاں بر وے زنند
گر بود صادق کشد بار جفا
در بود کاذب گریزد از بلا

ترجمہ:۔ محبت کے دم بھرنے والے کو ہزاروں مصیبتوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر محبت میں سچا ہے تو تکالیف

برداشت کرتا ہے اگر جھوٹا ہے تو وہ مصائب سے بھاگتا ہے۔

آں بود دل کہ وقت پیچ پیچ
اندرو جز خدا نیابی ہیچ

ترجمہ:۔ وہ دل جو مصیبت کے وقت اس میں سوائے خدا کی یاد کے اور کچھ نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں صادقین کے صدق اور کاذبین کے کذب کی طرف اشارہ ہے ان کی پرکھ مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونے کے وقت ہوتی ہے جس سے مصائب و مشکلات کے وقت صبر کا اظہار ہو وہ سمجھو سچا جو ہر ہے۔ اگر اس کے برعکس جزع و فزع اور کفرانِ نعمت کے وقت شکر وزاری کا صدور ہو تو یقین کر و کہ وہ جھوٹا جوہر ہے۔ ان کے کئی اقسام ہیں:۔

۱۔ بعض حضرات نزولِ بلا کے وقت صبر اور ورود نعمت کے وقت شکر کرتے ہیں وہ صادق کہلاتے ہیں (۲) جو لوگ نزول مصائب وورود مشکلات کے وقت جزع فزع کرتے اور نعمتوں کے حصول کے وقت شکر نہیں کرتے انہیں کاذبین کہا جاتا ہے (۳) بعض وہ ہیں جو نعمتوں اور خوش حالیوں سے خوشی کا اظہار نہیں کرتے اور نہ ہی عطائے الٰہی سے نفع اندوز ہوتے ہیں بلکہ وہ دکھ درد سے خوشی محسوس کرتے اور مصائب ومشکلات کے وقت سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ صدق میں منتہی کہلاتے ہیں۔

بلاؤ رنج کے فوائد

بلاؤ رنج انسان کے لیے ایسے ہیں جیسے طعام کے لیے نمک۔ انہی مصائب و بلیات کے نزول سے اللہ تعالیٰ کے اذن سے انسان کا وجود اصلاح پذیر ہوتا ہے جیسے طعام کی اصلاح نمک کے بغیر ناممکن ہے ایسے ہی انسانی وجود کی اصلاح بلیات و مصائب کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے بلیات و مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر مصیبت و تکلیف راحت و خوشی کے لیے بمنزلہ مقدمہ کے ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ امیر نصر احمد سامانی کو اُستاد محترم بچپن میں خوب مارتا تھا۔ امیر نصر احمد سامانی نے تہیہ کیا کہ جب بڑا ہوں گا اور تختِ شاہی پر بیٹھوں گا تو اُستاد سے بدلہ لوں گا۔ جب تخت شاہی پر بیٹھا تو اسے اُستاد کی مار پٹائی یاد آئی تو خادم کو فرمایا اُستاد صاحب کو بلایئے چنانچہ خادم اُستاد صاحب کے ہاں پہنچا اور اُسے بلا کر لایا۔ اُستاد نے راستہ میں سے ایک سوکھی لکڑی اُٹھائی اور بادشاہ کے ہاں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے حال دریافت کیا تو اُستاد نے ایک میوہ اُٹھا کر پیش کیا اور فرمایا خدا تعالیٰ آپ

کی عمر دراز فرمانے یہ میوہ فقیر (استاد) کی اس بار پٹائی کا نتیجہ ہے کہ آج آپ شاہی تخت پر بیٹھے ہیں یہ میوہ حاضر ہے اور آپ فقیر (استاذ) کی خدمت سے نفع اٹھاتے تعظیم مراتب و کمالات کو نہ پہنچتے۔ بادشاہ کو استاد کی بات پسند آئی اعزاز سے اپنے ساتھ بٹھایا اور انعام واکرام سے نوازا۔

تفسیر عالمانہ:: ام حسب الذین یعملون السیئات۔ کیا وہ لوگ جو کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں انہیں خیال ہے کہ ہم نے کفر و معاصی ہر دونوں کو سیئات میں اس لیے شامل کیا ہے کہ لفظ عمل ہر دونوں افعال جوارح و قلوب کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ **ان یسبقونا** لفظ سبق بمعنی تقدم فی السیر آتا ہے یعنی چلنے میں آگے ہو جانا پھر مجازاً ہر قسم کے آگے ہو جانے کے لیے مستعمل ہونے لگا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہم سے نکل جائیں گے یا ہمیں عاجز کر دیں گے کہ ہم انھیں اعمال کی سزا نہیں دے سکیں گے۔ یہ حسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اس لیے کہ یہ مسند و مسند الیہ پر مشتمل ہے اور ام منقطعہ ہے بمعنی بل و ہمزہ اور بل سابق مضمون کے ابطال کے لیے ہے۔ لیکن یہاں پر یہ معنیٰ نہیں کیونکہ یہ پہلے حسبان کو باطل نہیں کر رہا ہے بلکہ یہاں پر بل انتقالیہ ہے بایں معنی کہ پہلے انہیں ان کے گمان پر توبیخ کی گئی کہ تم جس خیال میں ہو کہ ہم ایسے بیکار چھوڑے جائیں گے اور ہم سے کسی قسم کا امتحان و آزمائش نہ ہوگا۔ یہ خیال تمہارا غلط ہے۔

اب دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہو کر دوبارہ زجر و توبیخ کی گئی کہ یہ بھی تمہارا خیال غلط ہے۔ اور ان کا یہ دوسرا خیال تھا کہ گناہوں کے متعلق ہم سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہوگی۔

سوال:: یہ گفتگو اہلِ اسلام سے ہے اور اہلِ اسلام کا یہ گمان تو نہ تھا کہ ان سے گناہوں کی باز پرس نہ ہوگی پھر انھیں زجر و توبیخ کیوں۔

جواب:: چونکہ بعض لوگ ان میں معاصی کا ارتکاب خوب کر رہے تھے اور پھر انھیں فکرِ آخرت بھی نہیں تھی ان کے اس طور طریق کو یحسب سے تعبیر کیا چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا **ایحسب ان مالہٗ اخلدہ** **ساء مایحکمون**) کیا ہی بُرا ہے وہ امر جس کا وہ حکم لگاتے ہیں۔ یہاں پر مخصوص بالذم محذوف ہے۔

فائدہ:: کاشفی نے لکھا کہ فتوحات میں لکھا ہے کہ ان گنہ گاروں کا خیال ہے کہ برائیوں کو معاف کر دیا جائے گا ایسے غضب پر رحمت سبقت کرے گی اور وہ ایسے ہی بخش دیئے جائیں گے۔ ان کا یہ خیال ناپسندیدہ اور غلط ہے اس لیے کہ رحمت کی سبقت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان کے گناہوں پر غضب کرنا تھا لیکن رحمت نے انھیں میرے غضب سے بچا لیا ورنہ جو ان کے گناہ ہیں ان کی انھیں ضرور سزا ملے گی۔

گر گناہ تو از عدد بیش است
سبقت رحمتم از ان بیش است

ترجمہ:۔ اگرچہ تیرے گناہ گنتی سے باہر ہیں لیکن میری رحمت اس سے اور زیادہ ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ من کان یرجوا لقاء اللّٰہ جو اللہ تعالیٰ کے ملنے کے اُمیدوار ہیں۔ الرجاء اس ظن کو کہا جاتا ہے جو شے کے حصول پر مسرت و فرحت کا مقتضی ہو اس کی نقیض خوف آتی ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور لقاء اللّٰہ سے قیامت مراد ہے یعنی جہاں انسان کا انجام کار ہے وہیں پر اللہ تعالیٰ کا ملنا ہوگا اسی لیے اسے لقاء اللّٰہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوُا کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کی اُمید رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اس پیشی سے پہلے تیاری کرے یعنی ایسے اعمال کی پابندی کرے جو اجر و ثواب کے موجب ہیں اور ایسے افعال و کردار سے اجتناب کرے جو عذابِ الٰہی کا مستحق بنائیں۔ فان اجل اللّٰہ لآت بیشک اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وعدہ ضرور آئے گا۔ الاجل بمعنی ممتد زمانہ کی غایت جسے کسی امر کے لیے متعین کیا جائے۔ کبھی اسے کل زمانہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ استعمالاً پہلا معنیٰ زیادہ مشہور ہے یعنی وہ وقت جسے اللہ تعالیٰ نے حساب کے لیے مقرر فرمایا ہے اور وہ زمانہ اس لیے ضروری ہے۔ زمانہ کے اجر کا انصرام و انقطاع لازمی امر ہے اور وہ انقطاع و انصرام اسی یوم ہوگا۔ جبکہ بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے اور انہیں جزا و سزا ملے گی۔ وھو السمیع العلیم اور وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اقوال خوب سنتا۔ العلیم اور ان کے اعمال ظاہرہ اور باطنہ کو جانتا ہے۔ اس لئے اس سے کوئی شے چھپ سکے گی۔ بنا بریں بندوں پر لازم ہے کہ وہ موت و فوت سے پہلے اعمال صالحہ میں جد و جہد کریں۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ جو شخص بھی اجر و ثواب کی اُمید رکھتا ہے وہ ایسے اعمال و کردار سے دُور بھاگتا ہے جو عذاب کا موجب نہیں بلکہ وہ مجاہدات میں لگا رہتا ہے اس لیے کہ مجاہدات مشاہدات کا وارث بناتے ہیں اور جس کی زندگی ہمارے دیدار کے حصول کے لیے بسر ہوئی ہے اسے مبارک ہو کہ وہ عنقریب ہمارے جمال سے مشرف ہوگا ؎

عظمت ہمت عین طمعت فی ان تراکا
او ما یکفی لعین ان تری من قدر آکا

ترجمہ:۔ وہ آنکھ بڑی ہمت و عظمت ہے جو تیرے دیدار کا طمع رکھتی ہے۔ کیا آنکھ کو اتنا شرف کم ہے کہ وہ اس ذات کو دیکھے جس نے تجھے دیکھا۔

وھو السمیع۔ وہ مشتاقانِ غمزدہ کے گریہ کو سنتا۔ العلیم اور عشاقانِ نادیدہ اور صدق و صفا کے پیکر دل کے عجز و نیاز کو جانتا ہے۔ ومن جاھد اور وہ جو اپنے نفس سے طاعتِ الٰہی اور کفار سے تلوار کے ساتھ اور شیطان سے دفع وسواس کے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے۔ المجاھدہ اپنی جد و جہد کو صرف کرنا۔ الجہد (بالضم) یعنی دشمن کی مدافعت میں

قوت صرف کرنا۔ فانما یجاھد لنفسہ۔ بیشک وہ اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے اس لیے کہ اس کا نفع اسی کی طرف عود کرے گا۔ ان اللہ لغنی عن العالمین۔ بیشک اللہ تعالیٰ جملہ عالمین سے بے نیاز ہے اسے نہ کسی کی طاعت کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کے مجاہدہ کی حاجت اور طاعت و مجاہدہ کا حکم بھی اپنے بندوں پر رحمت و شفقت کی بنا پر ہے تاکہ طاعت و مجاہدہ سے اَجرِ عظیم پائیں۔ کما قال خلقت الخلق الخ میں نے مخلوق کو اسی لیے پیدا فرمایا تاکہ میرے سے نفع پائیں ورنہ مجھے ان سے منفعت کی حاجت نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کل کائنات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے بلکہ دونوں جہانوں میں ہر ایک اسی کی محتاجی میں ہے اور وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے ؎

بری ذاتش از تہمت ضد و جنس
غنی ملکش از طاعت جنّ و اِنس
مر اورا سزد کبریا و منے
کہ ملکش قدیمست و ذاتش غنے
نہ مستغنی از طاعتش پشت کس
نہ بر حرف او جائے انگشت کس

ترجمہ:۔ اس کی ذات ضد اور جنس سے پاک ہے۔ اس کا ملک جنّ اور آدمی کی بندگی سے بے پرواہ ہے۔ اسی کو بڑائی اور خودی زیبا ہے۔ اس واسطے کہ اس کا ملک قدیم ہے اور اس کی ذات بے پرواہ ہے۔ نہ اس کی بندگی سے کسی کی پیٹھ بے پرواہ ہے؛ اُس کے حرف پر کسی کو اُنگلی کی جگہ ہے۔

حضرت ابوالعباس جو شیخ زروق کے نام سے مشہور ہیں اُنھوں نے شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھا ہے کہ غنی وہ ہے جو ذات وصفات اور افعال میں کسی کا محتاج نہیں اس لیے کہ نہ اسے نقص واقع ہوتا ہے اور نہ ہی عارض لاحق ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کا قائل ہے وہ ہر شے سے مستغنی اور ہر شے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسے صرف اُس کی محتاجی ہوتی ہے بس۔ اسی اسم کے متعلق ہر فقر و فاقہ ظاہر فرماتا ہے۔ حضرت ابوحفص سے پوچھا گیا کہ مولا اپنے فقیر کو کیا عطا فرماتا ہے اُنھوں نے فرمایا کہ وہ اپنے فقیر کو فقر و فاقہ کی دولت سے نوازتا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ مولیٰ اپنے بندے کو اپنے فقر خاص سے نوازتا ہے اور یہی وہ اپنے بندوں سے چاہتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابن مشیش رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابوالحسن کو فرمایا کہ جب اُنھوں نے ان سے اسم اعظم پوچھا تو فرمایا کہ مولیٰ تعالیٰ کے ہاں فقر و عاجزی سے حاضری دو جب وہ تمھیں فقر اور عجز و نیاز میں کامل پائے گا تو تمھیں ہر دو عالم سے غنی بنا دے گا۔

صحت مندی کا گُر: اسی اسم کی خاصیت یہ ہے کہ جو شخص اسے کسی مرض یا بلا و مصیبت میں یاد کرے تو اس سے بلا و مصیبت اور مرض سے نجات ملے گی۔ اسم غنی کا اصلی راز یہی ہے اور اسم اعظم

بھی اسی کو نصیب ہوتا ہے جو اس کا اہل ہو۔

دولت مندی کا وظیفہ

الاحیاء میں ہے کہ مندرجہ ذیل دُعا جمعہ کی نماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے۔ وہ دُعا یہ ہے :۔

اَللّٰهُمَّ یَا غَنِیُّ یَا حَمِیْدُ یَا مُبْدِئُ یَا مُعِیْدُ یَا رَحِیْمُ یَا وَدُوْدُ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو اس دُعا پر مداومت کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ مخلوق سے مستغنی بناتا ہے اور اسے غیب سے رزق نصیب ہوگا جس کا اسے تصور تک نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ:۔ والذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت اور ایمان داروں اور اعمال صالح والوں کے لنکفرن ہم ضرور ان سے اُتاریں گے ان کے کفر بالایمان اور معاصی کو۔ انہیں طاعات وعبادات کی توفیق سے اور تکفیر بمعنی چھپانا اور ڈھانپنا اور گناہوں کو ایسا نیست ونابود کرنا گویا اُنہوں نے گناہ کیا ہی نہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا معنیٰ لکھا ہے بمعنی گناہ کو مٹا کر اس کے بجائے نیکی کو ثابت کرنا اور ان گناہوں کو معاف کرکے سزا نہ دینا۔

ولنجزینهم احسن الذی کانوا یعملون اور ہم انھیں اس عمل کی جو وہ دنیا میں نیک کام کرتے تھے بہتر جزا دیں گے مثلاً ایک نیکی پر دس نیکیاں یا اس سے بھی زائد اجر وثواب عطا فرمائیں گے اور وہ بھی ان کے اعمال کی جزا نہ ہوگی بلکہ ہمارا لطف وکرم ہوگا ؏

رسم باشد کز غنی چیزے رسد محتاج را

طریقہ ہے کہ غنی سے محتاج کو عطیات نصیب ہوتے ہیں

عمل صالح کیا ہے:۔ ہمارے نزدیک ہر وہ حکم جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وہ عمل صالح ہے اور اس کا صالح ہونا اللہ تعالیٰ کے حکم سے منسوب ہونے کی وجہ سے ہے اور جس فعل سے منع فرمایا ہے اس سے بچ جانا بھی ہمارے نزدیک عمل صالح میں داخل ہے اس لیے کہ یہ بھی اس کا ایک قسم کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فعل کی فی نفسہٖ صلاح وفساد کی کوئی حیثیت نہیں اس کی صلاح وفساد نسبت کی وجہ سے ہے۔

عقیدۂ معتزلہ:۔ معتزلہ نے کہا کہ فعل فی نفسہٖ صلاح وفساد کا حامل ہے۔ امر ونہی اسی کے ذاتی صلاح و فساد پر مرتب ہوتے ہیں مثلاً صدق ذاتی طور پر ایک صالح عمل ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کی ذاتی صلاحیت کے پیش نظر امر فرمایا ہے اور ہمارے (اہلسنت) کے نزدیک صلاح وفساد اور حسن وقبح امر ونہی پر مرتب ہوتے ہیں لیکن وہ اس کے برعکس کہتے ہیں۔

مسئلہ:۔ انسان جو بھی نیکی کا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جزا عطا فرمائے گا اور انسان اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں پائے گا جب قیامت میں اس کے ہاں حاضر ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ اس کی نیکی کا نفع انسان خود پائے گا اگرچہ بظاہر اس کی نیکی سے دوسرے بھی نفع پاتے ہیں۔

حدیث شریف:۔ صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار ہوا تھا تو میری طبع پرسی پر کیوں نہ آیا۔ بندہ عرض کرے گا یا اللہ تیری طبع پرسی کا کیا معنیٰ جبکہ تو ایسے عوارض سے منزہ اور پاک ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے میرے بندے تمہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تو اس کی طبع پرسی کے لیے نہیں گیا اگر تو اس کے ہاں چلا جاتا تو تو مجھے وہاں ضرور پا لیتا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں نے تیرے سے طعام مانگا تھا تو نے انکار کر دیا تھا یہ کیوں؟ بندہ عرض کرے گا یا الٰہ العالمین تو کھانے سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے یاد ہو گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے طعام مانگا تھا لیکن تو نے انکار کر دیا اگر تو اسے طعام کھلاتا تو آج اس کا صلہ میرے ہاں پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے نہ دیا۔ بندہ عرض کرے گا یا الٰہ العالمین تو پینے سے منزّہ ہے تو پھر پانی کا سوال کیسا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے یاد ہو گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے انکار کر دیا اگر تو اسے پانی پلاتا تو آج تو اس کا ثواب مجھ سے پاتا۔

جزا کا بدلہ

ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں ایک سال حج کے لیے گھر سے روانہ ہوا تو راستہ میں ایک بڑا سیاہ سانپ پڑا دیکھا جس نے تمام راہ گیروں کا راستہ روک رکھا تھا اور شاید پیاس سے منہ کھول رکھا تھا لیکن لوگ اس کی اصلی غرض کو سمجھ نہیں رہے تھے۔ میرے ہاں پانی کا مشکیزہ تھا میں نے اس کا منہ کھول کر اس کے آگے رکھ دیا۔ وہ میرا پانی پی کر چلا گیا اور بالکل آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم تمام لوگ حج کو چلے گئے اور فراغت کے بعد اسی راستہ سے واپسی ہوئی۔ جب اسی مقام پر پہنچے تو مجھے نیند آگئی اور قافلہ اُٹھ کر چلا گیا۔ جب میں نیند سے اُٹھا تو حیران ہو کر رہ گیا۔ لیکن مزید حیران کن یہ بات تھی کہ میری اُونٹنی کے ساتھ ایک اور اجنبی اونٹنی کھڑی تھی اور مجھے کہہ رہی تھی کہ میرے اُوپر سوار ہو جایئے میں اس پر سوار ہو گیا اور اپنی اونٹنی کو پیچھے لگا لیا یہاں تک کہ ہم صبح صادق قافلے سے جا ملے۔ قافلے تک پہنچا تو اُونٹنی بولی کہ آپ اُتریں اور مجھے رخصت عطا فرمایئے۔ میں نے نیچے اُتر کر اونٹنی سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے کہا میں وہی سانپ ہوں جسے آپ نے پانی پلایا اور میں بدلہ اُتارنے آیا تھا کیونکہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

باحسانے آسودہ کردن دلے
بہ از الف رکعت بہر منزلے
گر از حق نہ توفیق خیرے رسد
کسے از بندہ خیرے بغیرے رسد
غم و شادمانی نماند ولیک
جزائے عمل ماند و نام نیک

ترجمہ:۔ احسان سے کسی کے دل کو آسودہ کرنا ہو تو ہر منزل تک ہزار رکعت ادا کرکے پہنچنے سے بہتر ہے۔
۲۔ اگر اللہ تعالیٰ سے تجھے بھلائی کی توفیق نہ ہو تو کسی کو کسی تک بھلائی نہ پہنچے گی۔
۳۔ غم و خوشی نہ رہے گی لیکن عمل کی جزا اور نیک کام باقی رہے گا۔

تفسیر عالمانہ:۔ ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا۔ اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید فرمائی کہ ماں اور باپ کو بہتر سے بہتر خدمات پیش کرے اور اسے حکم فرمایا کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور لفظ توصیۃ معنی امر اور تصرف کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہ وہ توصیہ ہے کہ جس کا استعمال مامور بہ کے اس نفع میں مستعمل ہوتا ہے جو مامور اور غیر مامور کی طرف لوٹے اور توصیۃ بمعنی وصیت کرنا۔

امام راغب نے لکھا ہے کہ اپنے غیر کو ایسا کلمہ پیش کرنا جو وعظ پر مشتمل ہو تاکہ وہ اس پر عمل کرے۔ اسے عربی میں وصیۃ کہا جاتا ہے۔ اسی سے توصیہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وصیت زید العمرو بمعنی امرتہٗ معہدہ ومراعاتہ وان جاھداك) اور ہم نے اسے کہا کہ اگر تیرے والدین کوشش کریں اور تیرے ساتھ جنگ و جدائی کریں تو یہاں پر قلنا محذوف ہے لیکن اگر وصینا بمعنی قلنا کہا جائے تو پھر لفظ قلنا محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں لتشرك تاکہ تو میرے ساتھ شریک بنائے۔ ما لیس لك به علم اسے کہ جس کی الٰہیہ کا تجھے علم نہیں۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی به دراصل بالٰہیتہ تھا۔ مضاف کو محذوف کرکے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ الٰہیۃ کی نفی کے بجائے اس سے علم کی نفی میں اشارہ ہے۔ جس شے کے وجود کا ہی علم نہیں تو پھر اس کی اتباع کا کیا معنیٰ اور پھر جس کے بطلان کا علم نہ ہو اس کی بھی اتباع کرنا جہالت ہے۔ اس سے مزید جہالت بلکہ حماقت ہے کہ جس کے بطلان کے علم کے باوجود اس کی اتباع کی جائے فلا تطعھما تو شرک کرنے میں ان کا کہنا مان کیونکہ خالق کی نافرمانی کرکے مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔ (کما ورد فی الحدیث)

مسئلہ:۔ ایسے ہی استاذ اور حاکم وقت کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان کا فرمان نہیں ماننا چاہیئے یعنی کسی برائی کے ارتکاب کا حکم فرمائیں یا شرع کے خلاف کا حکم دیں تو ان کا کہنا نہ مانو۔ الی مرجعکم تم سب کا یعنی مومن۔ کافر و مشرک اور ماں باپ کے خدمت گار اور ان کے نافرمان کا میرے ہاں پھرنا ہے۔ فانبئکم بما کنتم تعملون تو میں تمہیں

بتادوں گا جو تم عمل کرتے تھے۔ اظہار کو تنبئہ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ ہر دونوں علم کے اسباب ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں بر سر میدان تمہارے کردار کو ظاہر فرمائے گا اور تمہیں بتادے گا کہ تم دنیا میں ہمیشہ کن اعمال کا ارتکاب کرتے تھے اس کے بعد تمہارے کردار کے لائق جزا و سزا مرتب کروں گا۔

والذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت لندخلنہم فی الصّٰلحین۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور ہم ضرور انہیں نیک لوگوں میں داخل کریں گے یعنی اس سے راسخین فی الصلاح کے زمرہ مراد۔ ہیں یعنی قیامت میں یہ لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے اور راسخین فی الصلاح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہیں اسی طرح وہ لوگ جن کا باطن اللہ تعالیٰ کے لیے صاف اور صلاحیت میں کمال درجہ کے اہل ایمان بھی اس میں شامل ہیں اور صلاح دکمال اہل ایمان کا انتہائی مقام اور انبیاء و مرسلین کے اولین مقاصد میں سے ہے۔

حکایت:۔ سعد بن مالک جو سعد بن ابی وقاص کے نام سے مشہور ہیں (رضی اللہ عنہ) آپ سابقین اولین میں سے ہیں۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا یا جب ہجرت کی (کذا فی التکملہ) تو انھیں اُن کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ نے کہا اے سعد یہ تو نے کیا کیا کہ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا۔ روشنی کو چھوڑ کر تو اندھیرے میں چلا گیا جب تک تو اپنے نئے دین کو چھوڑ کر اپنے آباؤ اجداد کے دین میں واپس نہیں آئے گا میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں گی۔ اگر میں مر گئی تو پھر تجھے لوگ پکاریں گے **یا قاتل اُمہ**۔ اے اماں کے قاتل۔ اسی طرح حمنہ نے اپنی قسم پر تین دن گزارا اور ضعف و نقاہت سے نہایت کمزور پڑ گئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امی اگر تیری ——— جان اسی طرح دکھ اور درد جھیل کر نکل جائے تب بھی مجھے کوئی پروا نہیں میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا تم کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ جب حمنہ نے دیکھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے قول میں پختہ اور مضبوط ہے تو حمنہ نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصاً اور باقی جملہ اہل اسلام کو تاکید فرمائی کہ ماں باپ کے ساتھ احسان و مروت کرو اور ان کی خدمات میں کوتاہی نہ کرو اور شرک اور نافرمانی شرع کے سوا باقی جن اُمور میں وہ راضی ہوں انہیں راضی کریں۔ ہاں جب وہ شرک یا حکم شرع کے خلاف فرمائیں تو ان کا کہنا نہ مانیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ

قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: "جب رشتہ داران میں دیانت و تقویٰ نہ ہو۔ ایسے رشتہ داروں سے قطع رحمی ہوتی ہے تو کوئی حرج نہیں۔"

مسئلہ:۔ ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ ماں باپ کا نان نفقہ اور اُن کی خدمت و زیارت واجب ہے اگرچہ کافر ہوں۔ ہاں اگر وہ کفر پر مجبور کریں تو اُن کے ہاں آنا جانا ترک کر دے۔

مسئلہ:۔ اگر ماں باپ نابینا ہوں تو اپنی عورت کو حکم دے سکتا ہے کہ وہ انھیں گرجا وغیرہ سے گھر میں لائے اس کے برعکس کا حکم نہ دے کیونکہ بت خانہ و گرجا وغیرہ ما کی طرف لے جانے میں معصیت ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اگر ذمی کافر بت خانہ وغیرہ کا راستہ پوچھے تو نہ بتائے تاکہ دلالت الی الشر میں داخل نہ ہو۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے بادشاہ کے گھر کا راستہ پوچھا تو آپ نے اسے گورستان کا راستہ دکھایا۔ بادشاہ کے لشکری کو معلوم ہوا تو آپ کو اُس نے خوب مارا جب لشکری کو آپ کی شخصیت کا علم ہُوا تو آپ نے فرمایا میں نے پہلی مار سے تجھے معاف کر دیا تھا بلکہ میں تجھے دعائیں دیتا تھا کہ تو نے میرے ظالم نفس کو خوب سیدھا کیا (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ:۔ شبہات میں والدین کی اطاعت واجب ہے۔ حرام محض کے ارتکاب کا حکم فرمائیں تو اس میں ان کی نافرمانی بھلی۔ اسی طرح امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے اس لیے کہ ترک شبہات اتقاء ہے اور والدین کی خوشنودی ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ واجبات کی ادائیگی ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ نوافل توڑ کر ماں کے بلاوے کا جواب ضروری ہے بخلاف والد کے کہ اس کے بلاوے کا جواب ضروری نہیں۔

مسئلہ:۔ طحاوی شریف میں ہے کہ اگر ماں باپ کو علم نہ ہو کہ بیٹا نوافل پڑھ رہا ہے اور بلائیں تو جواب دینا ضروری ہے اگر انہیں علم ہے کہ بیٹا نماز میں ہے تو نوافل سے فراغت کے بعد جواب دینا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ فرائض میں والدین کے پکارنے پر جواب نہ دے ہاں اگر مصیبت میں مبتلا ہو کر بلائیں تو جواب دینا چاہیئے کیونکہ ضرورت کے وقت نماز توڑنا جائز ہے۔

مسئلہ:۔ جب کسی کو دیکھے کہ وہ چھت سے گرتا ہے یا آگ میں جلتا ہے یا پانی میں ڈوبتا ہے تو نماز توڑنا واجب ہے اگرچہ نماز فرض ادا کر رہا ہو۔

مسئلہ:۔ نماز پڑھ رہا ہے تو کسی کافر نے کہا کہ مجھے اسلام کی تلقین کیجیئے یا ایک درم یعنی چار آنے کی مقدار کوئی نقصان ہو رہا ہے یا اپنے بچے وغیرہ کی جان کا خطرہ ہے تو نماز توڑ سکتا ہے۔ فرض پڑھ رہا ہے یا نفل۔ (کذا فی البزازیہ)

مسئلہ:۔ شرح التحفہ میں ہے کہ نفلی روزہ زوال کے بعد نہ توڑے۔ ہاں اگر روزہ رکھنے سے والدین کی نافرمانی لازم آتی ہے تو روزہ نفلی زوال کے بعد توڑ سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ والدین کو خدمت کی ضرورت ہو اور ان کا کفیل اور کوئی نہ ہو جنگ پہ نہ جائے اور نہ ہی حج پڑھے اور نہ ہی علم (نفلی) پڑھنے کے لیے جائے اس لیے کہ والدین کی خدمت ان اعمال مذکورہ سے افضل ہے۔

حدیث شریف:۔ قیامت میں سب سے پہلے انسان سے نماز کے متعلق سوال ہوگا پھر والدین کے حقوق کے متعلق ایسے ہی عورت سے سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ پھر آقا کے حقوق کے متعلق اگر ایک موقف میں جواب صحیح دے دیگا تو پھر دوسرے موقف پر سوال ہوگا ایسے ہی پچاس مواقف طے کرنے کے بعد کامیاب ہوا تو ورنہ عذاب جہنم میں مبتلا ہوگا۔ یاد رہے کہ ہر موقف ایک ہزار سال کا ہوگا۔

ماں باپ کی دُعا:۔ حدیث شریف میں ہے کہ اولاد کے حق میں والدین کی دُعا مسترد نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ محبوب پر بددُعا جلد تاثر کرتی ہے بالخصوص والدین کی بددعا اولاد کو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

حکایت:۔ علامہ زمخشری سے کسی عالم دین نے پوچھا کہ آپ کا پاؤں کیسے کٹ گیا تھا اس نے کہا کہ میں نے بچپن میں ایک چڑیا کو پکڑ کر دھاگے سے اس کے پاؤں کو جکڑا اور پھر اپنی طرف کھینچا تو اس کا پاؤں کٹ گیا۔ میری والدہ نے اس کی حالت زار سے سخت مغموم ہوئیں اور مجھے فرمایا بیٹا جیسے تو نے چڑیا کا پاؤں کاٹا ہے خدا کرے تیرا پاؤں بھی ایسے ہی کٹ جائے۔ جب میں علم کی تحصیل کے لیے بخارا کو گیا تو راستہ میں سواری سے گرا تو میرا پاؤں ٹوٹ گیا۔ بعض نے کہا کہ راستہ میں پاؤں سردی سے سوکھ گیا جسے پھر کاٹنا پڑا۔ اسی لیے زمخشری لکڑی کے سہارے چلتا تھا۔ (کذا فی روضۃ الاخیار)

حقوقِ اولاد علی الوالدین

ماں باپ پر واجب ہے کہ وہ اولاد کی نافرمانی کا موجب نہ بنیں یعنی انہیں ایسے عمل پر مامور نہ کریں جن سے انہیں نافرمان ہونا پڑے بلکہ ان کے لیے ایسے اُمور کا سوچیں جو ان کے لیے فرمانبرداری پر معاونت کر سکیں۔

مسئلہ:۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے صدقہ و خیرات یعنی ایصال ثواب کرنا اور ہر جمعہ اُن کی قبور کی زیارت کرنا اور ان کے لیے ہر نماز کے بعد دُعائے خیر کرنا اور اُن کے معاہدوں اور وصیتوں کو پورا کرنا بھی برالوالدین میں داخل ہے اور یہ اُمور اُن کے مرنے کے بعد کے ہیں اور ان کی زندگی میں اُن کے حقوق یہ ہیں حسبِ استطاعت انہیں نان و نفقہ دے اور اُمور شرعیہ میں اُن کے حکم کی تعمیل کرے اور اُن کے ہر معاملہ کو ترجیح دے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ووصینا الانسان الخ میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی شان کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام کی عزت و عظمت اور ان کے اعزاز اولیاء و مشائخ کے

قدر و منزلت اور اُن کے اکرام کا بیان ہے وہ اس لیے کہ والدین کے حقوق کی رعایت کے دو سبب ہو سکتے ہیں اس لیے کہ والدین اولاد کے وجود کا سبب ہیں۔ دوسرے یہ کہ والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں اور یہ دونوں انعامات والدین کے ذریعے نصیب ہوئے لیکن چونکہ والدین کو ان دونوں کے سبب بننے میں نفسانی حظ بھی اور اللہ تعالیٰ ہر ضرورت و حاجت سے منزہ اور پاک ہے اور والدین اگرچہ اولاد کے وجود کے اسباب نہیں لیکن مستقل بالبینۃ نہیں انھیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے ارادہ کی محتاجی ہے اس لیے کہ جب تک مشیت و ارادۂ الٰہی نہ ہو وہ اولاد کے وجود کے اسباب نہیں بن سکتے یہی وجہ ہے کہ اولاد محض تزوج و نکاح اور جماع وغیرہ سے پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ نہ ہو اسی لیے فرمایا یہب لمن یشاء اناثا ویہب لمن یشاء الذکور (الآیہ) اس سے ثابت ہوا کہ ایجادِ اولاد کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے اور والدین محض اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اسباب کے بغیر بھی انسان پیدا کر سکتا ہے جیسے آدم علیہ السلام کو ماں باپ کے بغیر پیدا فرمایا۔

فائدہ: اسی طرح تربیت بھی حقیقۃً اللہ تعالیٰ کرتا ہے اسی لیے کہ وہی ہر شے کا رب اور مُربی ہے اور والدین اولاد کے مجازی مُربی ہیں۔ ظاہری تربیت اللہ تعالیٰ نے اُن کے سپرد فرمائی ہے ورنہ حقیقۃً تربیت وہی کرتا ہے مثلاً نطفہ رحم میں ٹھہرا تو اُس کی تربیت فرمائی جس سے وہ علقہ (خون کی پھٹک) بنا اس کے بعد بوٹی اس کے بعد ہڈیاں بنیں پھر انہیں گوشت پہنایا۔ اس کے بعد اور صورت میں اُٹھان دی۔ اس سے واضح ہوا کہ رعایت حقوق میں اللہ تعالیٰ ہی زیادہ حقدار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے سامنے اظہارِ عبودیت کیا جائے اور والدین کے حقوق میں بھی کوتاہی نہ برتی جائے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے حقوق اللہ میں پھر حقوق والدین میں جد و جہد کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ و قضیٰ ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا۔

نبی اور ولی کی تربیت

نبی علیہ السلام اور ولی اللہ روحانیت کے اسباب ہیں کہ وہ انوارِ نبوت و ولایت اُمت اور مرید کے قلب میں ڈالتے ہیں پھر وہ اُن کی تربیت کرتے ہیں یہاں تک کہ عالمِ ملکوت میں قلب میں ایک راز پیدا ہوتا ہے چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام سے خبر دی کہ ملکوت السمٰوٰت والارض میں وہ ہر شخص داخل ہو سکتا ہے جو دو بار پیدا ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام اور ولی کامل عالم ارواح و اعلیٰ علیین اور مقام قرب کے اسباب ہیں اور والدین انسانی اجساد اور عالم اشباح و اسفل سافلین بھی مقام بعد کے اسباب ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمھارے

لیے ایسے ہوں جیسے والد اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے۔ اسی معنیٰ پر نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات اُمت کی مائیں ہیں اور حضور علیہ السّلام نے فرمایا الشیخ فی قومه کالنبی فی اُمته۔ شیخ کامل ولی اپنی قوم میں سے ایسے ہوتا ہے جیسے نبی علیہ السلام اپنی اُمت میں۔ اور جبکہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر احسان عمیم اور امتنانِ قدیم ہیں۔ اسی لیے حقوق کے بیان میں پہلے اپنا پھر والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا۔

وان جاهداك لتشرك بی ما ليس لك به علم فلا تطعهما۔ اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق اور طالبِ عاشق جب کسی شیخ کامل کا ارادۃً دامن پکڑتا ہے لیکن اس میں صداقت وطلب میں عشق اور خلوص ضروری ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ دنیا کے جمیع تعلقات سے آزاد ہو جائے نہ اسے جاہ و مرتبہ کی خواہش ہو اور نہ ہی مال ومنال کی حسب امکان طاقتِ بشری دنیا سے بچنے کی کوشش کرے اور مضبوط لوگوں کی طرح پختہ ارادہ کرے۔ حضرت حق میں واصل ہونے کے لیے ہر وقت متوجہ رہے۔ اگر کسی کے والدین اپنی جہالت اور بیوقوفی سے اپنی اولاد کو شیخ کامل کی صحبت اور اس کے صدق ارادت اور طلب حق کے روکنے اور دنیا کی طرف رغبت دیتے اور طلب جاہ واسباب اور مال ومنال کا حکم دیتے ہیں اور بے وقت انھیں نکاح کرنے پر مجبور کرتے ہیں

اس لیے کہ ان کا یہ حکم طاغوتانہ ہے اور طاغوت سے کفر کرنا ضروری ہے بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کی رسّی کو مضبوط پکڑے۔ اگر وہ شرک کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو وہ جاہل ہیں نہ انھیں اپنا پتہ ہے نہ اپنی اولاد کے مراتب کا۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ عبادتِ غیر سے اپنے آپ کو دُور رکھے اور ایسے نفسانی خواہشات اور دنیوی تعلقات سے بھی دور رہو کیونکہ صوفیہ کرام کے نزدیک خواہشاتِ نفسانی اور دنیوی تعلقات میں پھنسنا بھی شرک ہے۔ اگر والدین ایسے اُمور پر مجبور کریں تو بھی ان کا فرمان نہ مانے بلکہ نرمی وملاطفت سے انہیں سمجھائے انہیں نہ جھڑکے نہ گالی دے تاکہ وقضیٰ ربك ان لا تعبد وا الخ فرمان ایزدی پر پورا اُتر سکے۔ ہاں جتنا ہو سکے ان کے ساتھ احسان کرے اور اُن کی بات کو غور سے سن کر ان کی فرمانبرداری کرے لیکن ایسا حکم نہ مانے جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے کا سبب بنے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی طرف لوٹنے کا وعدہ یاد دلاتا ہے کہ الی مرجعکم فأنبئکم پھر اے لوگو خواہ تم کسی کے والد ہو یا اولاد میری طرف سب کا رجوع ہے تو میں جزا دوں گا۔ بما کنتم تعملون اس کی جو تم عمل کرتے ہو عبادتِ خالصہ اللہ تعالیٰ یا خواہشاتِ نفسانی کی اس وقت تمھیں معلوم ہوگا کہ تم اپنی سزا کس عمل سے پا رہے ہو۔ والذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اور اہل ایمان جنھوں نے محبت حق کی طلب کی ہو اور ایسے کام کیئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں اور حضرت حق کے لیے واصل ہیں۔ لندخلنهم فی الصالحین ہم انھیں جذبات عنائیتہ سے مقام انبیاء و اولیاء کے مقام پر فائز المرام فرمائیں گے۔ اسے تم ان شاء اللہ سمجھ جاؤ گے اور امن میں رہو گے

تفسیر عالمانہ: ومن الناس۔ اپنے مضمون کے لحاظ سے یہ مبتدا ہے بمعنی بعض لوگ اس کی خبر۔ (من یقول امنا باللہ فاذا اوذی فی اللہ) ہے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جب انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایذا پہنچتی ہے یعنی انھیں کفار ایمان کی وجہ سے دکھ درد پہنچاتے ہیں۔

اوذی صیغہ مجہول اس کی ماضی اذیٰ اور مضارع یوذی آتا ہے اذی اذیۃ سے ہے بمعنی ہر وہ شے جو انسان کے دل یا جسم یا اُس کی اولاد یا اس کے دنیوی یا اخروی معاملہ میں ضرر پہنچائے (کذافی القاموس)

جعل فتنۃ الناس۔ لوگوں کی طرف جو اسے اذیت پہنچتی ہے تو وہ اسے بناتا ہے۔ فتنہ بمعنی (آزمائش و امتحان و اختبار) اہل عرب کہتے ہیں۔ فتنۃ الذھب۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب سونے کو آگ میں ڈالا جائے تاکہ اُس کے کھوٹے کھرے کا امتیاز ہو اور اس کا محنت پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے کہ محنت و مشقت سے قلب کے کھرے کھوٹے ہونے کا پتہ چلتا ہے کعذاب اللہ آخرت میں عذاب الٰہی کی طرح کہ جیسے وہاں شدت و ہول ہوگا وہ کافر کی اذیت کو اسی درجہ میں سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جسے خوفِ الٰہی کی حمایت حاصل نہ ہو تو وہ خوفِ حق اور خوفِ باطل یعنی کافروں کی اذیت کو برابر سمجھتا ہے پھر چونکہ کفار کی اذیت کا خوف دنیا میں ہے اسی لیے اسے ترجیح دے کر دین سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اگر اسے خوفِ الٰہی کی شدت کا علم ہوتا اور اسے معلوم ہوتا کہ لوگوں کی اذیتیں عذاب الٰہی کے بالمقابل کچھ نہیں تو پھر وہ لوگوں کے عذاب سے ڈرتا ہی نہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی آرزو کو مٹا ڈالتا اور صرف اسی کی رضا کا طالب ہوتا تو نہ اسے لوگوں کا خوف ہوتا اور نہ اُن کے عذاب سے۔

حدیث شریف: جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور جو اس سے نہیں ڈرتا تو وہ اسے ہر شئے سے ڈراتا ہے۔ فرمایا:

بعض لوگوں نے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ جو ایمان سے پھر جانے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح بناتا ہے یعنی کفر میں لوٹنے سے ڈرتا ہے یا یہ کہ لوگوں کے ڈر سے ایمان پر کفر کو ترجیح دیتا ہے۔ ولئن جاء نصر من ربك اور بخدا اگر آجائے آپ کے رب تعالیٰ سے فتح و نصرت اور اہل ایمان کے لیے غنیمت۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مدنیہ ہے۔

لیقولن۔ بضم اللام من کے معنی کی وجہ سے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور جاء کو مفرد لایا گیا ہے۔ اس کے لفظ کا اعتبار کر کے چنانچہ قاعدہ اس کا بارہا گزرا ہے۔ انا کنا معکم تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے دین کی اتباع کرنے والے ہیں اسی لیے ہمیں بھی مالِ غنیمت میں شامل کیجیے۔ یہ ان ضعیف مسلمانوں کے لیے ہے جب انہیں کفار سے اذیت پہنچتی تو کفار کے ساتھ ہو جاتے اور اپنی اس موافقت کو اہلِ اسلام سے مخفی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا جو لوگوں کے دلوں میں ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ ان میں مخلص کون ہے اور منافق کون یہاں تک کہ بعد کو ان سے جو فعل صادر ہوگا یعنی مرتد ہوں گے اسے جانتا ہے اور اسے اب کا حال بھی معلوم ہے کہ اب وہ صرف مالِ غنیمت کے ہاں میں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مخلص کے اخلاص کا اور منافق کی منافقت کا علم ہے۔ ولیعلمن اللہ الذین امنوا۔ اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے خلوص کو ولیعلمن المنافقین اور اہل نفاق کی منافقت کو ظاہر فرمائے گا۔ ان کی منافقت ذاتی ہو یا کفار کی اذیت کی وجہ سے یعنی اہل ایمان کو جزا اور اہل منافقت کو سزا دے گا۔ ہم نے یہاں، حسب دستور علم بمعنی تعلق بالشئے کا معنی کیا ہے یعنی ظاہر کرنا جس پر کہ اُن کی جزا کا ترتب ہوگا اور ایمان کا

جوہر اور منافقت کی گندگی قلب میں ہوتی ہے وہ امتحان اور آزمائش کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر محنت و بلا پر صبر کرے گا تو ایمان دار ہوگا۔ اگر جزع فزع کرے گا تو منافق ہوگا جیسے کھوٹے کھرے سونے کا پتہ آگ پر رکھنے سے ہوتا ہے۔

بشکل و ہیأت انسان زرہ مرو ز نہار
تو ان یصبر و تحمل شناخت جوہر مرد

ترجمہ:۔ انسانی ڈھانچہ سے انسان کا جوہر معلوم نہ ہوگا اسے صبر و تحمل سے پہچانا جا سکتا ہے۔

اگر ناپاک بود از بلا نخواھد جست
و گر در اصل بود پاک سبر خواہد کرد

ترجمہ:۔ اگر ناپاک ہوگا تو صبر و کے وقت شور و غل کرے گا۔ اگر پاک ہوگا تو صبر و تحمل سے کام لے گا۔

آیت میں ہر مسلم کو تنبیہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں صبر اور حوصلہ کرے اور ایمان

تفسیر صوفیانہ:۔ کی حقیقت ایک نور ہے جب کسی مومن کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس سے خارج نہیں ہوتا نہ ہی خلق خدا کی اذیت میں اور تکلیفیں اس کے نور ایمان کو اس کے قلب سے نکال سکتی ہیں بلکہ توکل علی اللہ کرکے تکالیف وغیرہ برداشت کے متعلق اس کا حوصلہ بڑھتا رہتا ہے اس لیے کہ اس کا نور حقیقی ہے عارضی شے نہیں کہ عوارض سے زائل ہو جائے جیسے سورج و چاند کا نور ذاتی ہے کہ جب طلوع کرتے ہیں تو اُن کے نور میں اضافہ ہوتا ہے کسی کو کیا مجال کہ ان کے نور کو بجھا سکے یا گھٹا سکے یا نور ایمانی کو اس پتھر کی طرح سمجھو جو نہایت صاف و شفاف ہوتا ہے اور رات کے وقت چمکتا رہتا ہے۔ اس کا نور کبھی کسی عارضہ سے نہیں بجھتا اور نہ ہی گھٹتا ہے بخلاف شمع کے کہ اس کا نور عارضی ہے وہ معمولی سے عارضہ سے بجھ جاتی ہے۔

فائدہ:۔ بہت سے لوگوں کی مصیبت دنیوی اور نفسانی ہوتی ہے۔ مثلاً قریبی رشتہ دار مر جائے یا پیاری شے گم ہو جائے تو ایسی مصیبت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں اگرچہ لوگ اسے بہت بڑی مصیبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہاں جس کی مصیبت و محنت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس کی قدر و منزلت کا کیا کہنا لیکن ایسے مصائب والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار مکہ بہت بڑی اذیتیں پہنچاتے تھے لیکن آپ اس پر صبر فرماتے اور فرمایا جتنی مجھے ایذائیں پہنچائی گئیں ایسے کسی نبی علیہ السلام کو کفار نے ایذائیں نہیں پہنچائیں اس کا صوفیانہ ترجمہ یہ ہے کہ جتنی میری صفائی قلب منجانب اللہ ہوئی ایسے کسی نبی علیہ السلام کو صفائی قلب نصیب نہیں ہوئی وہ اس لیے کہ ایذائیں تصفیۂ قلب کی موجب ہیں بلکہ بقدر تکالیف اولیاء اور محبوبان خدا کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے وہ اس لیے کہ ایذاؤں اور تکلیفوں سے انسان کے قلوب کی میل اور کچیل دور ہوتی ہے مثلاً یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ کے رہنے کی مدت میں کتنی صفائی قلب نصیب ہوئی کہ ان

کا نعم البدل کا جوہر معدن انسانیت سے انہی ایام میں صاف وشفاف ہُوا وہ صرف اسی لیے کہ ان پر بلیات کے پہاڑ ڈھائے گئے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی بلکہ صبر وتحمل سے کام لیا۔ اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال تھا کہ ہر قبیلہ کا صحابی اپنے قبیلہ کے جملہ افراد سے تکالیف اور اذیتوں کا نشانہ بنتا بلکہ وہ لوگ اسے دین اسلام سے پھیرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے مثلاً قید کرتے لاٹھیاں اور پتھر مارتے بھوکا پیاسا رکھتے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ جب کسی صحابی سے اپنے قبیلہ سے سخت مار پڑتی تو مار پٹائی کی شدت سے اس صحابی سے سیدھا ہو کر بھی نہیں بیٹھا جا سکتا تھا۔ ابوجہل اور اُس کی پارٹی کا کام بھی یہی تھا کہ وہ اپنے متعلقین اہلِ اسلام کو سخت سے سخت سزائیں دیتے اور ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے۔ اگر اسلام لانے والا کوئی صاحبِ حسب شریف ہوتا تو اس کے ہاں جا کر ڈراتا دھمکاتا اور کہتا تیری شرافت میں کمی آجائے گی اور تیرا وقار پھیکا پڑ جائے گا پھر تیری بات کوئی بھی نہیں سُنے گا۔ اگر اسلام لانے والا تجارت پیشہ ہوتا تو اسے جا کر کہتا کہ تیرا کاروبار کم ہو جائے گا اور تیرا مال ضائع ہو جائے گا۔ اگر وہ کمزور ہوتا تو اس کے ایذار دینے میں کسی قسم کی کمی نہ کرتا اور لوگوں کو اکساتا یہاں تک کہ بہت سے غریب لوگ اس کی کارروائی سے دینِ اسلام سے منحرف ہوئے اور پھر شرک کی گندگی میں پھنسے۔ (نعوذ باللہ) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب ڈنڈے برستے اور آپ کو سخت سے سخت ایذائیں دی جاتیں تو کہتے۔ **احد احد** یعنی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرے بہت سے سعادت مند بزرگوں کو دین میں تکلیفیں پہنچیں لیکن اُنہوں نے اس دنیوی عذاب کو سر پر اُٹھایا اور دنیا کی رُسوائی کو راحت سمجھا لیکن آخرت کے عذاب سے بچ گئے۔ اس لیے کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس سے کئی گنا زائد اس دنیوی نار کو دیکھ لیجیے کہ یہ نار آخرت کی نار سے ستر گنا گرمی میں کم ہے۔ باوجودیکہ اسے بارہا بہشت کے پانی میں سے دھویا گیا لیکن اس کی گرمی کا حال سب کو معلوم ہے۔

فائدہ: حضرت واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور خواص بندوں کو مصائب و تکالیف پہنچی ہیں اس لیے سالک پر لازم ہے کہ تکالیف اور ملامت میں صبر کرے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عاشق ثابت قدم آنکس بود کز کوئے دوست

او نگر داند اگر شمشیر بارد بر سرش

ترجمہ: عاشق ثابت قدم وہ ہے جو دوست کی گلی میں سے منہ نہیں موڑتا اگرچہ اس کے سر پر تلواریں چلتی رہیں۔

تفسیر عالمانہ: وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا۔ لام تبلیغ کی ہے یعنی کفار مکہ نے اہل ایمان سے مخاطب ہو کر کہا تاکہ وہ ان کی طرف مائل ہو کر دین حق سے منحرف ہوں۔ اتبعوا سبیلنا دین کے جس طریقے پر ہم چلتے ہیں تم اسی طرح کرو۔

اتباع بمعنی کسی کا کسی کے پیچھے چلنا۔ انہوں نے دین کو ایک راستہ قرار دے کر اہل اسلام کو اپنے پیچھے چلنے سے تعبیر کیا۔ ولنحمل خطایاکم اور اگر تمہارے کوئی گناہ ہیں جن کا تمہیں مؤاخذہ کا خطرہ ہے۔ تو اگر قیامت میں اٹھنا اور مؤاخذہ ہوا تو ہم سر پر اُٹھالیں گے۔

خطایا خطیئۃ کی جمع اور خطأ سے مشتق ہے بمعنی عدول عن الجہۃ (صحیح جہت سے پھر جانا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کا رد فرمایا کہ وماھم بحاملین من خطایاھم من شیئ۔ حالانکہ وہ گناہوں سے کچھ نہیں اُٹھائیں گے جبکہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم لازماً اہل اسلام کے گناہ سر پر اٹھالیں گے۔ پہلا من تبیین کے لیے اور دوسرا زائدہ استغراق کے لیے ہے۔ انھم لکاذبون۔ بیشک وہ اپنے اس دعویٰ میں کہ ہم اہل اسلام کے گناہوں کے بوجھ اُٹھانے کے وعدہ کو پورا کرنے پر قادر ہیں۔ ولیحملن اور یہی کفار جو بوجھ اُٹھانے کے قائل ہیں۔ اُٹھائیں گے۔ اثقالھم۔ اپنے ان گناہوں کے بوجھ جن کے وہ خود مرتکب ہوئے تھے اور یہ قیامت کے دن ہوگا اور اثقال ثقل بالکسر وسکون القاف کی جمع ہے جیسے حمل کی احمال آتی ہے۔ ثقل کا بالمقابل خفتہ یا ثقل ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو وزن کرتے وقت ترجیح پا جاتے ہیں یا اس کے ساتھ کسی شے کا اندازہ کیا جائے یہ دراصل اجسام میں مستعمل ہوتا ہے۔ مجازاً معانی میں استعمال کیا جاتا ہے اثقلہ الغرام والوزر اسے تاوان اور گناہوں نے بوجھل کر دیا۔ واثقالا مع اثقالھم اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ اس سے ان کا دوسروں کو گمراہ کرنا مراد ہے یعنی ایک تو ان کی اپنی گمراہی کے گناہ ہوں گے اور ساتھ دوسروں کو گمراہ کرنے کے گناہ بھی ان کے سر پر رکھے جائیں گے لیکن جنہیں گمراہ کیا ہوگا ان کے گناہوں میں بھی کمی کی جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ضالین سے مضلین کے گناہوں کا بوجھ زیادہ ہوگا کیونکہ جو کسی کے کہنے پر گمراہ ہوا تھا تو اس کی اتباع کے گناہ گمراہی کی دعوت دینے والے کے سر پر ڈالے جائیں گے۔ ایسے ہی جو شخص بُرائی کا آغاز کرتا ہے تو جو بھی اس کی ایجاد کردہ بُرائی پر عمل کرتا ہے اس کا گناہ بھی ایجاد کرنے والے پر ڈالا جائے گا۔ کما ورد فی الحدیث۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بنہاد سنت بدائے فتی
تا در افتد بعد او خلق از عمی

جمع گردد بر وے آن ہمہ بزہ
کو سرے بود ست و ایشاں دم غزہ

ترجمہ:۔ جس نے بُرائی کے طریقے کی بنیاد رکھی کہ اُس کے بعد خلقِ خدا گمراہ ہو تمام گناہ جمع ہو کر اُس کے سر پر رکھے جائیں گے اس لیے کہ وہ ان تمام مجرموں کا سرخیل تھا اور یہ دوسرے اس کا لشکر۔

ولیسالن یوم القیمة۔ ان سے قیامت میں تقریع و تبکیت کا سوال ہوگا کہ وہ بُرائی کیوں کی اور اور کس وجہ اس کا ارتکاب کیا تھا۔ **عما کانوا یفترون**۔ جو کچھ وہ دنیا میں جھوٹی اور باطل باتیں گھڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتے تھے منجملہ ان کے جھوٹ کے ایک یہی ہے جو اُوپر مذکور ہُوا۔

مسئلہ:۔ گناہوں کو اثقال سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ گناہ ایک عظیم بوجھ ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مرو زیر بار گناہ اے پسر
کہ حمال عاجز بود در سفر

ترجمہ:۔ اے عزیز گناہوں کے بوجھ تلے مت جا اس لیے کہ سفر میں بوجھ اُٹھا کر چلنا دشوار ہوتا ہے۔

شرح بیت:۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ سفر میں بوجھ اُٹھا کر چلنا بہت بڑی سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے بالخصوص جبکہ سفر لمبا اور راستہ بھی پُرخطر ہو۔

فائدہ:۔ گناہ بوجھ کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

حدیث شریف:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ پاک دامن کو تہمت لگانے کا بوجھ چودہ طبقات آسمان و زمین سے زیادہ بوجھل ہے بلکہ جملہ موجودات سے بھی اور جبل الوجود اور انانیات کا بوجھ ان سے اور ثقیل تر ہے جیسا کہ وارد ہے کہ

تیرا وجود ایسا بھاری ہے کہ اس کے برابر کا اور کوئی گناہ نہیں۔

؎

جمعیت خیرہا ہمہ در خانۂ دینت
آن خانہ را کلید بغیر از فروتنی
شرع بد قیاس بیک خانہ جمع داشت
و آنرا کلید نیست بجز مائی و منی

ترجمہ:۔ تمام بھلائی تیرے اندر ہے اور اس کی چابی عاجزی و انکساری ہے اور برائیاں سبھی تیرے اندر ہیں ان کی چابی ادر تکبر اور غرور ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ
إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ط فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ○
فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ○ وَ
إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ط ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ
لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا
وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ط إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ
لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا
لَهُ ط إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِنْ
قَبْلِكُمْ ط وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○ أَوَلَمْ يَرَوْا
كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ط إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
يَسِيرٌ ○ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ
الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ط إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ○ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ
تُقْلَبُونَ ○ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا
لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ○ ع

ترجمہ

اور بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہا۔ تو انھیں طوفان نے آلیا اور وہ ظالم تھے تو ہم نے اُسے اور کشتی والوں کو بچالیا اور اس کشتی کو سارے جہان کے لیے نشانی کیا۔ اور ابراہیم کو جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کو پوجو اور اس سے ڈرو۔ اس میں تمھارا بھلا ہے اگر تم جانتے تم تو اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے ہو اور نرا جھوٹ گھڑتے ہو۔ بیشک وہ جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری روزی کے کچھ مالک نہیں تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو اور اس کی بندگی کرو اور اس کا احسان مانو تمھیں اسی کی طرف پھرنا ہے اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کتنے ہی گروہ جھٹلا چکے ہیں اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا کیا اُنھوں نے نہ دیکھا کہ اللہ کیوں کر خلق کی ابتدا فرماتا ہے۔ پھر اُسے دوبارہ بنائے گا۔ بیشک یہ اللہ کو آسان ہے۔ تم فرماؤ زمین میں سفر کر کے دیکھو اللہ کیونکر پہلے بناتا ہے۔ پھر اللہ دوسری اٹھان اُٹھاتا ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہے اور تمھیں اسی کی طرف پھرنا ہے اور نہ تم زمین میں قابو سے نکل سکو اور نہ آسمان میں اور تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کام بنانے والا اور نہ مددگار۔

(بقیہ مضمون سابقہ)

تفسیر صوفیانہ: جیسے اضلال اور کفر و معاصی پر برانگیختہ کرنا عظیم جرم اور اس کا عذاب بھی سخت تر ہے ایسے ہی غیر کی استعداد کو ضائع کرنا اور اسے طریق حق پر چلنے سے روکنا اور راہِ سلوک کا انکار کرنا سخت حرام اور اس کا عذاب شدید ہے اور یہ جرم زنا سے بھی زیادہ سخت ہے اس لیے کہ زنا میں بچہ کی پیدائش اور اس کی بقا و الد کے بغیر ہو گی لیکن افساد سے معنوی اولاد فیض کے بغیر باقی رہے گی اور ظاہر ہے کہ فساد معنی فساد صورت سے زیادہ بڑا ہے۔ نیز آیت میں ارباب الحاد و دعویٰ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے جرائم کے ساتھ ان لوگوں کے بھی مجرم ہیں جنھیں وہ اپنی اتباع کا درس دیتے ہیں اور انھیں فساد و صلاح کا امتیاز نہیں کرنے دیتے اور نہ ہی انھیں ہلاک و بقا کی خبر رکھنے دیتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں طریق مستقیم پر چلنے والوں سے بنا۔ آمین۔

تفسیر عالمانہ: ولقد ارسلنا۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے ہم نے دعوتِ توحید کے لیے بھیجا نوحًا نوح علیہ السلام کو جن کا اسم گرامی عبد الغفار تھا۔ (کذا ذکرہ السہیلی فی کتاب التعریف اور ابو اللیث

نے البستان میں لکھا کہ ان کا اسم گرامی الشاکر تھا اور آپ چونکہ خوفِ الٰہی سے بکثرت گریہ زاری کرتے تھے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السّلام کے زمین پر تشریف لانے کے بعد ایک ہزار چھ سو بیالیس سال میں پیدا ہوئے اور چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی۔ الی قومہ۔ ان کی قوم کی طرف یعنی اُس وقت جتنے لوگ دنیا میں موجود تھے۔

سوال: اس سے تو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کے برابر ہو گئی حالانکہ آپ کے مرتبہ کے مطابق اور کسی کو درجہ نصیب نہ ہوا۔

جواب: چونکہ نوح علیہ السّلام کی نبوت صرف ان کی زندگی تک اور صرف اہل ارض اور وہ بھی چند محدود انسانوں کے لیے تھی اسی لیے انہیں سرکارِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ آپ کی نبوت کل کائنات علوی سفلی اور پھر آپ کے وصال کے بعد جاری و ساری ہے اسی لیے برابری کیسی۔ (کذا فی انسان العیون)

فائدہ: حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے نبی ہیں جو بتوں کے پجاریوں کی طرف مبعوث ہوئے اس لیے کہ بت پرستی کا آغاز آپ کی اُمت میں شروع ہوا۔ آپ تشریف لائے اور انہیں اس شرک سے بچنے کی تلقین فرمائی نیز یہی پہلے نبی علیہ السلام ہیں جو اقارب و غیر اقارب کے لیے مبعوث ہوئے ورنہ حضرت آدم علیہ السلام تو صرف اپنی اولاد کے نبی تھے۔ اُنہوں نے اپنی اولاد کو ایمان باللہ اور شرائع دین کی دعوت دی۔ اس معنی پر نوح علیہ السلام ہمارے لئے اب اصغر اور آدم علیہ السّلام اب اکبر ہیں۔

مزار نوح علیہ السّلام

علاقہ شام کرک (بالفتح) میں ہے (کذا فی فتح الرحمٰن) تو وہ اپنی اُمت میں ٹھہرے یعنی مبعوث ہونے کے بعد۔ بعث بالمکان اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی جگہ پر ہمیشہ کے لیے ٹھہرے۔ الف سنۃ۔ الف ایک مخصوص عدد کا نام ہے اور اس نام سے اس لیے موسوم ہوا کہ تمام اعداد اس میں جمع ہیں کیونکہ اصولی اعداد چار ہیں:۔

۱۔ احاد ۲۔ عشرات ۳۔ مآت ۴۔ اُلوف

جب ایک ہزار کی گنتی پوری ہوئی تو گویا اس میں پہلے اور پچھلے اعداد جمع ہوئے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا الف اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ نظام دنیا کا مبدا یہی ہے اور السنۃ دراصل سنھۃ تھا مثلاً کہتے ہیں سانھت فلاناً میں اس کے ساتھ سال بسال معاملہ کیا اور بعض نے کہا اس کا اصل سنوۃ تھا چنانچہ اس کی جمع سنوات آتی ہے اور ہاء وقف کی ہے۔ الا خمسین عاماً مگر پچاس سال لفظ عام سنۃ کی طرح ہے صرف فرق اتنا ہے کہ لفظ سنۃ کا استعمال اس سال کے لیے ہوتا ہے جس میں قحط اور تکالیف ہوں اس لیے قحط کے وقت لفظ سنۃ استعمال کرتا ہے اور العام

اُس وقت بولتے ہیں جب خوشحالی ہو۔

فائدہ: استثناء کے بعد لفظ عام لانے میں بھی اسی لطیف اشارہ کی طرف اشارہ ہے کہ قوم کے طوفان میں غرق ہونے کے بعد نوح علیہ السلام نے ساٹھ سال نہایت خوشحالی اور راحت وسرور کے ساتھ بسر کیا۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ سنۃ کو عام کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ سورج اپنے جملہ بروج میں عوم میں رہتا ہے اور عوم بمعنی تیرنا آتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ کل فی فلک یسبحون۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نوح علیہ السلام اپنی اُمت میں ساڑھے نوسو سال بسر کیے اور اسی اثناء میں اپنی اُمت کو خوفِ الٰہی سُناتے رہے لیکن وہ بھی ڈھیٹ تھے کہ معمولی طور پر بھی توجہ نہ کرتے۔

فائدہ: لفظ الف مذکور میں طویل مدت کے اظہار کے لیے ہے تاکہ سامع کو اس کی درازی مدت کا احساس ہو۔ اس کے بعد خمسین کے استثناء سے اصل مدت بتائی۔ اس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مطلوب ہے کہ نوح علیہ السلام بھی تکالیف وشدائد کفار پر صبر کرتے رہے۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم قوم کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کیجئے یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال قوم کو دعوت دی اور باوجود سخت تکلیفوں اور اذیتوں کے آپ نے دعوتِ دین سنانے میں کمی نہ کی اور قوم بھی راہِ راست پر نہ آئی سوائے چند ایک کے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وما اٰمن معہ الا قلیل۔ جب قوم سے نااُمید ہوئے تو ان پر بددعا کی تو ان کے لیے تباہی وہلاکت کا حکم نازل ہوا۔ کما قال فاخذھم الطوفان تو انہیں طوفان نے پکڑا۔ یعنی جب مدت مذکور ختم ہوئی تو اس وقت جملہ کفار جو زمین پر رہتے تھے طوفان میں غرق ہو گئے۔ طوفان ہر وہ شے جو کثرت وشدت وغلبہ کی وجہ سے دوسری شے کے اردگرد چکر لگائے اور اسے گھیرے جیسے سیلاب۔ ہوا۔ تاریکی۔ قتل۔ موت طاعون۔ چیچک۔ چھوٹے پھنسی پھوڑے۔ بھوک وغیرہ اور قوم نوح علیہ السلام کو پانی کے طوفان میں ڈبویا اور اس وقت تمام رُوئے زمین پر پانی ہی پانی تھا۔ وھم ظالمون حالانکہ وہ ظالم تھے اس لیے کہ وہ ظلم وکفر پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اتنا عرصہ دراز تک داعی حق کی ایک نہ مانی۔ فانجیناہ پس ہم نے نوح علیہ السلام کو غرق اور کافروں کی اذیتوں اور تکلیفوں سے نجات بخشی واصحاب السفینۃ اور کشتی والوں کو یعنی آپ کی اولاد اور آپ کے متبعین جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے وہ کل اسّی مرد اور چند عورتیں تھیں۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ کشتی میں مرد مومنین، مومنات کے علاوہ جانور بھی تھے۔ السفینۃ سفن یسفن سے ہے بمعنی قشرہ وتحتہ یعنی اسے چھیلا اور اسے اس معنیٰ پر اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ گویا وہ کشتیاں پانی کو چھیلتی ہوئی آگے کو نکل جاتی ہیں۔ اس معنیٰ پر سفینہ فعیلہ بمعنی فاعلۃ کے ہے وجعلناھا اور سفینہ یا قصہ کو بنایا۔ اٰیۃ للعٰلمین۔ عالمین آنے والی نسلوں کے لیے عبرت تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں یا دلالۃ

تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال کریں۔

فائدہ:۔ ابو اللیث نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ کشتی مذکور جودی پہاڑ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ اقدس کے قریب زمانہ تک موجود رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور طوفان کے درمیان تین ہزار نوسو چوہتر (۳۹۷۴) سال گزرے (فتح الرحمٰن) اور وہ کشتی عبرت و نصیحت تھی اس کے لیے جس نے اسے دیکھا اسے اس کی خبر پہنچی تو اُس نے بھی عبرت حاصل کی۔ کما قال ولقد ترکناھا آیۃ۔ بیشک ہم نے کشتی کو نشانی کے طور پر چھوڑا۔

فائدہ:۔ مروی ہے کہ نوح علیہ السلام نے چالیس سال کی عمر میں نبوت کے لیے مبعوث ہوئے ساڑھے نوسو سال اُمت کی تبلیغ میں گزارا اور ساٹھ سال طوفان کے بعد عیش و راحت سے زندگی بسر فرمائی یہاں تک کہ آپ کی اولاد عالمِ دنیا میں پھیلی یعنی آپ کے تین صاحبزادوں

۱۔ حام ۲۔ سام ۳۔ یافث

کی اولاد دُنیا میں پھیلی۔ اس لیے کہ جب کشتی سے باہر نکلے تو باقی تمام لوگ مر گئے صرف نوح علیہ السلام کی اولاد زندہ بچ گئی (کذا فی البستان) اس معنیٰ پر حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ڈیڑھ ہزار سال ہوئی اور آپ ہی تمام انبیاء علیہم السلام سے طویل العمر پیغمبر گزرے ہیں۔ آپ ہی کا شیخ المرسلین کا لقب سجتا ہے اور قیامت میں ہمارے نبی علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے آپ ہی اپنی قبر انور سے نمودار ہوں گے۔

فائدہ:۔ کاشفی نے لکھا ہے کہ بوقت موت نوح علیہ السلام سے عزرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ چونکہ تمام انبیاء علیہ السلام سے دراز عرصہ دنیا میں بسر کر کے دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں آپ نے دنیا کو کیسا پایا۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کو ایک کمرے کی طرح پایا کہ جس میں دو دروازے ہوں میں ایک کمرے میں داخل ہوا تو دوسرے دروازے سے نکالا گیا ہوں ؎

گر عمر تو عمر نوح و لقمان باشد
آخر بروے چنانکہ فرمان باشد
در بودن دنیا و برون رفتن ازو
یک روز و ہزار سال یکساں باشد

ترجمہ:۔ اگر تیری عمر نوح و لقمان کی طرح ہو لیکن جب حکم الٰہی پہنچے گا تو تمھیں یہاں دنیا سے جانا پڑے گا دنیا میں آنا اور جانا ہے ہزار سال اور ایک دن یہاں کے لیے برابر ہے۔

کسی اور نے کہا ؎

۵ الا انما الدنیا کظل سحابة
اظلتك یوماً ثمّ عنك اضمحلت
فلا تك فرحانا بها حین اقبلت
ولا تك جزعانا بها حین ولت

ترجمہ:۔ دنیا بادل کا سایہ ہے ایک دن تیرے سر پر سایہ ڈال کر چلی جائے گی۔ اس کے: آنے کی خوشی مناؤ اور نہ جانے کا غم کرو۔

مسئلہ:۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ قیامت میں وہ بوڑھا مومن لوگوں سے افضل ہوگا جسنے دنیا میں زندگی بسر کی تو بہت زیادہ ثواب حاصل کیا یعنی نیک عمل کرتا رہا۔

حکایت:۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کا آپس میں بھائی چارہ مقرر فرمایا۔ ایک ان میں راہِ حق میں شہید ہوا۔ دوسرا جمعہ یا اس سے کم و بیش مدت میں فوت ہوا۔ اس دوسرے کی نماز جنازہ کے بعد آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم نے اس کے بارے میں کیا کہا۔ عرض کی کہ ہم نے اس کے لیے دُعا کی وہ کریم اس کے گناہ بخش دے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور اسے اپنے ساتھی کے ساتھ ملائے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں اس کی نماز و دیگر اعمال صالحہ اور کہاں اس کے ساتھی کے روزے اور اعمال صالحہ یا فرمایا اس کے روزے کہاں اور اس کے ساتھی کے روزے کہاں کہ اُن کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسے زمین و آسمان کے درمیان کا ہے اس شخص کو مبارک ہو جس کی عمر دراز اور اعمالِ صالحہ ہوں۔

فائدہ:۔ جو ہزاروں سال کے بعد پہلی اُمتوں کو فیض حاصل ہوتا تھا وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو تھوڑے عرصہ میں حاصل ہو جاتا ہے اس لیے کہ ان میں استعداد فطری بہ نسبت ان کے مکمل اور بہت زیادہ ہے۔

سبق:۔ انسان پر لازم ہے کہ سابقہ اُمتوں کے مراتب و اعمال کی آرزو نہ کرے۔ اگرچہ ستر یا سو سال ہمیں عمریں ملی ہیں لیکن مراتب و اعمال کی قبولیت میں بہ نسبت ان کے ہم بہتر ہیں۔ ہاں نفس امارہ کی دست درازی سے پناہ اور خلوص فی الاعمال کی تمنا ضرور کرے اس لیے اگر عمر طویل نصیب ہو لیکن نفس امارہ کی اصلاح نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا نشانہ بننا ہے اس لیے درازئ عمر قہر ایزدی سے نہیں بچا سکتی۔

نسخۂ روحانی:۔ نفس کو احکامِ شرعیہ میں لگائے رکھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ صوفیہ کرام نے سفینہ سے احکامِ شرعیہ مراد لی ہے اس لیے کہ جیسے کشتی کا سوار نجات پا جاتا ہے ایسے ہی شریعت پاک کا عامل نفس امارہ سے نجات حاصل کر سکتا ہے اس لیے کہ شریعت قیامت تک ایسا شارع عام ہے

کہ اس پر چلنے والا سیدھا بہشت میں پہنچتا ہے اور باطنی طور قربِ الٰہی و وصالِ حق سے مشرف ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا ظاہر نور اور اس کے اشارات میں سرور ہے اور اہلِ اشارہ ہی مقربانِ خداوندی کہلاتے ہیں اور جو ان کے ساتھ لگتا ہے وہ چھٹکارا پا جاتا ہے۔

حضرت حافظ نے فرمایا ؎

یار مردان خدا باش کہ در کشتیٔ نوح
ہست خاکے کہ بآبے نخرد طوفان را

ترجمہ: مردانِ راہِ خدا کا دوست ہو اس لیے کہ کشتی نوح میں ایک خاک ہے کہ اسے طوفان نقصان نہیں پہنچاتا۔

سبق: جو نفس امارہ کا گرفتار ہو وہ اس سے بچنے کے لیے جد و جہد کرے تاکہ اس کی شرارت سے نجات پا جائے۔
اللہ تعالیٰ ہی ملجأ و ماویٰ ہے سب کا۔

و ابراھیم ۔ اس کا عطف نوحًا پر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ **و لقد ارسلنا ابراھیم** یعنی آپ کے تشریف لانے سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی رسول بنا کر بھیجا۔ **اذ قال** ۔ یہ اذکر مقدر سے منصوب ہے۔ اسی طرح مجھے الہام ہوا یعنی اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یاد دلایئے جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **لقومہ** اپنی قوم سے اس سے اہلِ بابل مراد ہیں جن میں نمرود بھی تھا **اعبدوا اللّٰہ** اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔ **و اتقوہ** اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے ڈرو۔ **ذالکم** یہ جو تقویٰ اور عبادتِ الٰہی کا ذکر ہوا۔ **خیر لکم** تم جس کفر و معاصی میں ہو اس سے توحید و عبادت بہتر ہے۔ یہاں پر تفضیل مطلق بہتری کا معنی دے رہی ہے یعنی تمہارے شرک اور معاصی میں کسی قسم کی بھلائی نہیں۔ اگر اس کے لیے کچھ اچھا ہونے کا پہلو ہے تو ان کے عقیدہ کے مطابق کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فعل کفر و معاصی کو اچھا سمجھتے تھے۔ **ان کنتم تعلمون** ۔ اگر تم بھلائی و برائی کو جانتے ہو اور ان کے مابین حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتے ہو۔ **انما تعبدون من دون اللّٰہ اوثانًا** ۔ بیشک اللہ کے غیروں یعنی بتوں کی پرستش کرتے ہو اور وہ صرف تصویریں ہیں اور تمہاری اپنی بنائی ہوئی ہیں جنمیں سوائے اسی ظاہری تصویری شکل کے اور کوئی صفت نہیں۔ **اوثان** ۔ وثن کی جمع ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ صنم وہ ہوتا ہے جسے انسانی شکل میں درخت اور سونے سے گھڑ کر بنایا جائے اور وثن وہ ہے جو اس طرح نہ ہو بلکہ اس کی صفت پتھر سے ہو اور صورتِ انسانی میں بھی نہ ہو **و تخلقون افکا** ۔ اور امام راغب نے لکھا ہے کہ **الخلق** خدا کے لیے صرف دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

۱۔ التقدیر ۲۔ الکذب

یہاں دوسرا معنی مراد ہے مثلاً کہا جاتا ہے **خلق و اختلق** بمعنی زبان یا ہاتھ سے افترا کرنا ایسے ہی

کہاجاتاہے۔ نحت الاصنام۔ یہ اصنام کی دستی صنعت پر بولا جاتا ہے (کذا فی کشف الاسرار)

الافك بمعنی اسوء الکذب اور افاک کو اس لیے کذب سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ ما فوک عن وجہہٖ ہے یعنی اپنی اصلی حالت سے پھرا ہوا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم ایسے جھوٹے ہو کہ بتوں کو اپنے ہاتھ سے گھڑ کر انہیں معبود و عبادت کا مستحق سمجھتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا سفارشی مانتے ہو۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ یہ ان کی شرارت ہے کہ ایک جھوٹی اور بناوٹی بات کو عبادت جیسی مقدس شے کا درجہ دیتے ہیں اس کے بعد ان کی شرارت پر یوں استدلال کیاہے کہ باطل اُمور کے ساتھ معارضہ و مقابلہ بے سود ہے۔ کما قال ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقًا۔ بیشک جنکی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہارے رزق کے کفیل نہیں۔ یہ ملکت الشئ سے ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے پر قدرت رکھتا ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا لا املك الا نفسی و اخی میں صرف اپنے اور اپنے بھائی کا مالک ہوں۔ رزقًا۔ مصدر ہے اور اس کی تنکیر تقلیل کے لیے ہے۔ اَب معنیٰ یہ ہُوا کہ انہیں کسی قسم کی قدرت نہیں کہ وہ تمہارے رزق میں سے کسی شے کے مالک ہوں۔ فابتغوا۔ پس طلب کرو۔ عند اللہ الرزق۔ تمام رزق اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ ہر ایک کے رزق پہنچانے پر قادر ہے۔ واعبدوہ۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ واشکروالہٗ اس کی نعمتوں کا شکر کرو اور انہیں اپنے مقاصد کا وسیلہ بناؤ۔ نعمت کو شکر سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ ابن عطار نے فرمایا کہ رزق تو طاعت میں ہے فلہذا طاعت میں پوری جدوجہد کرکے طلب کرو۔ اور حضرت سہل نے فرمایا کہ رزق توکل میں طلب کرو۔ کسب کو صرف سبب سمجھو کیونکہ رزق کسب میں نہیں اور کسب بھی صرف عوام کے لیے ہے۔ الیہ ترجعون صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کروگے یعنی مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤگے پھر اُٹھوگے پس وہی کرو جس کا میں نے تمہیں حکم فرمایا ہے۔ وان تکذبوا۔ اور اگر تم میری تکذیب کرو ان اُمور میں جن کی میں نے تمہیں خبر دی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں اُٹھائے جاؤگے۔

فقد کذب امم من قبلکم۔ پس تحقیق تکذیب کی اُن اُمتوں نے جو تم سے پہلے گزری ہیں۔ یہ جواب کی تعلیل ہے ان کا معنیٰ یہ ہُوا کہ تم لوگ میری تکذیب کرکے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اس لیے کہ مجھ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام جیسے شیث و ادریس و نوح علیہم السلام کو ان کی قوموں نے جھٹلایا تو ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے بلکہ اُنہوں نے اپنا نقصان کیا اس لیے کہ ان کی تکذیب ان پر نزولِ عذاب کا سبب بنی۔ اسی طرح اگر تم میری تکذیب کروگے تو تمہارا اپنا نقصان ہوگا۔ وما علی الرسول الا البلاغ المبین۔ البلاغ بمعنی تبلیغ ہے یعنی رسول کی تبلیغ میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوتا اور ان کے ذمہ بھی یہی ہوتا کہ وہ احکامِ الٰہیہ اُمت کو پہنچا دیں۔ کوئی تصدیق کرے گا تو فائدہ پائے گا۔ اگر کوئی تکذیب کرے گا تو اس کا اپنا نقصان ہوگا۔ اس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ

علیہ وسلم کا کچھ نہ بگڑے گا۔ اب گویا محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ میں نے احکام الٰہیہ تمھیں پہنچا دیئے اور میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو چکا ہوں اسی لیے تمہاری تکذیب مجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ ہی بعد کو میرا کچھ بگڑے گا اور نہ ہی قیامت میں مجھ سے مواخذہ ہوگا بلکہ تم ہی اپنے غلط کردار کی سزا پاؤ گے۔

فائدہ:۔ الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ البلاغ بمعنی القاء المعنی الی النفس علی سبیل الافہام سمجھانے کے لیے کسی کے دل میں معنی و مفہوم ڈالنا اگرچہ اسے سامع سمجھنے کی کوشش کرے یا سرے سے سمجھے ہی نہ۔ گویا حضور علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ میں نے تو تمھیں اللہ تعالیٰ کے احکام کھول کر سمجھا دیئے ہیں اب تم سمجھو یا نہ۔ توفیق و ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو تمھیں سمجھنے کی توفیق بخشے اور راہِ ہدایت عطا فرمائے ؎

پیش وحی حق اگر کر سر نہد
کبریا از فضل خود سمعش دہد
جز مگر جانے کہ شد بے نور دفر
ہمچو ماہی گنگ بد از اصل کر

ترجمہ:۔ جو شخص خلوص قلبی سے وحی الٰہی کے سامنے سر جھکاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے حق کو قبول کرنے کی توفیق بخشتا ہے اور وہ قلب جو ازل سے بدنصیب ہے تو اس کی مثال اس گونگی مچھلی کی ہے جو قدرتی طور سننے کا مادہ ہی نہیں رکھتی۔

فائدہ:۔ آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور آپ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے اور کفار کو زجر و توبیخ ہے اور ان بدبختوں کو فرمایا کہ تکذیب و انکار الٹا تمھیں نقصان دے گا۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

سبق:۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ طاعت و تقویٰ پر التزام کرکے اپنے مالک خالق کے احکام پر پابند ہو۔ اس لیے کہ تقویٰ انسان کے لیے آخرت کا بہترین زادِ راہ ہے بلکہ نجات کا موجب ہے اور تقویٰ سے رزق میں وسعت ہوتی ہے اور تقویٰ کی بنیاد توحید ہے اس لیے کہ توحید ایمان کی بنیاد اور بہشت کی چابی اور دوزخ کا دروازہ بند کرنے والی ہے۔

حکایت:۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے گزرے اور السلام علیکم کہا لیکن حضرت عثمان نے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہ شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کی تو حضرت کو بلایا گیا اور آپ سے سلام کے جواب نہ دینے کا سوال ہوا تو انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سلام سنی ہی نہیں۔ اس لیے کہ میں اس وقت کسی خاص کام میں مصروف تھا

لیکن اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقدس میں عرصہ دراز تک رہے لیکن ہم نے کبھی یہ نہ پوچھا کہ بہشت کی کنجی اور دوزخ کے دروازوں کے بند کرنے کا کونسا عمل ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بہشت کی کنجی اور دوزخ کے دروازوں کے بند کرنے کا وہی کلمہ ہے جو آپ نے اپنے چچا ابوطالب کو پیش کیا یعنی لا إلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن اُس نے اس سے انکار کیا۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ایسی تاثیر ہے جو کسی اور شے میں نہیں۔

حکایت: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک جنگل میں ایک زنگی کو دیکھا کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا تھا تو اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا تھا یہاں تک کہ اس کی سیاہی سفیدی سے بدل جاتی۔ میں نے اسے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ماجرا ہے اُنھوں نے فرمایا کہ بھائی اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر اوصاف ذمیمہ بدل دیتا ہے تو وہ شکل بھی بدل سکتا ہے۔

روحانی نکتہ

حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ذکرِ الٰہی زبان کو تر کرتا ہے جب زبان ذکرِ الٰہی سے فارغ ہو تو نفس کی حرارت اور نارِ شہوت کا اس پر اثر پڑتا ہے تو زبان خشک اور بیکار ہو کر خود بھی طاعت سے محروم ہوتی ہے اور دوسرے اعضاء کو بھی طاعت سے روکتی ہے پھر جیسے خشک درخت کو کاٹنا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ پھر صرف ایندھن کا کام دیتا ہے ایسے ہی وہ زبان اور اعضاء بھی خشک لکڑی کی طرح جہنم کی آگ کا ایندھن بن جاتے ہیں (اعاذنا اللہ تعالیٰ)

رُوحانی نسخہ

توحید سے ہی شرک اور نفس کی شرارت کی میل کچیل سے طہارت کاملہ نصیب ہوتی ہے۔ نفس شیطان سے مل کر اسفل السافلین کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں کو اعلیٰ علیین کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی لیے انبیاء علیہم السلام نے ہم سب کو دعوتِ حق دی اور بتوں اور دنیا اور شرک کی مذمت کی اور عبادت وطاعت و توحید اور آخرت کی تحسین فرمائی اور دنیا جو کہ صرف ایک گھڑی بلکہ آنکھ جھپکنے سے بھی کم مدت رکھتی ہے۔ شکرِ الٰہی بجالانے کی ترغیب دی اور یاد رہے کہ دنیا صرف ایک گھڑی بلکہ آنکھ جھپکنے کی مدت سے بھی کم ہے۔ ایک وقت ایسی مٹ جائے گی جس کا نام ونشان تک نہ رہے گا اور اس سے بھلائی کی اُمید رکھنا بے سود ہے۔

سبق :۔ عاقل پر لازم ہے کہ وہ داعئ حق کی بات کو غور سے سنے اور اسے دل سے قبول کرے۔ اس کی سچی خبر کی ایک لمحہ کے لیے بھی تکذیب نہ کرے بلکہ اس کی ہر بات کی تصدیق کرے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھے اور اس کی ہر بات کے سامنے خوشنودی کا اظہار کرے۔ اس طرح سے بہت بڑے مراتب و درجات اور راحتِ عظمیٰ کو حاصل کرے گا ؎

بدہ براحت فانی حیات باقی را
بمحنت دو سہ روز از غم ابد بگریز

ترجمہ: حیات باقی کو حیات فانی پر ضائع نہ کر۔ دو تین دن کی محنت سے ڈر کر دائمی غم کو سر پر مت رکھ۔

تفسیر عالمانہ :۔ اولم یروا کیف یبدئ اللہ الخلق ۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق میں کیسے ابتداء کرتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر لایا گیا ہے تاکہ اہل مکہ کو نصیحت حاصل ہو اور انہیں تنبیہہ ہو کہ باوجودیکہ قیامت میں اٹھنے کے لیے بے شمار دلائل ہیں لیکن وہ اتنا غبی اور بے وقوف ہیں کہ وہ اس کی طرف ذرہ برابر بھی دھیان نہیں کرتے اور ہمزہ اس انکار کے لیے ہے جو کہ ان کے برہان رؤیت کے موجب موجود ہیں لیکن وہ انہیں استعمال نہیں کرتے اور واو عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ محذوف ہے اور ابداء الخلق بمعنی مخلوق کو عدم سے وجود میں ظاہر کرنا یا یوں کہ وجود غیبی سے وجود علمی میں لانا۔

فائدہ :۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر شے کی پہلے کوئی مثل نہ ہو تو اس کی تخلیق کو ابداء سے اگر اس کی مثل پہلے ہو تو اسے اعادۃ سے تعبیر کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اس کے مرنے کے بعد پھر اسے قیامت میں اٹھائے گا۔ یعنی اسے عدم کے بعد وجود بخش کر اسے قیامت میں اٹھائے گا۔ ہر شے کا ابتداء اسی سے ہوا اور ہر شے اسی کی طرف لوٹ جائے گی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کیا کفار و قریش مکہ نے نہیں دیکھا اور انھیں معلوم نہیں ہوا علم کو رؤیت سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق مادہ اور بلا مادّہ کی کیفیت اتنا واضح اور روشن ہے کہ گویا وہ اُسے آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے اس کیفیت کو خوب جانا۔ ثم یعیدہٗ ۔ پھر وہ اسے وجود کی طرف لوٹائے گا اس کا عطف اَوَلَمۡ یَرَوۡا پر ہے۔ یبدؤ پر عطف ڈالنا غلط ہے اس لیے کہ رؤیت کا وقوع اس پر نہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ خلق کو قیامت میں لوٹائے گا جیسے اس نے ابتداءً اس کی تخلیق فرمائی ہاں یبدأ پر عطف ڈالا جائے تو اس کا معنیٰ یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی انشاء کا اعادہ ہر سال

ایسے ہوتا ہے جیسے سال سابق میں تھا مثلاً اُس نے بیتے پہلے سال انگوریاں اور ثمار وغیرہ ہا ہیں پیدا فرمائیں اور اس سے استدلال کیا جائے کہ وہ کریم ایسے ہی قیامت میں سب کو اُٹھائے گا جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کو گنجائش نہیں۔
شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

بامرش وجود از عدم نقش بست
کہ داند جز او کردن از نیست ہست
دگر رہ بکتم عدم در برد
و ازانجا بصحرای محشر برد

ترجمہ:۔ اس کے حکم سے عدم سے وجود ملا اس کے سوا کسی کو نیست سے ہست بنانے کا کیا پتہ۔ پھر دوبارہ عدم میں سب کو لے جائے گا وہاں سے قیامت قائم ہوگی اور سب کو وہاں اُٹھائے گا۔

ان ذالك وہ جو اعادہ کا ذکر ہوا علی اللہ یسیر۔ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ اس میں کسی سبب کی تکلیف نہیں ہوگی اس لیے کہ اسے اعادہ میں کسی سبب کی محتاجی نہیں۔

تفسیر عالمانہ:۔ قل۔ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم منکرینِ قیامت سے فرمایئے سیروا فی الارض زمین کے مختلف علاقوں کا سفر کیجئے۔ فانظروا کیف بدأ الخلق پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی کثرت اور اختلاف اشکال و افعال و احوال کے باوجود اسے کیسے ابتداءً پیدا فرمایا ثم اللہ ینشئ النشاۃ الاخرۃ۔ پھر اللہ تعالیٰ آخرت میں اُٹھائے گا۔

حل لغات:۔ نشأ نشأۃً سے ہے بمعنی حیی و ربا و شب زندہ ہوا۔ بڑھا اور جوان ہوا۔ امام راغب نے فرمایا کہ الانشاء بمعنی ایجاد الشئ و تربیتہ شے کو پیدا کرنا اور اس کی تربیت کرنا اس کا اکثر استعمال حیوانات میں ہوتا ہے اور النشاۃ ینشئ کا مصدر مؤکد ہے اس سے زوائد حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ دراصل الانشاءۃ تھا یا اس کا عامل محذوف ہے دراصل ینشئ فینشاؤن النشاۃ الآخرۃ تھا جیسے النشاۃ الاخرۃ سے نشاۃ ثانیہ یعنی قبور سے قیامت کے میدان کا قیام مراد ہے۔ اس جملہ کا سیروا فی الارض پر عطف ہے اور یہ بھی قل کا مقولہ ہے اور عطف الاخبار علی الانشاء جائز ہے جبکہ انشاء کو محلاً معرب بنایا جا سکے اور اس کا عطف بدأ الخلق پر اس لیے نہیں ہو سکتا کہ نظر کا وقوع۔ نشاۃ آخرۃ پر نہیں ہو سکتا اس لیے نظر و فکر نتیجہ کے لیے نہیں بلکہ دلیل کے لیے ہوتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی ابتداء کا مشاہدہ کیا ہے اور تمہیں یقین ہوا کہ جملہ مخلوق کا خالق وہی اللہ ہے تو اس طرح تمہیں یقین کرنا چاہیئے کہ وہی اللہ تعالیٰ ایجاد آخر اور حیاتِ دیگر فرمائے گا۔ جس میں شک و

شبہ کی گنجائش نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جب تم کو یقین ہوگا کہ ابتدا میں سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر تم پر بعث لازم آئے گی۔ جب وہ تمہیں واپس لوٹائے گا اُس وقت تمہیں پورا یقین آئے گا کہ جس طرح ابتدا میں خالق وہی لوٹانے والا بھی وہی ہے ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے کیونکہ اس کی قدرت ذاتی ہے وہ تمام ممکنات پر بڑی طور قدرت رکھتا ہے۔ وہ جس طرح پہلی تخلیق کر سکتا ہے تو اسے لوٹا بھی سکتا ہے۔ یعذب اُٹھانے کے بعد عذاب دے گا من یشاء جسے چاہے گا اس سے آخرت کے منکرین مراد ہیں۔ و یرحم من یشاء اور جس پر رحم کرنا چاہے رحم فرمائے گا اس سے آخرت کے ماننے والے مراد ہیں۔ عذاب کی تقدیم مقام کے لائق ہے کیونکہ ترہیب ترغیب پر ترجیح رکھتی ہے و الیہ اور صرف اسی کی طرف تعقلون لوٹائے جاؤ گے یعنی قیامت میں تمہیں اُٹھایا جائے گا جو وہ چاہے گا کہ مجرم کو سزا اور نیک اعمال والے کو نیک جزا دے گا۔

فائدہ:۔ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ عذاب اس کا عدل اور رحمت اس کا فضل ہے جس سے عدل کرے گا اسے دُور ہٹا دے گا جس پر فضل فرمائے گا اسے اپنے پاس بلائے گا۔ ؎

اگر رانی ز راہ عدل رانی
و گر خوانی ز روئے فضل خوانی
مرا با راندن و خواندن چہ کار
اگر خوانی و گر دانی تو دانی

ترجمہ:۔ اگر ہٹاتے ہو تو ہٹاتے ہو عدل سے اگر بلاتے ہو تو فضل سے بلاتے ہو۔ مجھے ہٹانے اور بلانے سے کیا کام ہٹاؤ یا بلاؤ تم خود خوب جانتے ہو۔

روحانی نُسخہ:۔

(۱) زاد المسیر میں ہے کہ عذاب بدخلقی سے اور رحمت خوش خلقی سے نصیب ہوتی ہے
(۲) بعض کے نزدیک عذاب و رحمت حب دنیا و ترک دنیا پر موقوف ہے۔
(۳) حرص و قناعت سے بھی عذاب و رحمت نصیب ہوتی ہے۔
(۴) بدعت (سیئہ) و سنت کی وجہ سے بھی عذاب و رحمت حاصل ہوتی ہے۔
(۵) دل کے تفرقہ و جمعیت بھی عذاب و رحمت کے سبب بنتے ہیں۔
(۶) امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عذاب اس کو ہوگا جو بندہ نفس کے سپرد ہو گیا اور رحمت اسے نصیب ہوگی جس

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي
وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا
أَن قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن
دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ
النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ○ فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ ۘ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ
إِلَىٰ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ
فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ○ وَلُوطًا
إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا
مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ○ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ ○ وَ
تَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۖ فَمَا
كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن
كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ○ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ
الْمُفْسِدِينَ ○ ع

ترجمہ

اور وہ جنھوں نے میری آیتوں اور میرے ملنے کو نہ مانا وہ ہیں جنھیں میری رحمت کی آس نہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے تو اُس کی قوم کو کچھ جواب بن نہ آیا مگر یہ بولے انہیں قتل کر دو یا جلا دو تو اللہ نے اسے آگ سے بچالیا۔ بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے اور ابراہیم نے فرمایا تم نے تو اللہ کے سوا یہ بُت بنا لیے ہیں جن سے تمھاری دوستی یہی دنیا کی زندگی تک ہے۔ پھر قیامت کے دن تم میں ایک دوسرے کے ساتھ کفر کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت ڈالے گا اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں تو لوط اس پر ایمان لایا اور ابراہیم نے کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ بیشک وہی عزت و حکمت والا ہے۔ اور ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی اور ہم نے دنیا میں اس کا ثواب اسے عطا فرمایا اور بیشک آخرت میں وہ ہمارے قربِ خاص کے سزاواروں میں ہیں۔ اور لوط کو نجات دی جب اس نے اپنی قوم سے فرمایا تم بیشک بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہ کیا تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور راہ مارتے ہو اور اپنی مجلس میں بری بات کرتے ہو تو اس کی قوم کا کچھ جواب نہ ہوا مگر یہ کہ بولے ہم پر اللہ کا عذاب لاؤ اگر تم سچے ہو عرض کی اے میرے رب میری مدد کر ان فسادی لوگوں پر۔

(بقیہ مضمون سابقہ)

بندے کے اُمور کا اللہ تعالیٰ خود کفیل ہو جائے۔

ع تا تو نباشی یا اما رونق نیاید کار ما

ترجمہ: تم نہ ہو گے تو ہمارے کام میں رونق نہیں آئے گی

وما أنتم بمعجزین۔ اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں کہ وہ حکم و قضاء کا اجرا کر سکے۔ اگرچہ تم کہیں بھی بھاگو تب وہ اپنے احکام کا اجراء کرے گا۔ **فی الارض** زمین کی وسعتوں میں چھپ جاؤ یعنی زمین کے اندر چلے جاؤ۔ **ولا فی السماء** یا آسمانوں کے قلعوں میں محفوظ ہو جاؤ جو کہ یہ زمین سے وسیع تر ہیں یعنی جتنا اُوپر کو ترقی کر کے چلے جاؤ تب بھی اس کے حکم و قضاء سے بھاگ نہیں سکتے وہ تمھیں پکڑے گا اور جو چاہے گا حکم جاری کرے گا **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اور نہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی حمایتی اور مددگار یعنی کوئی نہیں اس کے سوا جو تمھیں بچائے ان بلاؤں سے جو زمین پر ظاہر ہوتی ہیں یا آسمان سے مصائب آئیں اگر وہ

چاہے تو پھر ان کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

فائدہ: ولی وہ ہے جو دوست سے ناگوار امر کو دفع کرے۔ نصیر وہ ہے جو ایسے امر کے دفع کرنے کا حکم دے۔ ولی نصیر سے اخص ہے کیونکہ غیر ولی بھی مدد کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ: **والذین کفروا بآیٰتنا** اور جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا جن پر دلائل تکوینیہ و التنزیلیہ دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال ہیں اس میں نشاۃ اولیٰ بھی شامل ہے جو تحقیق بعث پر دلالت کرتی ہے اور آیات ناطقہ تو اس میں بطریق اولیٰ شامل ہیں۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ کفر بآیات اللہ کا یہ معنی ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال نہ کیا جائے بلکہ اس کے غیر کی طرف منسوب کیا جائے اور اس سے اس کی نعمتوں کا انکار کیا جائے۔ **ولقائہ** اور جنہوں نے اس کی حاضری کا انکار کیا جبکہ اس پر بھی یہی آیات دلالت کرتی ہیں و لقاء اللہ کے انکار کا یہی مطلب ہے کہ حاضری نہیں ہو گی اور اُٹھنا نہیں ہو گا۔ قیامت نہیں آئے گی اور نہ حساب ہو گا اور نہ کوئی جنت ہے نہ دوزخ۔ **اولئٰک** وہ لوگ جو کفر بآیات کی صفت سے موصوف ہیں۔ **یئسوا من رحمتی** میری رحمت سے نا اُمید ہیں۔ ابیاس بمعنی طمع کا انتفاء (کذا فی المفردات) یعنی نا اُمید ہونا (کذا فی تاج المصادر) یعنی وہ قیامت میں نا اُمید ہو جائیں گے۔ ماضی بوجہ تحقیق ہے یا دنیا میں نا اُمید ہیں کہ انہیں قیامت میں اُٹھنے اور اس کی جزا کے منکر ہیں۔ **واولئٰک** اور یہی لوگ یا کفر بالآیات اللقاء والیاس سے موصوف ہیں وہ دوسرے کافروں سے امتیازی صورت میں ہوں گے۔ **لهم** ان ہی اوصاف قبیحہ کی وجہ سے ان کے لیے **عذاب الیم** دردناک عذاب ہو گا کہ اس کی شدت و ایلام کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ تاثیر رحمت الٰہی بندوں کے حق تاثیر عذاب سے زیادہ ہے اور قرآن مجید میں صفات رحمت کا بیان غضب کے صفات سے زیادہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے **سبقت رحمتی غضبی**۔ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی ہے۔ یہ دونوں صفتیں رحمت و غضب اللہ تعالیٰ کے ہیں ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم کہیں کہ اس کی فلاں صفت زائد اور فلاں کم اس طرح سے اس کی صفت کا نقص لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت کا حادث ہونا لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت نقص اور کمی سے منزہ ہے یا کمی و بیشی قرار دینے پر اس کی کسی صفت کا حادث ہونا لازم آئے گا اور اس کی ہر صفت حدوث سے پاک ہے اسی لیے ہم نے رحمت و غضب میں لفظ تاثیر کا اضافہ کیا ہے کہ اس کی رحمت کی تاثیر نے غضب کی تاثیر پر سبقت کی ہے چونکہ کافر اس کی رحمت سے نا اُمید ہیں اس لیے ان کے لیے فرمایا **اولئٰک یرجون رحمۃ اللہ** وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔

سبق :۔ اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ اس کی رحمت سے نا اُمید نہ ہوں اور نہ ہی اس کے عذاب سے پُرامن رہنا بھی کفر ہے بلکہ اُمیدوار رہے اس کی رحمت سے اور پُرخوف رہے اُس کے عذاب سے۔

فائدہ :۔ کافر کو تو خوف و رجاء دل پر آتا ہی نہیں۔

صُوفیانہ قاعدہ

جب بندہ خوف و رجاء سے ترقی کرتا ہے تو اُسے قبض و بسط کی منزل پر پہنچنا ہوتا ہے۔ قبض عارف کے لیے ایسے ہے جیسے مبتدی کے لیے خوف اور اس کے لیے بسط ایسے ہی جو مبتدی کے لیے رجاء۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ خوف و رجا تقبل میں امر مکروہ و محبوب کا خوف و رجاء ہوتا ہے اور عارف کو حاضر وقت میں وارد غیبی کی وجہ قبض و بسط رہتا ہے مثلاً جس وقت عارف پر قبض کا غلبہ ہوتا ہے تو کہتا ہے میں یہود سے بھی ذلیل ترین ہوں اور جب اس پر بسط کا غلبہ ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ کہاں ہیں ساتوں زمین و آسمان میں انہیں آنکھ کے بال کی نوک پر اُٹھالوں۔ آیت کا اول اس کے قبض کی طرف اشارہ ہے دوسری میں اس کے بسط کی طرف۔

تواضع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کبھی یہ واردات ہوتے تھے آپ پر جب قبض کا ورود ہوتا تو فرماتے لیت رب محمد لم یخلق محمد۔ کاش محمد کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جب آپ پر بسط کا ورود ہوتا تو فرماتے انا سید ولد آدم۔ میں ہی تمام اولاد کا سردار ہوں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تفسیر صوفیانہ :۔

اولم یروا (رکوع سابق میں) میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو عدم سے وجود کی طرف نکالا پھر انہیں عالم ارواح کی طرف اس کے بعد انہیں عالم ارواح سے عالم اشباح کی طرف اُتارا جبکہ اُس وقت یہ ملکوت ونفوس سماویہ و افلاک والنجم وفلک الاثیر والھواء والبحار اور کرۂ ارض کو عبور کر کے آئے۔ اس کے بعد مرکبات و معادن وحیوانات کو عبور کر کے انہیں موجودات کے اسفل سافلین کی طرف لے گیا۔ اس سے قالب انسانی مراد ہے چنانچہ فرمایا **ثم رددناہ اسفل سافلین** یعنی ہم اسے تدبیر نفخۂ خاصہ سے اسفل سافلین کی طرف لوٹایا۔ کما قال **ونفخت فیہ** (میں نے اس میں پھونکا) اس کے بعد جذبات عنایت سے اسے حضرت الٰہیہ کی طرف لوٹائے گا کہ جہاں سے اُترا تھا وہیں سے منازل و مقامات طے کرے گا کہ اگلی منزل کے لیے پچھلے مقامات کو ترک کرے گا اور ان سے انتفاع کا تصور ختم کرے گا۔ اس حالت کو عبور کے وقت ان کے خواص اور بعض اجزاء استعارہ لے گا تاکہ وجود انسانی کی روحانی وجسمانی تکمیل ہو۔ اسی لیے اس کے بغیر وہ حضرت الٰہیہ سے محجوب رہتا ہے ہاں جب

ارجعی کے جذبہ سے واپس لوٹنا چاہتا ہے تو تمام مستعار سامان لوٹانے پڑیں گے اور ان تمام مقامات کو طے کرتا ہوا انانیت کے بغیر عدم میں پہنچے گا۔ یہ سب کچھ جذبۂ عنایت سے نصیب ہوتا ہے اور یہی فنا فی اللہ کا مقام ہے ۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

طے کن بساط کون کہ ایں کعبۂ مراد
باشد و رائے کون و مکاں چند مرحلہ

ترجمہ:۔ اس وجود کی چٹائی کو لپیٹ لے اس لیے کہ کعبہ مراد کون و مکاں کے آگے ہی چند مرحلہ پر ہے ۔

اور حضرت شیخ مغربی نے فرمایا ؎

ز تنگ نائے جسد چوں بروں نہی قدم
بجز خطیرۂ قدسیٔ پادشاہ مپرس ۔

ترجمہ:۔ اس جسم کی تنگ گلی ہے جب قدم باہر رکھو گے ۔ بجز خطیرہ قدسیٔ بادشہ کے کچھ نہ پوچھ ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

از جمادی مردم نامی شدم
وز نما مردم بحیواں برزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم
جملۂ دیگر بمیرم از بشر
تا بر آرم از ملائک پاؤ سر
و ز ملک ہم بایدم جستن زجو
کل شیٔ ہالک الا وجہہ
بار دیگر از ملک قربان شوم
آنچہ اندر وہم ناید آں شوم
پس عدم گردم عدم چوں از غنون
گویدم کانا الیہ راجعون

ترجمہ:۔ (۱) ڈھیلے سے ہی میں آدمی بنا۔ نشو و نما پاکر میں حیوان ہوا ۔
(۲) حیوان سے نشو و نمائی پاکر آدم بنا پھر کیا خوف ہے کہ مجھ پر موت آئے گی ۔

(۳) میں پھر دوسروں کی طرح مروں گا۔ ملائکہ کے ساتھ جاکر اپنا سر پاؤں ملاؤں گا۔
(۴) ملائکہ سے مجھے جستجو چاہیئے کیونکہ ہر شئے مٹ جائے گی سوائے اللہ کے۔
(۵) پھر ملائکہ سے آگے گزروں گا جس کا وہم وگمان بھی نہیں کہ وہ کیا ہے۔
(۶) وجود سے عدم میں چلا جاؤں گا، پھر کہوں گا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آیت ہذا کی تفسیر صوفیانہ: والذین کفروا الخ میں اشارہ ہے ارباب طلب واصحاب سلوک کے ایک گروہ کی طرف کہ ان کو مقامات کے عبور کرنے پر شواہد حق کے کچھ آثار نظر آتے ہیں اور ان پر بعض اسرار بھی منکشف ہو جاتے ہیں لیکن غیرت ایزدی کا حجاب ان کے آگے آجاتا ہے پھر وہ غیر کی طرف توجہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ مکشوفات ان سے محجوب ہو جاتے ہیں ان کو جو مرتبہ ملا تھا اس سے گر جاتے ہیں اور قرب کے بعد انہیں بُعد نصیب ہوتا ہے۔ بلانے کے بعد ان کو مردود بنایا جاتا ہے۔ بلند مراتب کے بعد نقصان میں پڑ جاتے ہیں۔ ہم ترقی کے بعد نقصان سے پناہ مانگتے ہیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ: فما کان جواب قومہ۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو تو ان کی قوم کا جواب نہ تھا۔ جواب کا منصوب ہونا کان کی خبر کی وجہ سے ہے اور اس کا اسم الا ان قالوا ہے مگر کہنا تھا بعض کا بعض کو۔ اقتلوہ اسے قتل کردو۔

حل لغات: القتل بمعنی موت یعنی جسم کا روح سے علیحدہ کرنا جب اس کا کوئی سبب بنے تو اسے قتل سے تعبیر کرتے ہیں اور جب روح جسم سے دوسرے طریق سے خارج ہو تو اسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اوحرقوا یا اسے جلادو۔

حل لغات: التحریق بمعنی اچھی طرح جلانا۔ تحریق۔ احراق وحرق میں فرق یہ ہے کہ احراق وتحریق بمعنی شعلہ دار آگ میں شے کو واقع کرنا اسی لیے بطور مجاز کہا جاتا ہے احرقنی بلومہ۔ فلاں نے مجھے ملامت دے کر جلا دیا۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو ملامت سے سخت سے سخت ایذائیں دے اور حرق بمعنی کسی شے کو آگ کی گرمی پہنچانا جس میں شعلہ نہ ہو جیسے کپڑے کو ٹھوکنے سے جلانا (کذا فی المفردات) اس میں ان کی بیوقوفی کا اظہار ہے کہ بجائے ابراہیم علیہ السلام کے صحیح جواب دینے جلانے اور قتل کرنے کی دھمکی دے دی۔ ایسے ہی ہر بے حجتہ مغلوب کی عادت[1] ہے۔ فانجاہ اللہ من النار تو اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے نجات بخشی فافصیحلہ یعنی اُنہوں نے

---

[1] فقیر نے آزمایا کہ جو نہی فقیر نے اپنے دور کے بدمذاہب کے خلاف دلائل قائم کیے تو بجائے دلائل کے جواب دینے کے مقدمات کی بوچھاڑ کردی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے فقیر ایک دن بھی کچہری تک نہ گیا۔ الحمد علی ذالک۔

ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے آگ کے جلانے سے انہیں بچا لیا کہ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادی۔

اعجوبہ: اسی دن آگ ٹھنڈی پڑ گئی کہ اس نے اپنی گرمی کو منضبط کر لیا تھا۔ **ان فی ذالك** - بیشک اس میں یعنی ابراہیم کے تمام جسم کو آگ سے نجات دیتے ہیں۔ **الآیات** - البتہ آیاتِ عجیبہ ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچا لیا اور ان پر آگ ٹھنڈی کر دی، باوجودیکہ وہ اپنی گرمی میں زوروں پر تھی اور تھی بھی بہت بڑی لیکن ایک ہی لمحہ میں بجھ گئی بلکہ صرف وہی دھاگہ جلا تھا جس سے ابراہیم علیہ السلام کو باندھا گیا تھا۔ اس کے بعد تمام آگ گل و ریحان بن گئی۔ **لقوم یومنون** - اس قوم کے لیے ہے جو ایمان لائے کیونکہ وہ اس سے نفع پانے والے ہیں اور اس میں تامل کرتے ہیں اور کافر تو محروم ہیں اس سے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تفسیر صوفیانہ: اس میں اشارہ ہے کہ دعوت ابراہیم سے رُوح اور نمرود سے نفس اور اس کے صفات مراد ہیں کہ رُوح کو نفس کو شہوات و دنیا اور ماسوی اللہ سے روکتا ہے اور ان کا جواب نفس کی بدبختی اور اس کی سفاہت کی دلیل ہے کہ نفس اپنی برادری سے کہتا ہے کہ رُوح کو کفر و شرک کی تلوار سے قتل کر دو یا نارِ شہوات و اخلاقِ ذمیمہ کی آگ میں جلا دو لیکن اللہ تعالیٰ اسے شہوات و اخلاقِ ذمیمہ کی آگ سے بچا کر اس کے لیے وہی آگ جو ہر روحانی بنا دیتا ہے بلکہ اسے ان خصائل سے نفع دیتا ہے جو اس کے اندر امانت کے طور پر پوشیدہ ہیں جو رُوح کی جبلت میں نہ تھے اور وہ سیر الی اللہ کے لیے ان کا ضرورت مند تھا۔ اسی استفادہ کے لیے اسے اسفل سافلین قالب میں بھیجا گیا تھا۔

تفسیر عالمانہ: **و قال** اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ **انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا** - اللہ کے سوا تم نے بتوں کو معبود بنا رکھا ہے جس پر تمہارے ہاں کوئی دلیل بھی نہیں۔ **مودۃ بینکم** - بلکہ تمہاری آپس کی محبت کی وجہ سے ہے کہ تم اکٹھے ہو جاتے ہو **فی الحیوٰۃ الدنیا** - دنیوی زندگی میں یعنی تا دمِ زیست تمہاری یہ محبت و عبادت رہے گی اس کے بعد ختم ہے۔ **ثم یوم القیمۃ** پھر دنیا سے خروج کے بعد قیامت میں معاملات بدل جائیں گے اور تمہاری آپس کی محبت عداوت سے بدل جائے گی اور تم ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے۔ **یکفر بعضکم ببعض** تم یعنی عبادت کرنے والے بعض یعنی معبودانِ باطلہ کے ساتھ کفر کریں گے۔ **و یلعن بعضکم بعضا** اور تمہارے بعض دوسروں پر لعنت کریں گے اور ایک دوسرے کو گالی دیں گے یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ بتوں کو بولنے کی طاقت دے گا اور وہ اپنے پجاریوں پر لعن طعن کریں گے اور اپنے سے دُور ہٹائیں گے ایسے ہی بت کے پجاری بتوں کو گالی دیں گے وغیرہ۔ یہ کلمات دراصل بد دعا کے لیے بولے جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جب نفس شہوات دنیا کے وبال اور اس کے استعمال کی خرابیاں دیکھے گا تو ان کی بیزاری کا اظہار کرے گا اور دنیا پر لعنتیں بھیجے گا کیونکہ وہی اس کے بدبخت ہونے کا سبب بنے

تھے ایسے ہی دنیا نفس پر لعنتیں بھیجے گی۔

مسئلہ: حدیث شریف میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی دنیا کو ملعون کہتا ہے تو دنیا کہتی ہے کہ تو لعنتی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا بے فرمان ہے۔

تفسیر عالمانہ: وماوٰکم۔ اے بت کے پجاریو تمہارا ٹھکانا النار جہنم ہے یعنی یہی تمہاری منزل ہے جہاں تم پناہ پاؤ گے اور اس سے کہیں نہیں جاؤ گے **وما لکم من ناصرین** اور تمہارا کوئی پروردگار نہیں جو تمہاری جان چھڑائے جیسے میرے پروردگار نے مجھے اس آگ سے بچایا ہے جس میں تم نے مجھے جلانے کے لیے پھینکا تھا۔ ناصر کی جمع ہے اور جمع اس لیے لائی گئی کہ کوئی بھی کسی ایک کا حامی و مددگار نہ ہوگا ؎

چوں بت سنگین شما را قبلہ شد
لعنت و کوری شما را ظاہر شد
نیست ہرگز از خدا نفرت شما
شد محرم جنت و رحمت شما

ترجمہ: جب پتھر کا بت تمہارا قبلہ ٹھہرا تو تمہارا اندھاپن اور تم پر لعنت ظاہر ہوئی تمہیں اپنے بتوں سے نفرت نہیں اسی لیے تم پر جنت و رحمت حرام ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **انہ العزیز** یعنی وہ عزیز تر ہے اس سے کہ کوئی اس کے ہاں پہنچ سکے سوائے کہ پہلے وہ اس کے ماسوا سے تعلق توڑ دے **الحکیم** وہ ایسا حکیم ہے کہ بمقتضائے حکمت سوائے پاک کے کسی اور شے کو قبول نہیں کرتا بالخصوص اسے تو منہ نہیں لگاتا جو انانیت سے ملوث ہو جیسا کہ حدیث شریف میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ،

"بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک کو ہی قبول کرتا ہے۔"

پہلا مہاجر: مروی ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے مہاجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے چلے آپ دو ہجرتوں کے مامور ہوئے۔ پہلے حکم ہوا کہ آپ لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے کر بستی سے (جو کہ کوفہ کے سواد میں ہے) حران کی طرف چلے جائیں پھر وہاں سے شام کے علاقہ کی طرف یہاں آپ نے فلسطین میں قیام فرمایا اور لوط علیہ السلام سدوم کی طرف چلے گئے۔

فائدہ: صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ بوقت ہجرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر پچھتر سال تھی اور اسی سال حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے بی بی ہاجرہ کے بطن سے جو بی بی سارہ کی کنیز تھیں۔ پھر جب آپ کی عمر ایک سو بیس سال تک پہنچی تو آپ کو بوڑھی بی بی سارہ سے اسحٰق علیہ السلام عطا ہوا۔ چنانچہ فرمایا **ووھبنا** اور ہم نے اسے

بوڑھی بی بی یعنی سارہ سے عطا فرمایا۔ اسحٰق۔ اسحاق علیہ السلام یعنی ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوئے تو ان کے بعد سارہ سے اسحٰق علیہ السلام متولد ہوئے۔ و یعقوب اور یعقوب علیہ السلام زائد عطیہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں یہ اُس وقت ہوا جب آپ اولاد سے نا اُمید ہو چکے تھے۔ یہاں اسمٰعیل کا ذکر نہیں کیونکہ احسان جتلانے کا موقعہ ہے اور یہ اسحٰق علیہ السلام کی ولادت سے ہوا۔ (کذا قال القاضی)

فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے۔

۱۔ اسمٰعیل علیہ السلام بی بی ہاجرہ سے۔
۲۔ اسحٰق علیہ السلام بی بی سارہ سے۔

۳۔ لیقان
۴۔ زیران
۵۔ مدان
۶ مدیان
۷۔ اسباق
۸ سوخ

یہ چھ بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی قطورہ رضی اللہ سے پیدا ہوئے۔[1]

وجعلنا فی ذریتہ ۔ اور ہم نے بنائی اُن کی نسل میں یعنی بنی اسماعیل و بنی اسرائیل کی اولاد میں۔ **النبوت** ۔ نبوت اس لیے کہ نبوت کے حاملین انہیں میں زیادہ ہوئے۔ منقول ہے کہ ان کی اولاد سے ایک ہزار انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔ آپ گویا شجرۃ الانبیاء تھے (علیٰ نبینا و علیہم السلام) **والکتاب** اس سے جنس کتاب مراد ہے تاکہ کتب اربعہ کو یہ حکم عام ہو یعنی تورات۔ انجیل۔ زبور۔ قرآن۔ **و اٰتیناہ اجرہ** ۔ اور ہم نے ہجرت کے مقابلہ میں اسے اجرِ عظیم عطا کیا **فی الدنیا** ۔ دنیا میں اولاد عطا کر کے حالانکہ اُن کے لیے اولاد کا موسم نہ تھا اور مال عطا فرمایا اور اولاد پاکیزہ کے علاوہ ان میں دائمی نبوت اور ملّت حقہ کی نشو و نما ان سے ہوئی اور بہترین مدح و ثنا اور تاقیامت ان پر صلوٰۃ و سلام۔

تفسیر عالمانہ

فاٰمن لہ لوط ۔ اٰمن لہ و اٰمن بہ کا تقریباً ایک ہی معنیٰ ہوتا ہے اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ بعض اقوال میں آپ کے بھتیجے تھے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام باتوں کی تصدیق کی اس سے ان کی تصدیق نبوت مراد نہیں۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے تو نبوت کا دعویٰ بعد کو کیا اور دعوت دینی بھی بعد کو دی تو کیا اس سے قبل لوط علیہ السلام کفر کرتے رہتے (معاذ اللہ) وہ تو نبی تھے اور قبل از اظہارِ نبوت بھی نبی کفر سے منزہ ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر اُس وقت ایمان لائے جب دیکھا کہ انہیں آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اسے بھی اسی معنیٰ پر محمول کیا جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ہر بات کے وہ مصدق رہے صرف نبوت کی تصدیق اسی معنیٰ پر ہو گی کہ جب بھی اُنہوں نے نبوت کا اعلان کیا تو بلا تاخیر لوط علیہ السلام نے تصدیق کر دی یا ایمان سے مراد کوئی مرتبہ علیا مراد ہو اور یہ وہ مرتبہ ہو کہ اسے اہم شخصیات کو نصیب

---

[1] مدیان اھل مدین کا جدِ بزرگ تھا جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ اور جن کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب مبعوث ہوئے۔ مدین کے علاوہ اصحاب الایکہ بھی جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ بنو قطورہ ہی میں سے تھے۔ (اضافہ از مصحح چوہدری مشتاق محمد خاں)

ہوا اور ان میں سے اولیت حضرت لوط علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔ و قال اور ابراہیم علیہ السلام نے لوط و سارہ علی نبینا و علیہما السلام کو فرمایا اور بی بی سارہ آپ کی عم زادہ تھیں۔ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کے نکاح میں بھی تھیں۔ انی مهاجر۔ بیشک میں اپنی قوم کو چھوڑ کر جانے والا ہوں۔ الی ربی اپنے پروردگار کی طرف جہاں وہ مجھے حکم فرمائے گا چلا جاؤں گا۔ المهاجرة بمعنی ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا یا کسی سے قطع تعلق کر لینا۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا مگر مہاجر ہو کر یعنی اس کی زبان دل کے مطابق ذاکر نہیں ہے۔

المفردات میں ہے الھجر والھجران بمعنی کسی سے بدن یا زبان یا دل سے قطع تعلق کر لینا۔

صوفیانہ معنی

بعض عارفین نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے نفس سے رجوع کرتا ہوں اور دنیا سے بھی یعنی نفس اور دنیا کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہوں اس لیے کہ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر وہ دنیا کی کسی شے کا نہیں رہتا بلکہ تمام کائنات سے کٹ جاتا ہے۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

وصل میسّر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ ببرید نست

ترجمہ:۔ انقطاع کے بغیر وصال مشکل ہے پہلے تمام سے انقطاع ضروری اور لازم ہے۔

انه هو العزيز۔ بیشک وہ جملہ اُمور پر غالب ہے اسی لیے وہ مجھے دشمنوں سے بچائے گا۔ الحکیم وہ دانا ہے کہ اس کا ہر کام فعل از حکمت و مصلحت نہیں مجھے جو بھی حکم فرمائے گا اس میں میری بھلائی ہو گی۔

مسئلہ:۔ کسی کو اگر کسی علاقہ میں طاعت الٰہی کا موقعہ نہیں ملتا تو اسے چاہیئے کہ اس علاقے میں چلا جائے جہاں اسے طاعت الٰہی آسانی سے میسر ہو۔

اعجوبہ:۔ جیسے ان کی زندگی میں مہمانی کا سلسلہ تھا تا حال اور تا قیامت اُن کی مہمانی جاری ہے کہ لوگ ان کے مہمان خانے سے پل رہے ہیں ؎

سفرۂ اش مبسوط بر اہلِ جہان
نعمتش مبذول شد بے امتنان

ترجمہ:۔ ان کا دسترخوان اہل جہان کے آگے بچھا ہے اور بغیر احسان جتلائے ان کی نعمت خرچ ہو رہی ہے۔

وانہ فی الاٰخرۃ من الصّالحین۔ اور بیشک وہ آخرت صالحین میں سے ہیں۔ ان میں انبیاء اور ان اتباع کرنے والے مراد ہیں (علیٰ نبینا و علیہم السلام)

فائدہ:۔ ابن عطا نے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السّلام کو دنیا میں معرفت و توکل عطا فرمایا اور وہ آخرت میں مقام عارفین کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اس لیے کہ دنیا و آخرت عارفین کے نصیبہ میں ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ ظاہری و باطنی تکالیف و مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں مثلاً ہجرت وغیرہ۔

فائدہ:۔ ہجرت دو قسم ہے:۔

۱۔ ظاہری اور وہ فتح مکہ شریف کے بعد ختم ہو گئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا لا ھجرۃ بعد الفتح فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔

۲۔ معنوی وہ یہ کہ نفس کو قلب کا۔ مکہ کو فتح کر کے اور اسے شرک اور خواہشات سے چھڑا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دینا اور یہ ہجرت تاقیامت جاری رہے گی۔

فائدہ:۔ جب انسان نفس کے علاقہ سے ہجرت کر کے قلب کے علاقہ میں پہنچتا ہے تو پھر جو وہ چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور یہ دنیوی اجر ہے۔

حکایت باکرامت

حضرت ابو سعید خزاز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مکہ معظمہ میں تین دن تک رہے لیکن کھانا کہیں سے نہ ملا ہمارے بالمقابل ایک درویش بیٹھا تھا اس کا لوٹا گھاس سے چھپا رہتا تھا ہم نے اُسے بارہا دیکھا کہ وہ اسی لوٹے سے روٹی نکال کر کھا لیتا ہے۔ ایک دن میں نے اُسے کہا کہ ہم بھی آپ کے مہمان ہیں اس نے کہا بہت اچھا۔ جب عشار کا وقت ہوا تو اس نے ایسے ہی ہاتھ اُٹھا کر مجھے دو درہم تھما دیئے اور ہم نے اس سے کھانا خریدا اور پھر آ کر اس سے پوچھا کہ آپ کو یہ کرامت کہاں سے ملی۔ اس نے فرمایا کہ اے ابو سعید دل سے مخلوق کا تصوّر ہٹا دو پھر جو چاہو مل جائے گا۔

فائدہ:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسی اولاد سے نوازا جو بمنزلہ صادقہ جاریہ کے ہے جو اپنے والدین کے لیے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور یہ ان صدقات سے ہیں جو دائمی ہیں جیسے اوقاف جاریہ اور مصاحف (قرآن مجید اور دینی کتب) جن کی تلاوت اور زیرِ مطالعہ رہتی ہیں۔ اور وہ درخت جن سے نفع اُٹھایا جاتا ہے اور ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام پر احسان فرمایا کہ ان کی اولاد میں نبوت جاری ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ انسان کی بہت بڑی سعادت یہ ہے کہ اس کی اولاد میں وارثین انبیا یعنی کاملین اولیاء پیدا ہوں کیونکہ انہی اولیاء کے صدقے دنیا قائم ہے اور

دین انہی کی بدولت زندہ ہے اور انھی کے طفیل اہل اسلام کو ظاہری و باطنی ترقیاں نصیب ہوتی ہیں اور انہی کی وجہ سے ارواح مقربین کو انوار اور اعلیٰ علیین کی طرف رہبری حاصل ہوتی ہے۔ ایسی اولاد سے ہی انسان فخر تام اور شرف عام اور انتفاع کامل کا مستحق ہے اگرچہ ایسے لوگ نسباً ہیچ در ہیچ ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دراصل نسب دینی اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اولاد طیب اور نسب طاہر مطلقاً اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے ؎

نعم الالٰہ علی العباد کثیرۃ

و اجلھن نجابۃ اولاد

ترجمہ:۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں لیکن ان سب سے بڑی اور بزرگ نعمت اولاد نیک ہے۔

اے پروردگار ہمیں اولاد و ازواج نیک صالح اور طیب و طاہر عطا فرما (آمین)

تفسیر عالمانہ:۔ ولوطًا۔ بیشک ہم نے لوط علیہ السّلام کو اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے پہلے بھیجا فلہذا آپ اپنی قوم کو یاد دلائیے۔ **اذ قال لقومہٖ** جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم کو فرمایا وہ جو کہ اُلٹی ہوئی بستیوں والے تھے۔ **انکم** ۔بیشک تم۔ **لتاتون الفاحشۃ** ہو۔ بُرے فعل کو وہ خصلت جو قباحت میں انتہائی ہے گویا کسی نے پوچھا کہ وہ خصلت کیسے قبیح تر ہے تو اُس کے جواب میں فرمایا **ما سبقکم** اس سے پہلے کسی نے ایسا فعل قبیح نہیں کیا **من احد من العالمین** ۔ عالمین میں سے کسی ایک نے (ایسا بُرا کام نہیں کیا) یعنی جس طرح کی قباحت تم نے پھیلائی ہے اس سے پہلے ایسا کام کسی نے نہیں کیا تم ایسے فعل کے مرتکب ہوئے ہو کہ جس سے لوگوں کو حد سے زیادہ نفرت ہے لیکن چونکہ تم خبیث طبیعت ہو اسی لیے ایسے گندے فعل کا ارتکاب کرتے ہو۔

اعجوبہ:۔ لوط علیہ السلام کی قوم سے پہلے ایسا گندا فعل (کہ مرد مرد پر چڑھ کر وطی کرے) کسی نے نہیں کیا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بہت بڑا وقت گزرا اور بہت بڑے جرائم کے ارتکاب والے گزرے لیکن ایسا گندا عمل کسی سے سرزد نہ ہُوا۔ **ائنکم لتاتون الرجال** کیا بیشک تم مردوں کے ہاں آتے ہو یعنی ان سے مباشرت کرتے ہو بہت بُرا کرتے ہو۔ **وتقطعون السبیل** اور تم راستہ آسانی سے طے کرتے ہو جیسا کہ عادۃً راستہ طے کیا جاتا ہے۔

فائدہ:۔ قطع الطریق دو معنوں میں آتا ہے:۔

۱۔ عادۃً راستہ طے کرنا۔

۲۔ ڈاکہ زنی کرنا۔ یہ اس لیے کہ جب لوگوں کے مال غصب کیے جاتے ہیں تو لوگ وہ راستہ چھوڑ جاتے ہیں اس معنیٰ پر اسے قطع الطریق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ یہ لوگ عوام راہ گیروں سے مال چھین لیتے تھے ——— تاکہ عوام ان کے شہروں میں آکر

ان کے پھل نہ توڑیں اور نہ ہی ان کی کھیتیوں کو خراب کریں یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم نسل کو قطع کرتے ہو کیونکہ لواطت حرث نہیں بلکہ خباثت ہے۔ و تاتون اور آتے ہو تم اور بے پرواہ ہو کر عمل کرتے ہو۔ المنکر: برائی کا۔ المفردات میں ہے کہ جس فعل کو عقل صحیح برا سمجھے وہ منکر ہے یا عقل کو تو اُس کی قباحت میں توقف ہو لیکن شرع اسے قبیح کہے۔

لوطیوں کے قبائح

(۱) مجلس میں اعلانیہ جماع۔

(۲) لواطت۔

(۳) ڈینگ مارنا۔

فائدہ: دبر سے زوردار ہوا خارج کو ضراط کہا جاتا ہے۔

فائدہ: اہل ہند پیٹ کی ہوا کو روکنے کو بیماری اور اس کے خارج کرنے کو علاج کہتے ہیں اسی لیے وہ بھری مجلس میں ہوا خارج کر دیتے ہیں اور وہ اسے عیب بھی نہیں سمجھتے۔

حکایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر وعظ کر رہے تھے تو اچانک آپ نے ہوا خارج کر کے فرمایا بھائیو اللہ تعالے نے انسان میں عوارض رکھے ہیں منجملہ ان کے پیٹ کی ہوا ہے اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا (اس سے آپ گویا معذرت چاہتے تھے) آپ کی تقریر سن کر صعصعہ بن صوحان نے کہا آپ ٹھیک فرماتے ہیں لیکن پیٹ کی ہوا وضو کی جگہ پر تو خارج کی جا سکتی ہے اور اسے سنّت بھی کہا جا سکتا ہے لیکن منبر پر ہوا کا خارج کرنا بدعت ہے میں اپنے اور تمھارے لیے مغفرت چاہتا ہوں۔

(۴) بٹن کھلے رکھنا۔

(۵) سارنگیاں بجانا۔

(۶) مزامیر۔

(۷) مذاق کرنا۔

فائدہ ۱:۔ اس میں تنبیہ ہے کہ ایسے اُمورِ معاشرہ میں داخل نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ یہ قبیح اُمور ہیں۔

ملفوظ جنید قدس سرہٗ

سیدنا جنید قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے آپ نے فرمایا ہر مجلس بُری ہے سوائے اس کے کہ اس میں ذکر و فکر ہو۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کنکریاں پھینکنا بھی منکر (برا) ہے یعنی اُنگلیوں میں کنکریاں رکھ کر لوگوں پر پھینکنا بُرا عمل ہے۔

(۸) ان لوطیوں کی عادت تھی کہ ایک پیالے میں کنکریاں رکھ لیتے تھے جو بھی ان کے سامنے گزرتا اس پر کنکری پھینکتے جس کو کنکری لگتی ہے اس کے لیئے کہتے کہ جو کچھ اُس وقت میرے پاس ہے وہ تیرا ہے اور اس کا نکاح کرتے اور تین دراہم تک اسے چٹی ادا کرتے اس معاملہ کے لیے قاضی بھی رکھے ہوئے تھے جو ان کا اس قسم کا فیصلہ کرتے ان میں ہو اجور سدوم کا قاضی بھی تھا۔

(۹) ان کی عادات میں تھا کہ بندوق سے کنکریاں پھینکتے جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ کنکریاں نہ پھینکو اس لیے کہ یہ کسی کو قتل بھی کر سکتی ہیں اور نہ شکار مار سکتی ہیں البتہ آنکھ نکلنے کا خطرہ ہے اور دانت ٹوٹنے کا بھی۔

(۱۰) سیٹی بجانا۔

(۱۱) انگلیوں کو کھینچ کر آواز نکالنا۔

(۱۲) ہاتھوں کو مہندی لگانا۔

مسئلہ: نماز میں انگلیوں کو کھینچ کر آواز نکالنا مکروہ ہے ویسے خارج از صلوٰۃ بھی یہ عمل نہیں چاہیئے تاکہ لوطیوں سے مشابہت نہ ہو۔

(۱۳) مساگ مارنا لیکن عورتوں کو مکروہ نہیں اگر روزہ دار نہ ہو یہ ان کے یے بمنزلہ مسواک کے ہے کیونکہ ان کے دانت بہ نسبت مردوں کے کمزور ہیں جیسے ان کے دوسرے اعضاء بہ نسبت مردوں کے کمزور ہیں اسی یے مسواک سے ان کے دانتوں کے گرنے کا خطرہ ہے اس یے وہ مساگ ماریں تاکہ ان کے دانت اور مسوڑھے مضبوط ہوں جیسے مردوں کو مسواک فائدہ دیتا ہے لیکن مساگ مردوں کو مکروہ ہے ہاں بیماری کی وجہ سے مثلاً منہ کی بدبو دور کرنے کے یے ہو تو جائز ہے لیکن بچنا چاہیئے تاکہ عورتوں سے مشابہت نہ ہو۔

(۱۴) لوطیوں کی عادات میں گالی دینا تھا۔

(۱۵) ان کی عادات میں تھا مزاح میں گالی دینا۔ بزرگ کہتے ہیں کہ مزاح میں گالی دینا شرک صغیر اور حرب کبیر کا موجب ہے۔

(۱۶) ان کی عادات میں تھا کبوتر بازی۔

کبوتر بازی سے تنگی رزق:۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبوتر بازی لوطیوں کے عادات میں سے ہے اور کبوتر باز نہیں مرے گا جب تک کہ فقر وفاقہ کا منہ نہ دیکھے[1] (کذا فی حیوۃ الحیوان)

فما کان جواب قومه تو نہ تھا جواب ان کی قوم کا۔ یعنی جب لوط علیہ السلام نے انہیں مذکورہ بالا قبائح سے روکا **الا ان قالوا** تو ان کا جواب تھا مگر یہ کہ انہوں نے استہزاء کہا کہ ہم ان امور کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے **ائتنا** لائیے ہمارے ہاں وہ جو تو ہمیں نزول عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے۔ **ان کنت من الصادقین** اگر تم سچے لوگوں سے ہو کہ یہ امور قبیح ہیں اور ان کی وجہ سے عذاب نازل ہوگا تو لائیے عذاب۔

فائدہ:۔ الارشاد میں ہے کہ جتنی بار لوط علیہ السلام نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا تو ان کا کوئی جواب نہ تھا سوائے اسی کے۔

فائدہ:۔ سورۂ اعراف میں بھی یونہی ہے **فما کان** الخ پھر سورۂ نمل میں بھی تھا **فما کان** الخ لیکن یہ آخری مقولہ ہے کہ اس کے بعد پھر کوئی بات نہ ہوئی **قال** لوط علیہ السلام بطور مناجات کہا۔ **رب انصرنی** اے میرے پروردگار میری مدد فرما کہ ان پر موعدہ عذاب نازل فرمائیے۔ **علی القوم المفسدین**۔ ان مفسد لوگوں پر کہ انہوں نے ایسے برے عمل کی ابتداء کی کہ جس کی پہلے کوئی مثل نہیں انہوں نے آنے والی نسلوں کے یے سے طریقہ

---

[1] فقیر کے مشاہدہ میں ہے کہ کبوتر باز عموماً روزی سے تنگ ہوتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰیۙ قَالُوْٓا اِنَّا
مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ۚۖ
قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٝ لَنُنَجِّیَنَّهٗ
وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ○ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ
رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ
وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِیْنَ ○ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا
مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ○ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰیَةًۢ
بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ وَاِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۙ
فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا
تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ○ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ○ۙ وَعَادًا وَّ
ثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ○ۙ
وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَیِّنٰتِ
فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ ○ۚۖ فَكُلًّا اَخَذْنَا

بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ
اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۖ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ
الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ وَتِلْكَ
الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ○ خَلَقَ
اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ ع

ترجمہ

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے بولے ہم ضرور اس شہر والوں کو

ہلاک کریں گے۔ بیشک اس کے بسنے والے ستم گار ہیں کہا اس میں تو لوط ہے فرشتے بولے
ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ اس میں ہے ضرور ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دیں گے
مگر اس کی عورت کو وہ رہ جانے والوں میں ہے۔ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے
ان کا آنا اسے ناگوار ہوا اور ان کے سبب دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا نہ ڈریئے اور نہ
غم کیجئے۔ بیشک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو نجات دیں گے مگر آپ کی عورت وہ رہ
جانے والوں میں ہے۔ بیشک ہم اس شہر والوں پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں۔

بدلہ ان کی نافرمانیوں کا اور بیشک ہم نے اس سے روشن نشانیاں باقی رکھیں عقل والوں کے لیئے اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو بھیجا تو اس نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اور پچھلے دن کی اُمید رکھو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو تو اُنہوں نے اسے جھٹلایا تو اُنہیں زلزلے نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے اور عاد اور ثمود کو ہلاک فرمایا اور تمھیں ان کی بستیاں معلوم ہو چکی ہیں اور شیطان نے ان کے کوتک ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے اور انہیں راہ سے روکا اور انہیں سوجھتا تھا۔ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو۔ اور بیشک ان کے پاس موسیٰ روشن نشانیاں لے کر آیا تو اُنہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ ہم سے نکل کر جانے والے نہ تھے۔ تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا اور ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا اور ان میں کسی کو زمین میں دھنسا دیا۔ اور ان میں کسی کو ڈبو دیا اور اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرے ہاں وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ان کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اور مالک بنا لیے ہیں مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا اور بیشک سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے کیا اچھا ہوتا اگر جانتے۔ اللہ جانتا ہے جس چیز کی اس کے سوا پوجا کرتے ہیں اور وہی عزت اور حکمت والا ہے۔ اور مثالیں ہم ان لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔ اللہ نے آسمان اور زمین حق بنائے بیشک اس میں نشانی ہے مسلمانوں کے لیے۔

تفسیر عالمانہ:۔ **ولما جاءت** اور جب آئے **رسلنا** ہمارے فرشتے یعنی جبریل علیہ السلام اور ان کے دوسرے ساتھی۔ **ابراھیم** ابراہیم علیہ السلام کے ہاں **بالبشری** خوشخبری

بقیہ صفحہ ۳۰۳

جاری کر دیا اور اس بُرے فعل پر اصرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے ہاں چلے جاؤ اور ان کو جا کر خوشخبری سناؤ۔ خوشخبری کا بیان اگلے رکوع میں ہے۔

فائدہ:۔ **علیھم یا علی قومی** انہیں مفسدین سے موصوف کیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ اس عذاب کے مستحق اسی افساد کی وجہ سے ہوئے اور اس لائق تھے کہ ان پر فوراً عذاب نازل ہو۔

قاعدہ:۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کافر کو فسق و افساد سے موصوف کیا جائے تو وہاں اس کا کفر میں غلو مراد ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

ے کر یعنی صاحبزادہ کی ولادت کا مژدہ **قالوا** ابراہیم علیہ السلام کو مزید یہ بھی سُنایا کہ **انا مھلکوا اھل ھذہ القریۃ** اس بستی والوں کو ہم تباہ و برباد کرنے کے لیے آئے ہیں اس سے سدوم کا علاقہ مراد ہے اور یہ اضافہ لفظی ہے کیونکہ اس میں استقبال کا معنیٰ ہے۔ **ان اھلھا کانوا من الظالمین**۔ بیشک ان کے لوگ ظالم ہیں کفر کرتے اور جھٹلاتے اور دیگر کئی قسم کی برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ **قال**۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے اہل ایمان پر شفقت کرتے ہوئے اور ان سے حجت کر کے فرمایا **ان فیھا لوطًا**۔ بیشک اس میں لوط علیہ السلام بھی ہیں۔ پھر اس شہر کو کس طرح تباہ کیا جائے گا۔

لُوط کی وجہ تسمیّہ

لوط علیہ السلام کا یہ نام اس لیے ہُوا کہ لوط بمعنی کسی کا اس سے دل لگ جانا چونکہ ابراہیم علیہ السلام کا دل ان سے چمٹا رہتا تھا کیونکہ وہ آپ سے محبت رکھتے تھے اسی لیے اس نام سے موسوم ہوئے۔ **قالوا**۔ ملائکہ نے کہا **نحن اعلم** ہم آپ سے بہت زیادہ جانتے ہیں **بمن فیھا**۔ ان کو جو اس میں ہیں اور نہ ہم لوط علیہ السلام کے حالات سے بے خبر ہیں اور آپ کو اس کا خوف نہ ہو کہ اہل ایمان پر ظلم ہوگا **لننجینہ**۔ البتہ ہم لوط علیہ السلام کو نجات دیں گے۔ **واھلہ** اور اس کے اہل کو یعنی ان کے تابعداروں کو جو اہل ایمان ہیں یعنی ان کی صاحبزادیاں **الا امراتہ** مگر اس کی عورت **کانت من الغابرین**۔ جو پیچھے رہنے والوں میں ہے یعنی عذاب والوں یا بستی والوں میں سے ہے یعنی ہم لوط اور ان کے ماننے والوں کو کہیں گے کہ یہاں بستی سے نکل جاؤ تو پھر وہ چلے جائیں گے اور ان کی اہلیہ بستی میں رہ جائے گی اور ان کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوگی۔ **ولما ان** یہ ان دونوں کا صلہ ہے۔ **جاءت رسلنا**۔ آئے ہمارے مذکورہ بالا فرشتے ابراہیم علیہ السلام سے فراغت کے بعد **لوطًا سیٔ بھم** لوط علیہ السلام کے ہاں لوط علیہ السلام کو ملال لاحق ہوئی۔ اس خوف سے کہ کہیں انھیں میری قوم سے نقصان نہ پہنچے یعنی اپنی عادت کے مطابق ان کے ساتھ بُرائی نہ کریں کیونکہ وہ مسافرین کو ستاتے تھے اور لوط علیہ السلام اُس طرف متوجہ نہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہیں کیونکہ وہ اس وقت بے ریش حسین لڑکے تھے ان پر لباس فاخرہ تھا اور خوشبو سے مہکتے ہوئے آئے تو سمجھا یہ اجنبی انسان اور بے ریش ہیں۔ **وضاق بھم ذرعًا**۔ ان کے معاملہ میں تنگی محسوس کی اور سوچ میں پڑ گئے کہ ان کے بچنے کی تدبیر کس طرح ہوگی اور اس کشمکش میں پڑ گئے کہ کیا انھیں روانہ کر دیا جائے یا اپنے ہاں ٹھہرایا جائے **ضاقت یدہ** اس کا ہاتھ تنگ ہو گیا اس کے بالمقابل بولتے ہیں **رحب ذرعہ بکذا** جب اس کو اس کام کی طاقت ہو اور اس کے پورا کرنے پر قدرت رکھتا ہو کیونکہ لمبے ہاتھ والا جو کام کر سکتا

---

[1] یہ عقیدہ حق ہے کہ جہاں اللہ والے ہوتے ہیں وہاں تباہی و بربادی نہیں ہوتی یہی ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ ہم اہل سنت کو نصیب ہوا۔ (اویسی غفرلہٗ)

ہے وہ ٹیوٹے ہاتھ والا نہیں کرسکتا۔ و قالوا اور جب فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو غم گین دیکھا گیا تو انہیں تسلّی کے طور پر کہا لا تخف خوف نہ کھایئے کہ آپ کی قوم ہیں کچھ کرے گی ولا تحزن اور غم نہ کیجئے انا منجوك واهلك ہم تمھاری قوم کو تہس نہس کردیں گے لیکن آپ کو اور آپ کے اہل کو نجات دیں گے الا امراتك كانت من الغابرين مگر آپ کی زوجہ جوکہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔ انا منزلون علی اهل هذه القرية ہم اسی سدوم بستی والوں پر (جو سات ہزار نفوس پر مشتمل تھی (کذا کشف الاسرار) رجزا من السماء۔ آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں یعنی ان کو زمین میں دھنسا دیں گے پھر ان کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔

فائدہ:۔ رجز وہ عذاب جو معذب کو پریشان و ذلیل کرے۔ یہ ارتجز سے بمعنے ارتعش واضطرب بما كانوا يفسقون بسبب اس کے کہ وہ فسق کرتے رہے اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے اپنے ایک پر سے شہر کو پھر ان پر پتھر برسائے بعد اس کے کہ لوط علیہ السلام اپنی بچیوں کو ساتھ لے کر باہر تشریف لے گئے۔ خلاصہ یہ کہ لوط علیہ السلام اپنے ماننے والے سمیت بچ گئے۔ اور وہاں سے چلے گئے اور مجرمین تباہ و برباد ہو گئے پھر شہر ویران پڑ گیا اور آنے والوں کے لیے عبرت بن چنانچہ فرمایا ولقد تركنا منها یہ من تبیین کا ہے تبعیضیہ نہیں کیونکہ بقایا وہ بستی کا بعض حصہ نہیں بلکہ کل کا بقایا تھا یعنی بیشک ہم نے اس بستی سے چھوڑی آیۃ بینۃ نشانی ظاہر اس سے اس کا قصہ عجیبہ مراد ہے اور اس کی وہ حکایت جو آج زبان زد ہے اور ان کے گھروں کے نشانات جو تباہ و برباد پڑے ہیں یا وہ پتھر جو ان پر برسے جو ہر ایک کے لیے علٰحدہ علٰحدہ نامزد ہو کر آسمان سے اترے کیونکہ وہ عرصہ دراز تک پڑے رہے جسے ان کے بعد آنے والے لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا یا اس سے وہ کالا پانی مراد ہے جو ان کے زمین کے دھنستے وقت روئے زمین پر ظاہر ہوا ایسا بدبودار کہ لوگ اس کی بدبوئی دُور دُور سے سونگھتے اور پریشان ہو جاتے لقوم يعقلون ایسی قوم کے لیے جو اپنی عقلوں میں عبرت پکڑنے میں استعمال کرتے ہیں یا یہ ترکنا کے متعلق ہے یا بینۃ کے۔

فائدہ:۔ اس میں عقل کی شرافت کی طرف اشارہ ہے لیکن وہ جو انسان کو عبرت دلائے اور گناہوں اور خطرات پیش کرنے سے بچائے۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

(۱) عقل ایمانی چو شحنہ عادلست	پاسبان حاکم شہر دلست
(۲) ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش	دزد در سوراخ ماند ہمچو موش
(۳) در ہر آنجا بر آرد موش دست	نیست گربہ یا کہ نقش گربہ است
(۴) گربہ چوں شیر شیر افگن بود	عقل ایمانی کہ اندر تن بود

(۵) غـــرهٔ او حاکم درندگان !! نعـــرهٔ او مانع چـــرندگان

(٦) شہر پر دزد است و بر جامہ کنی خواہ شحنہ باش گرو خواہ نی

ترجمہ

(۱) ایمان دار کی عقل کو توال کی طرح ہے وہ دل کے شہر کا پاسبان اور حاکم ہے ۔
(۲) وہ بلی کی مانند بیدار و ہوشیار ہے چور چوہے کی طرح سوراخ میں رہتے ہیں ۔
(۳) وہاں سے چور ہاتھ باہر نکالتا ہے جہاں بلی یا اس کی تصویر نہ ہو ۔
(۴) بلی شیر کی طرح گرنے والی ہوتی ہے ایماندار کی عقل بھی ایسے ہے ۔
(۵) اس کی چمک درندوں کی حاکم ہے اس کا شور چرندوں کا مانع ہے ۔
(٦) شہر چوروں سے پُر ہے ہوشیاری سے کام لے اس میں کوتوال ہو یا نہ ۔

حدیث شریف :- حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کی نیکی بہت بڑی تعریف کی گئی آپ نے فرمایا وہ عقل کتنا رکھتا ہے صحابہ کرام نے عرض کی حضور ہم آپ کو اس کی نیکی کی تعریف کرتے ہیں آپ اُس کی عقل پوچھتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ احمق بہت بڑے فاجر سے بھی زیادہ بدبخت ہے[۱] کل قیامت میں لوگ اپنی عقل سے ہی بہت بڑے درجات پاسکیں گے ۔

لطیفہ :- ہر شے جتنی زیادہ ہو وہ چلی جاتی ہے عقل جتنی زیادہ ہو قیمتی ہوتی ہے ۔

---

[۱] سچ فرمایا محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض عورتوں کو اپنی زوجیت سے شرف بخشا لیکن بے چاری بے عقلی کا شکار ہو کر ایسے بہت بلند مراتب سے محروم ہو گئیں جن کا بعد کو اُنھوں نے اظہار تحسر کیا لیکن کیا فائدہ ۔ ناظرین کے افادہ کے لیے چند ایک کے حالات حاضر ہیں شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس میں عجیب نکتہ ہے جو مفید و نافع ہے بیان کرتے ہیں اگرچہ اس حیثیت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف کا ذکر ہے اور اس بارگاہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں سب ہی مفید و نافع اور موجب ذوق ولذت ہیں ۔ ان عورتوں میں سے ایک عورت ضحاک کی بیٹی کلابیہ تھی جس نے دنیا کو اختیار کر رکھا تھا ۔ آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ مینگنیاں چنتی تھی ایک شخص نے اُسے دیکھا تو پوچھا تو کون ہے اس نے سر اُٹھا کر کہا انا الشقیۃ التی اختارت الدنیا علی اللہ و رسولہ " میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا کو اختیار کیا تھا ۔ دوسری عورت اسما کندیہ ہے جسے جامع الاصول میں

لطیفہ: ایک اعرابی نے کہا کہ اگر عقل اپنی صورت میں باہر آجائے تو سورج اُس کے نور سے بے نور ہو جائے اور اگر حماقت اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو تو رات بھی اس سے زیادہ روشن ہو یعنی وہ اتنا سیاہ ہے کہ کالی رات اس کی نسبت پھر بھی روشن ہے حالانکہ اس میں روشنی ہے ہی نہیں اسی لیے تو اس کا نام لیل (کالی) ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست — او عدو ماست غول و رہزن است

(۲) ہر کہ عاقل بود از جان ماست — روح او ریح او ریحان ماست

(۳) ما بدہ عقلیست نے نان و شوی — نور عقلیست اے پسر جان را غذی

(۴) نیست غیر نور آدم را از جہز خورش — از جز نباید پرورش!

(۵) ایں خورشہا اندک باز بر — زیں غذائے خر بود نے آن حر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:

جو یہ کہا ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے اسماء بنت النعمان بن ابی الجون الکندیہ الجونیہ نام بتایا گیا ہے اور کہا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا البتہ اُس کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے بارے میں اتفاق ہے چنانچہ قتادہ اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے قرب سے نوازنا چاہا اور اس سے فرمایا کہ قریب آؤ تو اس عورت نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پناہ تلاش کرتی ہے اور بہت بڑی پناہ مانگتی ہے بلا شبہ حقتعالیٰ نے تجھے پناہ دے دی۔ الحقی باہلک۔ جا تو اپنے گھر والوں سے مل جا یہ کلمہ ایسا ہے جو طلاق کی نیت سے بولا جاتا ہے۔ جامع الاصول میں اسی بنت الجون کے قصہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ ابنۃ الجون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اُس نے کہا اعوذ باللہ منک اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ تلاش کی ہے جا اپنے اہل کے ساتھ مل جا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ نسائی میں اس طرح مروی ہے کہ کلابیہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو (الحدیث) سیدہ صدیقہ سے اتنا ہی روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا مطلب یہ کہ کسی دوسرے نے اس کو سکھایا بلکہ اس نے اپنی طرف کہا اور کسی دوسرے کو کیا ضرورت تھی کہ وہ سکھائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تو ایسا گمان ہی کرنا نہیں چاہیئے کہ اُنہوں نے اسے سکھایا ہو اور وہ اس قصہ میں داخل ہوں حسن ظن لازم ہے (واللہ اعلم) مزید تحقیق فقیر کی کتاب باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب میں پڑھیئے۔ (اویسی غفرلہ)

(۶) "تا غذائے اصل را قابل شوے لقمہائے نور را آکل شوی

ترجمہ

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ جو احمق ہے وہ ہمارا دشمن اور الّو اور راہزن ہے۔

(۲) وہ جو عاقل ہے وہ ہماری جان ہے وہ ہماری روح اور ریحان و راحت ہیں۔

(۳) عقل ایک دسترخوان ہے وہ روٹی وغیرہ کی طرح لقمہ نہیں عقل نور ہے اے عزیز وہ جان کی غذا ہے۔

(۴) آدمی کی غذا سوائے اس نور کے اور کوئی شے نہیں اسی رُوح کی پرورش اسی سے ہے۔

(۵) ایسی خوراک سے تھوڑا تھوڑا حاصل کر لیا کرو اس غذا سے اچھے لوگ فائدہ پاتے ہیں نہ کہ بیوقوف۔

(۶) ایسا ہو جا کہ اس غذا کے لائق سمجھا جائے۔ نور کا لقمہ کھانے والا تجھے تصور کیا جائے۔

فائدہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ نجات دینے پر اور دشمنوں کو تباہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ جملہ اُمور پر غالب ہے اور اس کا گروہ کامیاب ہے۔ اس کا گروہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام ہیں اور وہ لوگ جو ان کے قریب ہوتے ہیں اور نجات پانے والے بھی اور اہل حشر بھی وہی ہیں اور وہ لوگ جو ان کے قریب ہوتے ہیں تابعداری لیکن اتصال معنوی بھی ضروری ہے کیونکہ اتصال ظاہری کوئی فائدہ نہیں دیتا جیسے لوط علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی عورتیں اگرچہ بظاہر تو ان کے ساتھ تھیں لیکن اتصال معنوی نصیب نہ تھا اسی لیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے خیانت کا اظہار فرمایا ہے اور انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا بوجہ ان کی خیانت کے اور عدم اطاعت کے حالانکہ لوط علیہ السلام کی صاحبزادیاں نجات پا گئیں کیونکہ انھیں اپنے والد گرامی سے اتصال معنوی اور ایمان حاصل تھا۔ پاکی ہے اُس ذات کے لیے جو زندوں کو مردوں سے نکالتا ہے یعنی کافروں میں ایمان دار پیدا فرماتا ہے۔

والیٰ مدین اخاھم شعیبا۔ اور ہم نے مدین کی طرف اُن کی برادری کے شعیب علیہ السلام کو بھیجا اخ اس لیے کہا گیا کہ آپ ان کے نسب سے تھے۔ اس آیت کی تفسیر بار بار گزری ہے۔ **فقال** تو شعیب علیہ السلام نے بطریق دعوت فرمایا۔ **یا قوم۔** اے میری برادری **اعبدوا اللہ** اللہ کی عبادت کرو یعنی اسے واحد لاشریک مانو **وارجوا الیوم الاخر** اور قیامت کے دن کے لیے نیک اُمید رکھو اور قیامت کو یوم آخر سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ آخری دن ہے کیونکہ اس دن بہت بڑی سختیاں ہوں گی۔ فلہذا اس دن کے لیے ایسے نیک کام کرو جن سے تم فائدے پاسکو اور عذاب الٰہی سے بچ سکو۔ بعض نے کہا اس سے موت کا آخری دن ہے کیونکہ اس دن میں زندگی کے لمحات ختم ہوں گے۔ **ولا تعثوا۔** اعثار سے ہے بمعنی افسد اول باب سے ہے اور نہ پھیلاو **فی الارض** زمین پر یعنی مدین میں درآنحالیکہ **مفسدین** تم فساد ڈالنے والے ہو۔ کیل و وزن کم کرکے۔

سوال۔ اسے افساد سے کیوں مقید کیا گیا ہے حالانکہ عثا میں ہوتا بھی فساد ہے۔

جواب: کبھی اس میں فساد نہیں ہوتا مثلاً ظالم کے ظلم کو روکنے کے لیے کبھی ہوتا ہے اور کبھی اس میں اصلاح بھی مطلوب ہوتی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے نوجوان کو قتل اور کشتی کو چیر ڈالا تھا۔ **فکذبوہ** ۔ پس انھوں نے اسے جھٹلایا یعنی شعیب علیہ السلام کے روکنے پر فساد سے نہ رُکے۔ **فاخذتھم الرجفۃ** تو انہیں جھٹکے نے پکڑا ۔ رجفہ سے زلزلہ شدیدہ مراد ہے اور وہ ایسا جھٹکا تھا کہ دیواریں ان پر گر پڑیں اور سورۃ ہود میں ہے **فاخذت الذین ظلموا الصیحۃ** تو انہیں صیحہ نے پکڑا ۔ یہ صیحہ چیخنا جبریل علیہ السلام کا تھا جو رہی رجفہ کا سبب بنا کہ وہی آواز ہوا میں گھوم کر زمین کی تہہ میں داخل ہوئی تو دیواریں گر گئیں **فاصبحوا فی دارھم** پس ہوگئے اپنے گھروں میں ۔ دار کے بجائے دیار نہیں کہا گیا اس لیے کہ یہاں پر التباس کا خطرہ ہے ۔ **جاثمین** ۔ گھٹنوں کے بل ۔ مرے ہوئے یعنی اندھے گر پڑے تھے وہ اس لیے کہ انھوں نے نبی علیہ السلام کی بات نہ مانی تو اس کی سزا یونہی پائی کیونکہ سزائیں بوجہ بدعملی کے ہوتی ہیں ۔

اس کا منصوب ہونا فعل محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے کہ دراصل **واھلکنا عاداً** اتھا اور ہم نے ہلاک کیا عاد یعنی ہود علیہ السلام کی قوم کو **و ثمود** اور صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کو یہ غیر منصرف علیٰ تاویل القبیلہ کے **وقد تبین لکم** اور بیشک تمہارے لیے اے اہل مکہ ظاہر ہو گیا ان کا ہلاک کرنا اس لیے کہ یمن میں اُن کی بقایا منزلیں بتاتی ہیں یعنی عاد کی منزلیں اور حجر میں ثمود کی منزلیں نظر آتی ہیں جب وہاں سے تم لوگ گزرتے ہو **وزین لھم الشیطٰن اعمالھم** اور جب انھیں ان کے اعمال شیاطین نے سنگار ے یعنی کفر و معاصی اُن کی نظروں میں اچھے نظر آئے ۔ **فصدھم عن السبیل** تو شیطان نے انھیں اس راستے سے روکا جس پر اُنھوں نے چلنا تھا یعنی وہ سیدھا راستہ جو توحید اور حق تک پہنچانے والا تھا ۔ **وکانوا مستبصرین** اور تھے وہ دیکھنے والے ۔

حل لغات:۔ وہ لوگ صاحب بصیرت اور عقل مند تھے اور پورے طور ان اُمور کو سمجھتے تھے ۔ یہ **استبصر فی امرہٖ** سے ہے ۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو صاحب بصیرۃ ہو یعنی باوجودیکہ

اور استدلال کرنے کی بھی طاقت رکھتے تھے لیکن نہ کر سکے بوجہ شیطان کی اتباع کے اسی لیے وہ حق و باطل کے امتیاز میں اپنے عقول سے فائدہ نہ اُٹھا سکے گویا وہ جانوروں کی طرح بے عقل رہے ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

مہر حق بر چشم و بر گوش خرد
گر فلاطونست حیوانش کند

ترجمہ: حق کی مہر اگر آنکھ اور عقل کے کان پر لگ جائے تو افلاطون بھی ہو تب بھی وہ اسے حیوان بنا دے گی ۔

وقارون وفرعون وھامان۔ اس کا عطف عاد پر ہے اور ان تینوں میں سے قارون کی تقدیم اس کی نسبی شرافت کی وجہ سے ہے (موسیٰ علیہ السلام کا رشتہ دار تھا) جیسا کہ گزرا ہے۔ اس میں قریش مکہ کو تنبیہ ہے کہ تم اپنی نسبی شرافت پر ناز کر رہے ہو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ولقد جاءھم موسیٰ بالبینات اور بیشک انکے پاس موسیٰ علیہ السلام روشن دلائل اور اس کے بہترین معجزات لائے۔ فاستکبروا تو قبول حق سے تکبر کرکے محروم ہو گئے فی الارض مصر کی زمین میں وما کانوا سابقین اور نہ تھے وہ ہم سے چوکنے والے یعنی ہم نے انہیں پکڑ لیا اور تباہ و برباد ہو گئے۔

حل لغات: سبق بمعنی طالب سے ہے یہ اُس وقت ہے جب کسی سے کوئی چوک جائے۔ امام راغب کی مفردات میں ہے کہ دراصل السبق بمعنی استقدام فی السیر چلنے میں آگے ہونا ہے پھر مجازاً ہر سبقت کے لیے مستعمل ہونے لگا۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے سے جزائے عمل کی سبقت فرمائی ہے اگر نیک عمل ہیں تو نیک جزا ہوگی اگر بُرے اعمال ہوں گے تو سزا فکلا یہ سابق مضمون (عدم سبق) مجمل کی تفسیر ہے یعنی مذکورین میں سے ہر ایک کو اخذنا بذنبہ ہم نے اُس کے گناہ کے بدلے میں پکڑا یعنی ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا ملی یہ نہیں ان میں بعض کو سزا ملی ہو اور بعض کو چھوڑ دیا گیا ہو جیسا کہ تقدیم مفعول سے معلوم ہوتا ہے۔

اخذ کی تحقیق

بعض نے کہا کہ اخذ دراصل ہاتھ سے پکڑنے کو کہا جاتا ہے پھر مجازاً چند معانی میں مستعمل ہوا۔

(۱) بمعنی القبول کما قال تعالیٰ واخذتم علی ذلکم اصری ای قبلتم الخ یعنی تم نے میرا معاہدہ قبول کر لیا۔

(۲) بمعنی تعذیب جیسے اس مقام میں مستعمل ہوا ہے۔ المفردات میں ہے کہ اخذ بمعنی شے کو اکٹھا کرنا اور حاصل کرنا پھر یہ کبھی ہاتھ سے لینے سے ہوتا ہے جیسے معاذ اللہ ان ناخذ الا من وجدنا متاعنا عندہٗ پناہ خدا کی کہ ہم حاصل کریں مگر اسے جس کے پاس ہمارا سامان ہے۔ بمعنی قہر جیسے لا تاخذہٗ سنۃ ولا نوم (اس پر اونگھ اور نیند غلبہ نہیں کرتی) کہا جاتا ہے اخذتہ الحمی (اس پر بخار کا حملہ ہوا ہے) قیدی کو ماخوذ اور اخیذ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ گناہ کے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتا حالانکہ اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو گناہ کے بغیر بھی سزا دے تو دے سکتا ہے۔

جواب: اس کا قانون یہ ہے کہ جرم کے بغیر کسی کو سزا نہ دی جائے اور اگر وہ کسی کو اپنی حکمت سے کوئی سزا دے تو مالک ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے فمنھم من ارسلنا علیھم حاصبا تو ان میں بعض وہ ہیں جن پر ہم نے پتھراؤ کیا۔ یہ اخذ کی تفصیل ہے یعنی انہیں بعض وہ بھی تھے جن پر سخت آندھی کے ذریعے ان پر سنگباری ہوا۔

حاصبًا چھوٹی کنکریوں کو کہا جاتا ہے اور یہ عذاب عاد کی قوم پر ہُوا یا حاصبا سے وہ فرشتہ مراد ہے جس نے ان پر کنکریاں پھینکیں اور وہ لوط علیہ السلام کی قوم تھی یعنی جن پر ملائکہ نے پتھر برسائے اور جن پر ہوا کے ذریعہ پتھر اُڑا ہُوا اور وہ عاد کی قوم تھی و منھم من اخذ تہ الصیحۃ اور ان میں بعض وہ تھے جن کو چنگھاڑ نے پکڑا (یعنی ان پر جبریل علیہ السلام نے چیخ ماری تو ان کے دل پھٹ گئے اور دہشت سے ان کی رُوح پرواز کر گئی و منھم من خسفنا بہ الارض اور ان میں بعض وہ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا جیسے قارون اور اس کے ساتھی یہ بار تعدیہ کی ہے اس سے ان کے اعمال کی پوری جزاء مراد ہے اس لیے کہ مالِ کثیر تو زمین کے نیچے رکھا جاتا ہے لیکن یہاں اُن کے سروں پر رکھا گیا و منھم من اغرقنا اور ان میں بعض وہ ہیں جنہیں ہم نے غرق کر دیا جیسے قوم نوح اور فرعون اور اس کی قوم الاغراق بمعنی غرق کرنا (کذا فی التاج) الغرق بمعنی پانی کے اندر چلا جانا وما کان اللہ لیظلمھم اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ ان پر ظلم کرے یعنی فعل کو غیر محل میں رکھے کیونکہ یہ اس کے حق میں محال ہے اسی لیے اس نے پہلے رسل کرام علیہم السلام بھیجے ولکن کانوا انفسھم یظلمون لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے رہے یعنی ایسے عمل کرتے رہے جن کی وجہ سے ایسی سزائیں پائیں۔ ؎

(۱) اے کہ حکم شرع را رد می کنی
راہ باطل می روی بد می کنی

(۲) چوں تو بد کردی بدی یابی جزا
پس بدیہا جملہ با خود می کنی

ترجمہ

(۱) اے فلاں تو شرع کا حکم رد کرتا ہے باطل راہ پر چل کر بُرا کرتا ہے۔

(۲) تو بُرائی کرتا ہے تو تجھے سزا بھی بُری ملے گی اس سے ثابت ہُوا کہ تو تمام برائی تو خود کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد
بر کسے تہمت منہ بر خویش کرد

ترجمہ:۔ تجھے درد کی وجہ سے جو غم بھی آتا ہے کسی دوسرے پر تہمت نہ کر یہ تیرا اپنا کیا ہوا ہے۔

روحانی نسخے:۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے کہ

(۱) دنیا کی حلاوت آخرت کے کڑوے پن کا

(۲) دنیا کا کڑوا پن آخرت کی حلاوت کا سبب ہے

(۳) دنیا کی پیاس آخرت کی سیرابی

(۴) دنیا کی سیرابی آخرت کی پیاس کا موجب ہے۔

(۵) دنیا کی خوشی آخرت کے حزن کا

(۶) دنیا کا حزن آخرت کی خوشی کا سبب ہے۔

(۷) جس نے آخرت کے لیے نیکی یا بُرائی بھیجی وہ اُسے آخرت میں ضرور پائے گا۔

سبق:۔ کفار سابقین کا حال تم نے پڑھا کہ جب تم نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے اگر تصدیق کرتے تو اُن کے سابقہ گناہوں کی معافی ممکن تھی۔ خلاصہ یہ کہ جب انہوں نے اپنی غلطیوں پر اصرار کیا تو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ایسی حالت پر قیامت میں اُٹھیں گے۔ اسی لیے وارد ہے کہ قبروں سے ہائے ہائے کرتے ہوئے اُٹھیں گے۔

فائدہ:۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ اور آنے والے لوگوں کو عبرت دلائی ہے تاکہ عبرت پکڑ کر اپنے عقول کو استعمال کر کے نفع حاصل کریں ظلم و ایذاء اور تکبر و افساد سے اجتناب کریں اسی میں ان کی بہتری اور نجات اور کامیابی ہے لیکن تربیت و ارشادات انہیں مؤثر ہو سکتے ہیں جن میں استعداد ازلی ہو۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

چوں بود اصل جوہرے قابل
تربیت را درو اثر باشد
ہیچ صیقل نکو نداند کرد
آہنے را کہ بد۔ گہر باشد

ترجمہ:۔ جب جوہر کا اصل قابل ہی نہ ہو تو اس میں تربیت اثر نہ کرے گی۔
وہ صیقل لوہے کو صحیح نہ کر سکے گا جس کا اصل بُرا ہو۔

فائدہ:۔ قرآن دریا کی مانند ہے اس سے وہی پاک ہو سکتا ہے جس کے اندر پاک ہونے کی استعداد ہو جیسے انسان ورنہ کُتا ہزار بار دریا میں غوطے لگائے ناپاک ہی رہے گا۔ ؎

خر عیسٰی اگر بمکہ برند
چوں بیاید ہنوز خر باشد

سگ بدریائے ہفت گانہ مشوی
کہ چوں تر باشد پلید تر باشد

ترجمہ: عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کو اگرچہ مکہ معظمہ میں لے جائیں گے جب واپس لوٹے گا تو گدھا ہی ہوگا۔
کتے کو دریا میں بار بار نہ نہلا۔ اس لیے کہ وہ جونہی تر ہوگا اور زیادہ پلید ہو جائے گا۔

لطیفہ و حکایت

ایک شخص نے اپنی بزرگی کا دعویٰ کیا محض اس گمان پر کہ اس نے فلاں بزرگ کی چالیس سال خدمت کی ہے کسی بزرگ نے اس کا دعویٰ سن کر فرمایا کہ وہ بزرگ چالیس سال خچر پر سواری کرتے رہے تو کیا وہ بھی بزرگ ہو گیا ہے جب وہ خچر استعداد کی کمی سے بزرگ کے سوار ہونے کے باوجود بزرگ نہیں بن سکا تو بھی اپنی استعداد کی کمی کی وجہ سے بزرگ نہیں ہو گیا مدعی سن کر شرمسار ہوا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے نفس کی شرارت سے خروج اور خطیرۂ قدس میں اقامت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ: قل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء۔ مثال ان لوگوں کی جنہوں نے ماسوی اللہ کو حقیقی کارساز بنایا۔

حل لغات: مثل بفتحتین بمعنی شے کی صفت (کذا فی المختار) اتخاذ افتعال اخذ سے ہے۔ اولیا سے اصنام (معبودان باطلہ) مراد نہیں (روح البیان صفحہ ۱۷۲ ج ۶)

(وہابی دیوبندی فرقہ کا واضح رد ہے جبکہ وہ یہاں پر اولیاء سے اولیاء اللہ مراد لیتے ہیں۔ اس طرح سے وہ قرآن مجید کی تحریف کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک) (اویسی غفرلہ)

اَب معنیٰ یہ ہوا کہ مشرکین کا عجیب طریقہ ہے کہ انھوں نے بتوں کو اپنا حقیقی کارساز بنا لیا۔ (کمثل العنکبوت)

حل لغات: عنکبوت کا واحد۔ جمع۔ مذکر۔ مؤنث پر آتا ہے اکثر اس کا استعمال مؤنث کے لیے ہوتا ہے۔ طاغوت کی تار کی طرح یہ تار زائدہ ہے مؤنث کی نہیں یعنی ان کا طریقہ مکڑی جیسا ہے کہ اتخذت وہ اپنے لیے بناتی ہے۔ بیتا گھر یعنی جیسے وہ کمزور سے کمزور ترتا تا تن کر گھر بناتی ہے اور اس سے صرف وہی نفع اٹھا سکتی ہے۔

فائدہ: بیتہ کی ہیئت سے تشبیہ ہے۔ بتوں کو حقیقی کارساز اور معبود بنا رکھا ہے اور ان سے منافع اور شفاعت کی امید وابستہ کرتے ہیں۔ ان کا حال مکڑی جیسا ہے کہ اس نے اپنے منافع کو اپنے گھر پر موقوف رکھا ہوا ہے کہ گرمی و سردی میں اس میں رہنے کا پروگرام بناتی ہے حالانکہ اس کا گھر نہ اسے گرمی سے بچا سکتا ہے اور نہ سردی سے

اور نہ ہی بارش سے روک سکتا ہے اور نہ ہی دوسری تکلیفوں سے تھوڑی سی ہوا سے اُڑ جاتا ہے ایسے ہی بت اپنے پرستاروں کو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی خیر دے سکتے ہیں اور نہ ہی شر دفع کر سکتے ہیں۔

پیش چوب و پیش سنگ نقش کند
کہ بسا کولان سر ہا می نہند

ترجمہ:۔ لکڑی اور پتھر کے آگے کوئی نقش کرے، تو تھوڑے عرصہ کے بعد وہ نقش مٹ جائے گا۔

سبق:۔ جو بھی سراب کو پانی تصور کرتا ہے وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرے گا۔ بالآخر اُسے معلوم ہو جائے گا۔

ع غلط بود آنچہ پنداشتم

ایسے ہی جو بھی ماسوی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اسے کچھ حاصل نہ ہو گا اور نفس پر اعتماد کرنے والا مار کھاتا ہے ایسے ہی جو بھی اپنے نفس کو حامی و مددگار سمجھتا ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت منہ پھیر لیتی ہے اسے اپنے نفس کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور صرف اسی پر سہارا کرتے ہیں وہی مومن ہیں ان کی مثال اس گھر کی ہے جو پتھروں سے تیار کیا جائے اور اس کے ارد گرد ایسی دیوار کھچی ہو کہ اس میں شرور کے گھسنے کا امکان تک نہ ہو اس کی چھت ایسی مضبوط کہ اس میں سردی اور بارش کے پہنچنے تک کا تصور بھی نہ ہو۔

دوستیہائے ہمہ عالم بروب از دل کمال
پاک باید داشتن خلوت سرائے دوست را

ترجمہ:۔ تمام عالم کی دوستی کے خیالات دل سے صاف کرے کیونکہ دل دوست کی خلوت سرا ہے اسے صاف رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ:۔ وان اوھن البیوت اور بے شک ضعیف ترین گھروں کا (لبیت العنکبوت) مکڑی کا گھر ہے جتنا ہی حشرات الارض اپنے لیے گھر بناتے ہیں مکڑی کے گھر سے زیادہ کمزور کوئی گھر نہیں ہے اس لیے کہ نہ تو اس کی کوئی بنیاد ہے نہ دیوار اور نہ چھت اور نہ گرمی سے بچا سکتا ہے نہ سردی سے اسی لیے جلد تر مٹ جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ:۔ اس میں اشارہ ہے کہ ماسوی اللہ کی دوستی کی بھی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے۔

؎ تکیہ کم کن صوفی بر دیوار غیر
غیر او دیار نے خلاق دیر

ترجمہ:۔ اے صوفی غیر کی دیوار پر سہارا نہ کر۔ غیر کی دار تادیر نہ رہے گی۔

لو کانوا یعلمون۔ اگر جانتے ہوتے تو وہ یقین کر لیتے کہ یہ بت تو ان جیسے ہیں تو سمجھ وہ ان سے دوری ہی اختیار کرتے۔

اعجوبہ:۔ حضرت کاشفی مرحوم نے لکھا کہ بحر الرائق میں ہے کہ مکڑی جتنا تانا تنتی ہے اپنے لیے قید خانہ بناتی ہے کیونکہ وہی گھر اس کی موت کا سبب بن جاتا ہے تو وہ اس کا گھر نہ ہوا بلکہ قید خانہ۔ ایسے ہی جو لوگ غیر خدا کو پوجتے ہیں تو ان کی یہ پوجا پاٹ ان کے لیے وبال جان بن جائے گی کیونکہ ان کی یہ پرستش خواہش پرستی اور دنیا پروری اور شیطان کی تابعداری پر مبنی ہے۔ اس کی سزا سے وہ پابند سلاسل ہو کر جہنم میں گھسیٹے جائیں گے جس سے چھٹکارا کبھی نہ ہو گا اور جہنم میں تباہ و برباد رہیں گے۔ اور ہمیشہ کے لیے محروم رہ کر سزا یافتہ اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فائدہ:۔ بعض صوفیائے کرام نفس کی تابعداری کو تارِ عنکبوت سے تشبیہ دیتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

از ہوا بگزر کہ بس بے اعتبار افتادہ است
رشتۂ دام ہوا چوں تار بیت عنکبوت

ترجمہ:۔ خواہش نفسانی کو چھوڑ اس لیے کہ نہایت ہی غیر معتبر ہے خواہش کی پھانسی کا رشتہ تارِ عنکبوت کی طرح ہے۔ اے اللہ ہمیں وہ دنیا نصیب فرما جس میں ہوائے نفس نہ ہو اور اس سے نجات دے جس پر ماسوی کا اطلاق ہوتا ہے۔

ہر لمحہ دو عیدین:۔ عشاق کو ہر لمحہ میں دو عیدیں نصیب ہوتی ہیں اور مکڑیاں مکھیوں کا گوشت کھاتی ہیں۔

شرح:۔ دو عیدوں سے نیستی و ہستی مراد ہے جو عارف کی نگاہ میں سے ہر وقت گزرتی ہیں کیونکہ عید لوٹنا اور یہ خیال بھی قلب پر بار بار لوٹتا ہے اسی لیے اسے عید[1] سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وحدۃ الوجود کی تقریر:۔ وہ لوگ جو تعینات کی قیود میں گرفتار ہیں ان کی مثال مکڑی کی ہے اور مکڑیوں کے باسی گوشت کھانے میں اشارہ ہے کہ یہ تعینات کے گرفتار موجودات موہومہ عالم

---

[1] یعنی عرفی معنیٰ کے لحاظ سے اسے عید کہا گیا ہے۔ اسی معنیٰ پر ہم اہلسنت میلاد النبی کی تقاریب و محافل و مجالس کو عید سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہمارے دور کے خوارج کو اس اطلاق پر اعتراض ہے وہ کہتے ہیں کہ شرع نے صرف دو عیدین دی ہیں

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

کو متحقق تصور کرتے ہیں اور حقیقت حال سے غافل ہیں۔ گویا وہ کھمبوں کا باسی گوشت کھا رہے ہیں کیونکہ اشیاء کا وجود حقیقی نہیں اور ان کی موجودیت صرف اس قدر ہے کہ ان کو وجود حقیقی سے نسبت ہے۔ جب یہ نسبت ہو گی تو یہ معدوم ہو جائیں گے اسی لیے وجودی حضرات کہتے ہیں **التوحید اسقاط الاضافات**۔ توحید اضافات کو گرانے کا نام ہے ؎

جہاں را نیست ہستی جز مجازی

سراسر حال او لہو ست و بازی

ترجمہ: ۔جہان کی ہستی مجازی ہے اس کا تمام حال لہو و لعب ہے۔

ایسے ہی بعض اہل تاویل نے کہا ہے۔ لیکن فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ **عیدین** سے سانس کا آنا جانا مراد ہے اور عارفین کو ان ہر دونوں میں بہت بڑی عید نصیب ہوتی ہے کیونکہ ان ہر دونوں سانسوں میں مشاہدۂ حق میں مستغرق ہوتے ہیں اور مکڑیوں سے وہ بندگان مراد ہیں۔ عبادت ظاہرہ میں مشغول تو ہیں لیکن شہود حق سے محروم ہیں۔ لذیذ اور تازہ کھانا کہاں اور باسی روٹی کہاں۔

تفسیر عالمانہ: ان اللہ یہاں قول محذوف ہے یعنی اے نبی علیہ السلام کافروں کو تہدید فرمائیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ **یعلم ما یدعون** جانتا ہے وہ جو عبادت کرتے ہیں۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ: صاحب روح البیان نے یہاں پر **یدعون** بمعنی یعبدون لکھا ہے کہ یہ لوگ یدعون سے پکارنا (اور وہ بھی جو ہم اہلسنت وسیلہ کے طور اولیاء اللہ کو مدد کے لیے ندائیں کرتے ہیں) مراد لیا ہے اس سے قرآن کی تحریف لازم آتی ہے اور وہ ایسی تحریفوں کے اُستاد واقع ہوئے ہیں مزید فقیر کی تفسیر احسن التحریر فی دورۃ التفسیر دیکھئے) اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

ما استفہامیہ ہے **یدعون** سے منصوب ہے **من دونہ** یعنی ماسوی اللہ کی اس کا تعلق **یعلم** سے ہے **من شئ**۔ من بیانیہ ہے یعنی ماسوی اللہ بت ہوں یا ستارے یا فرشتے یا جن وغیرہ اور اس کی لطافت مخفی نہیں پھر اللہ تعالیٰ اس فعل بد پر ان کو سزا دے گا۔

وھو العزیز اور وہ اللہ تعالیٰ غالب اور اپنے اعداء سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ **الحکیم** وہ عجلت کے ساتھ سزا نہ دینے پر حکمت والا ہے۔

بقیہ حاشیہ۔ اور تم لوگ ایک تیسری عید مناتے ہو۔ ہم نے قوی دلائل سے ثابت کیا کہ ہمارا یہ اطلاق عرفی ہے یعنی عید بمعنی خوشی اور شادمانی اور شرعی اصطلاح کے الفاظ کا اطلاق دوسرے مطالب پر جائز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "میلاد النبی عید کیوں"

شانِ نزول: بعض اہلِ عرب جو انھیں بیوقوف اور جاہل کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کیسا ہے کہ وہ مکھیوں اور مکڑیوں کی مثال دینے سے حیا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا و تلك الامثال یہی مثال ان جیسی اور۔ مثل وہ کلام جو ایک بات کو دوسری بات سے تشبیہ دینے کے لیے واقع ہو یعنی دوسرے کے حال کی تشبیہ یعنی یہ وہ مثالیں ہیں۔

نضربها للناس۔ اہلِ مکہ اور دوسروں کے لیے ہم انھیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ بات جو ان کے ذہنوں سے دُور ہے قریب ہو جائے۔

حلِ لغات: المفردات میں ہے کہ ضرب المثل۔ ضرب الدراہم سے لی گئی ہے کہ جیسے درہم پر مہر لگنے سے تذکیر مطلوب ہے اس بیان سے مثال دے کر تذکیر مقصود ہے کہ جس طرح درہم پر مہر لگانے کے بعد نشان اور اثر باقی ہے ایسے ہی اس بیان کا نشان و اثر تادیر رہے گا۔ وما یعقلها۔ ان امثال کے حسن و فائدہ کو نہیں سمجھتے الا العالمون مگر وہ جو اہلِ علم ہیں یعنی وہ جو راسخ فی العلم ہیں اور اشیاء کی حقیقت میں تدبر و تفکر کرتے ہیں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں منجانب اللہ سمجھ نصیب ہوتی ہے اسی لیے وہ اس سمجھ پر عبادت و طاعت بجالاتے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچتے ہیں۔

نکتہ: حقیقت میں عالم وہی ہے جس کا علم معاصی سے بچائے۔ عاصی جاہل ہے اگرچہ عالم کہلاتا اور عوام میں اہلِ علم سمجھا جاتا ہو۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ و ما یعلمها الا العاقلون کیوں نہیں فرمایا حالانکہ عقل علم سے سابق ہے۔

جواب: عقل ایک آلہ ہے کہ جس کے ساتھ تامل کرنے پر اشیاء کے معانی کا ادراک ہوتا ہے لیکن اشیاء کا تامل اور ان تک پہنچنا علم کے بغیر ناممکن ہے اسی لیے و ما یعلمها الا العاقلون کے بجائے وما یعقلها الا العالمون فرمایا۔

لطیفہ: اس سے معلوم ہوا کہ عقل پر علم کو فضیلت حاصل ہے کیونکہ ہر عالم عاقل ہوتا ہے لیکن بہت سے عقل مند تو ہوتے ہیں لیکن عالم نہیں ہوتے۔

فائدہ: المفردات میں ہے کہ العقل یہ ایک قوت ہے جو قبولِ علم کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس قوت کے ذریعے علم کے لیے انسان استفادہ کرتا ہے اسے بھی عقل کہتے ہیں اسی لیے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں ؎

العقل عقلان - مطبوع و مسموع
ولا ینفع مطبوع - اذا لم یك مسموع

كما لا تنفع الشمس ۔ وضوء العين ممنوع

ترجمہ:۔(۱) عقل دو ہیں ۱۔ مطبوع ۲۔ مسموع

(۲) مطبوع کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک مسموع ساتھ نہ ہو۔

(۳) جیسے سورج کی روشنی کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک آنکھ میں روشنی نہ ہو۔

تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم برائے قول علی رضی اللہ عنہ: پہلے عقل کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے مکرم تر کوئی شے پیدا نہیں فرمائی اور دوسرے کی طرف اشارہ فرمایا۔ بندے کا کوئی کام اس سے افضل نہیں جو اسے ایسا عقل نصیب ہوا جو اسے ہدایت کی طرف لے جائے اور برائی سے روکے۔ اور آیت میں یہی دوسرا عقل مراد ہے کہ فرمایا وما يعقلها الا العالمون۔

قاعدہ نمبر (۱) جہاں پر کفار کی عقل کی مذمت کی ہے بلکہ فرمایا انہیں عقل نہیں تو اس میں بھی عقل کی دوسری قسم مراد ہے نہ کہ پہلی۔

قاعدہ نمبر (۲) جہاں بندے سے تکلیف کا ارتفاع ہے بوجہ عقل کے نہ ہونے کے تو وہاں عقل سے پہلی قسم مراد ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:۔

(۱) عقل دو عقلست اوّل مکسبے
که در آموزی چو در مکتب صبی

(۲) از کتاب و اُوستاد و فکر و ذکر
از علوم و از معانی خوب و بکر

(۳) عقل تو افزوں شود بر دیگراں
لیک تو باشی ز حفظ آں گراں

(۴) لوح حافظ باشی اندرو درو گشت
لوح محفوظ اوست کو زین درگزشت

(۵) عقل دیگر بخشش یزداں بود
چشمۂ آں درمیاں جان بود

(۶) چوں ز سینہ آب جوش کرد
نے شود گندہ نے دیرینہ نے زرد

(۷) در رہ نبعش بود بستہ چہ غم
کو ہمی جوشد رخانہ دمبدم
(۸) عقل تحصیلی مثال جوہیا
کان رود در خانۂ از کوہیا
(۹) راہ آبش بستہ شد شد بے نوا
از درون خویشتن چوں چشمہ را
(۱۰) جہد کن تا پیرو عقل و دین شوی
تا چو عقل کل تو باطن بین شوی

ترجمہ

(۱) عقل دو ہیں (۱) کسبی تعلیم سے حاصل ہوتا جیسے بچہ کتب میں حاصل کرتا ہے ۔
(۲) کتاب سے اُستاد سے اور فکر و ذکر سے علوم سے معانی وغیرہ وغیرہ ۔
(۳) ایسا عقل تیرا دوسروں سے بڑھے گا لیکن تو اس کے یاد کرنے میں تکلیف پائے گا ۔
(۴) دورو گشت میں لوح کا حافظ ہو گا جب حاصل ہو جائے گا پھر وہ تیرے لیے لوح محفوظ ہے ۔
(۵) دوسرا عقل بخشائش الٰہی ہے وہ جان میں بمنزلہ چشمہ کے ہے ۔
(۶) جب سینے میں جاگزین ہو گا تو پھر ایسا چشمہ ہے کہ نہ گندا ہو گا اور نہ پرانا ہو گا ۔
(۷) وہ تو چشمہ دار ہے اگرچہ بند ہے تو کیا غم کیونکہ گھر میں ہے ہر لحظہ وہ جوش میں ہے ۔
(۸) تحصیلی عقل نہر کی طرح ہے وہ گھروں میں جاتا ہے لیکن گلیاں کوچے گھوم کر ۔
(۹) جب اسے پیچھے بند کر دیں گے تو وہ بے نوا ہو جائے گا لیکن وہ چشمہ دائمی ہے جو اپنے اندر سے پانی لیتا ہے ۔
(۱۰) کوشش کر تاکہ تجھے عقل و دین نصیب ہو ۔ پھر عقل کی طرح باطن بین ہو جا ۔

تفسیر عالمانہ: خلق السموات والارض بالحق ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا در آنحالیکہ وہ حق میں یعنی حکمتوں و مصلحتوں کے عین مطابق ہے ۔ یہ خلق کے فاعل سے حال ہے ۔ یا اس کا متعلق ملتبسہ ہے یعنی ان کی تخلیق حق ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے ان میں دینی و دنیوی منافع ہیں پھر یہ اس کے مفعول سے حال ہے یعنی یہ دونوں انسانوں کے معاش پر مشتمل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے شواہد ان میں موجود ہیں یہ دلالت کرتے ہیں کہ وہ عظیم قدرتوں کا مالک ہے اور بہت بڑی عظیم الشان صفات سے موصوف ہے جیسے اس کی طرف اشارہ فرمایا ان فی ذٰلک بیشک اس کے پیدا کرنے میں الایۃ البتہ نشانیاں ہیں جو اس کے مختلف نشانوں

پر دلالت کرتی ہیں۔ للمؤمنین اہل ایمان کے لیے اہل ایمان تخصیص اس لیے ہے کہ یہی ان سے نفع پاتے ہیں ورنہ یہ نشانیاں تو ہدایت وارشاد کے لیے عام ہیں ہر مومن وکافر کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے خلق اللّٰہ السموات والارض بالحق یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا حق کے ساتھ اس لیے صفات حق کے آئینہ ہونے کے لیے تاکہ یہ تمام اس کے مظاہر ہوں ان فی ذالک لآیۃً یعنی آسمانوں وزمینوں کی تخلیق نشانی ہے یعنی حق کی نشانی جو ان میں بطور امانت رکھی گئی ہے للمومنین ان اہل ایمان کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے ہیں اس لیے کہ نور کو نور سے ہی دیکھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے نور پیدا نہیں فرماتا اس کے لیے کوئی نور نہیں۔

جہاں مرأت حسن شاہد ماست
فشاہد وجہہ فی کل ذات

ترجمہ: یہ جہان ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے فلہٰذا تم ہر ذرہ میں اس کے چہرے کا مشاہدہ کرو۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ آثار رحمت الٰہی کو بغور دیکھے اور اس کی عجائب صنعت اور غرائب قدرت میں فکر کرے تاکہ اس کی معرفت کے دریا سے اسے جواہر نصیب ہوں۔

حکایت: مروی ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن اپنے حجرۂ عبادت میں داخل ہوئے تو وہاں ایک چھوٹا سا کیڑا دیکھ کر عجائب صنعت باری تعالیٰ میں غور وفکر میں ڈوب گئے اور خیال کیا کہ اس کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی تو اللہ تعالیٰ نے کیڑے کو بولنے کی طاقت دی۔ کیڑا بولا اے داؤد آپ میری صورت سے متعجب ہیں آپ کو عجب نفس نے گھیرا ہے میں اگرچہ چھوٹا ہوں لیکن میں آپ سے بہت زیادہ ذکر اور شکر کرتا ہوں جتنا آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے آپ اتنا قدر نہ شکر کرتے ہیں نہ ذکر۔

حکایت: ایک شخص خنفساء کو دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اسے پیدا نہ کرتا تو کونسا نقصان تھا نہ اس کی شکل ہے نہ اس سے اچھی خوشبو حاصل۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک زخم میں مبتلا کر دیا جس کے علاج سے اطبار اور ڈاکٹر عاجز آ گئے بلکہ اسے لاعلاج کہہ کر موت کی تیاری کا کہہ دیا۔ مایوس پڑا تھا کہ ایک دن گلی میں اعلان کیا کہ کسی نے علاج کرانا ہو تو اس مایوس العلاج نے کہا اسے لاؤ اس کے علاج سے ممکن ہے کہ تندرستی نصیب ہو لوگوں نے کہا کہ بہت بڑے حاذق ماہر حکماء تیرے علاج سے جواب دے گئے یہ غریب کیا کرے گا اس نے کہا لے آؤ۔ ممکن ہے آرام مل جائے۔ بلایا گیا تو اس نے زخم دیکھ کر کہا کہ خنفساء لے آؤ۔ لوگ ہنس پڑے تو بیمار نے کہا یہ جیسے کہے اس پر عمل کرو چنانچہ خنفساء لایا گیا تو اس نے اسے جلا کر راکھ کر دیا پھر راکھ کو زخم پر رکھا تو بیمار تندرست ہو گیا۔ لوگ حیران ہو گئے خود بیمار نے کہا کہ میرا تمہ ور بے میں نے اس کو دیکھ کر کہا یہ کیڑا کس کام کا لیکن قادر مطلق کی قدرتوں کا راز نرالا ہے۔ (کذا فی حیاۃ الحیوان)

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی پیدا کردہ شے بیکار نہیں بلکہ ہر شے کی تخلیق میں ہزاروں حکمتیں ہیں ہم جانیں یا نہ اسی لیے مومن پر لازم ہے کہ غور و فکر سے کام لے اور اس میں ترقی کرتا ہوا اس مقام تک پہنچ جائے کہ ہر شے کی تخلیق کی حقیقت معلوم ہو جائے جیسا کہ اہلِ بصیرت کی شان ہے۔

نسخۂ صوفیانہ: اہلِ تصوف فرماتے ہیں المشاہدۃ مجاہدۃ کا ثمرہ ہے اسی لیے لازم ہے کہ عقل کو بلکہ تمام قومی کو تفکر میں استعمال کرے یعنی ہر ایک سے وہی خدمت لے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے کیونکہ

ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

بلکہ اس خدمت سے کشفِ حقیقی نصیب ہوگا حیرۃ الٰہی میں اضافہ ہوگا اور اطمینانِ قلب نصیب ہوگا ؎

بے طلب نتواں وصالت یافت آرے کہ دہر
دولت حج دست جز راہ بیاباں بردہ را

ترجمہ: طلب کے بغیر وصال ناممکن ہے۔ حج بھی نصیب نہیں ہوتا جب تک دور دراز کا سفر نہ کیا جائے۔

شرحِ شعرِ بالا: یہاں پر طلب سے قصدِ قلبی اور زبانی لسانی بات مراد نہیں بلکہ بقدرِ امکان ظاہری و باطنی جد و جہد کرنا مطلوب ہے اور انسان کا حقیقی مقصد ہے اس کے بعد فتح و کامرانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اگر وہ چاہے تو ملکوتِ سمٰوٰت والارض دکھائے یا نہ اور مکاشفہ و مشاہدہ کا شرف بخشے یا نہ اسی کی مرضی پر ہے وہ شے کا تحقق نصیب فرما دے یا نہ اور چاہے تو وہ ایک مقام پر رکھے چاہے تو بلندی عطا فرمائے۔ انسان کے بلند مراتب میں سے ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اسے تفکر بالعقل نصیب ہو وہ جو اسے امانت کے طور پر عطا ہوا اور اس پر لازم ہے کہ شکرِ خداوندی بجا لائے کہ اس نے غافلین و معرضین کے دائرہ سے نکالا ہے۔

اے اللہ ہمیں متفکرین اور بیدار مغز لوگوں سے بنا اور ان لوگوں میں رکھ جو ہر شے میں حقائق امور کا یوں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہی ہے خالق السمٰوٰت والارض وہی ہے جو حقائق امور کا ادراک بخشتا ہے۔

هذا آخر ما رقمه قلما لفقیر القادری ابی الصالح **محمد فیض احمد** اویسی غفرلہ

بحمدہٖ تعالیٰ اس فقیر کو پارہ ۲۰ کے ترجمہ سے ۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق ۹ رفروری ۱۹۸۳ء بشب اتوار بعد نماز مغرب فراغت نصیب ہوئی۔

فصلی اللہ علی حبیبہ الکریم الرءوف الرحیم الامین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

(کتبہ محمد شریف نقشبندی)